اصول حدیث کی بعض اہم مباحث
امام حاکم نیشاپوری کے مختصر حالات
المدخل فی اصول الحدیث کا تفصیلی ناقدانہ جائزہ
کتاب الآثار پہلا حدیثی مجموعہ اور اس کے متعدد نسخے
انواع صحیح پر مفصل بحث
شرط شیخین ایک معرکۃ الآراء موضوع
ہندوستان اور علم حدیث
شاہ ولی اللہ اور کتب طبقات حدیث
خانوادہ شاہ عبدالحق کی علم حدیث میں خدمات
خانوادہ شاہ ولی اللہ کی علم حدیث میں خدمات
موازنہ صحیح مسلم و صحیح بخاری
تالیف
مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ
ترتیب
پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالشہید نعمانی
ناشر
ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن غضنفر
مؤسس و مدیر
الرحیم اکیڈمی
اے ۷/۷، اکرام آباد، لیاقت آباد، کراچی۔ ۷۵۹۰۰
موبائل: ۰۳۲۲-۲۸۶۷۴۸۰ ۰۳۲۲-۲۲۸۱۱۷۵
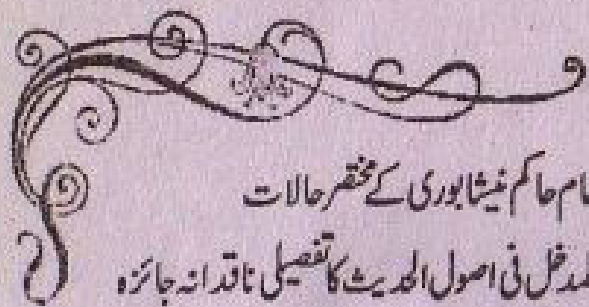
اصول حدیث کے بعض اہم مباحث

- امام حاکم نیشاپوری کے مختصر حالات
- المدخل فی اصول الحدیث کا تفصیلی ناقدانہ جائزہ
- کتاب الآثار پہلا حدیثی مجموعہ اور اس کے متعدد نسخے
- انواع صحیح پر مفصل بحث
- شرط شیخین ایک معرکۃ الآراء موضوع
- ہندوستان اور علم حدیث
- شاہ ولی اللہ اور کتب طبقات حدیث
- خانوادہ شاہ عبدالحق کی علم حدیث میں خدمات
- خانوادہ شاہ ولی اللہ کی علم حدیث میں خدمات
- موازنہ صحیح مسلم و صحیح بخاری

تالیف

محدث عصر شیخ الحدیث مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب

پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالشہید نعمانی
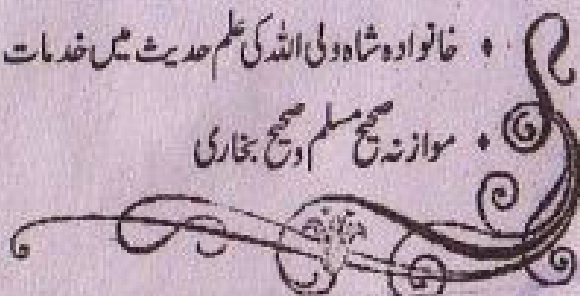
ناشر: محمد عبدالرحمٰن غضنفر

الرحیم اکیڈمی

اے 7/7، اکرام آباد، لیاقت آباد، کراچی

0322-2867480

محمد عابد الرحمٰن 0322-2481175

فہرس موضوعات

عرض ناشر

محقق العصر برادر معظم حضرت مولانا محمد عبد الرشید نعمانی صاحب رفیق ندوة المصنفین دہلی، اور رکن مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن وسابق استاذ دار العلوم اشرف آباد ٹنڈوالہ یار وسابق استاذ حدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن وسابق پروفیسر وصدر شعبہ اسلامیات جامعہ اسلامیہ بہاولپور، ومشرف درجة التخصص فی الحدیث جامعة العلوم الإسلامیة بنوری ٹاؤن کراچی، رحمۃ اللہ علیہ، علمی دنیا میں محتاج تعارف نہیں، آپ کی متعدد بلند پایہ علمی تصانیف زیور طبع سے آراستہ ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں اور علمی کتب خانوں کی زینت ہیں۔

اردو زبان میں "لغات القرآن" ادارہ ندوۃ المصنفین نے شائع کی، اور پھر پاکستان میں لاہور اور کراچی میں متعدد ناشرین کتب نے کتاب کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے، بغیر مصنف کی اطلاع کے متعدد بار اس کو شائع کیا۔

آپ کی دوسری بلند پایہ علمی تصنیف ما تمس إلیه الحاجة لمن یطالع سنن ابن ماجه کراچی، لاہور، قطر اور بیروت سے شائع ہو چکی ہے۔

سندھی ادبی بورڈ کراچی (حال حیدرآباد) نے متعدد سندھی علماء کی تصانیف کو آپ کی تحقیق وتصحیح ومقدمہ اور حواشی کے ساتھ شائع کیا ہے جو نہایت اعلیٰ علمی تحقیقات اور قیمتی معلومات پر مشتمل ہیں۔ یہ کتابیں حسب ذیل ہیں۔

1) دراسات اللبیب فی الأسوة الحسنة بالحبیب للمخدوم ملا معین سندھی
2) ذب ذبابات الدراسات عن المذاهب الأربعة المتناسبات للمخدوم ملا عبد اللطیف سندھی

۳)التعليق القويم على مقدمة كتاب التعليم لشيخ الإسلام مسعود بن شيبة السندهي

علاوہ ازیں ناصبیت کے رد میں آپ کے متعدد رسالے برادر معظم مظفر لطیف مرحوم نے "مکتبہ اہل سنت والجماعت" سے طبع کرکے شائع کئے ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں:

1) یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں

2) شہداء کربلا پر افتراء

3) اکابر صحابہ پر بہتان

علاوہ ازیں برادر معظم رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے علمی مقالات ہیں جو ہندو پاک کے متعدد علمی مؤقر ماہناموں میں شائع ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ کر دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

اس وقت ہم ناظرین کی خدمت میں برادر معظم نور اللہ مرقدہ کا وہ قیمتی اور علمی مقالہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جو سب سے پہلے ان کے قلم سے نکلا اور ہند کے مؤقر علمی ماہنامہ برھان کے صفحات کی زینت بنا۔ اس مقالہ کا اہل علم نے جس طرح استقبال کیا، اس کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ شارح صحیح مسلم علامۃ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ جب ندوۃ المصنفین قرول باغ دہلی میں اس مقالہ کی اشاعت کے بعد پہلی بار تشریف لائے۔ اور مفتی عتیق الرحمن عثمانی مرحوم نے مقالہ نگار کا تعارف کرایا۔ تو علامہ محدث نے برادر معظم سے یہ کہہ کر مصافحہ کیا کہ "اچھا آپ ہیں صاحب المدخل"۔ مشہور مصنف اور نامور عالم مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ نے اس مقالہ کا مطالعہ کرنے کے بعد مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدیر برھان کے نام جو مکتوب لکھا تھا، اس کی حسب ذیل عبارت خاص طور پر پڑھنے کے لائق ہے جس سے اس مقالہ کی علمی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

" بھئی یہ مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب تو بڑے چھپے رستم نکلے اللہ تعالیٰ ان کے علم واقاضہ میں برکت دے۔ اس قسم کے علمی اور تحقیقی مضامین دیکھ کر کھوجہ

اطمینان ہوتا ہے کہ بزرگوں کے جانے کے بعد ان کی خصوصیات کے وارث ان شاء اللہ رہیں گے۔ میں تو چونکہ کتابوں کی دنیا سے الگ ہو کر ایک جاہل منشی رہا ہوں، تصنع نہ سمجھے واللہ اپنے متعلق میرا احساس اس بارے میں یہی ہے، مگر اس سے کچھ زیادہ رنجیدہ نہیں ہوں اس لیے اس قسم کے مضامین سے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ کیونکہ خود تو کتابیں دیکھنے کی اب توفیق ہوتی نہیں البتہ اس طرح دوسروں کا پکا پکایا بس کھانے کو مل جاتا ہے اس پر اگر شکر ادا نہ کروں اور دعائیں نہ دوں تو کافرِ نعمت ہی ہوں گا"۔

والسلام

اخوکم محمد منظور النعمانی عفا اللہ عنہ

مؤرخہ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ

حضرت علامہ مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ مؤلف فیض الباری، دارالعلوم ٹنڈو الہ یار سندھ پاکستان کے سال اول کی سالانہ روئیداد ۶۹-۷۰ ۱۳ھ ص:۱۱ میں برادر معظم حضرت مولانا نعمانی مدظلہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

" مولانا محمد عبد الرشید صاحب! آپ تاریخ وحدیث ورجال اور بعض دیگر فنونِ حدیث میں غیر معمولی قابلیت کے مالک ہیں اور اس موضوع کے کتب مخطوط و مطبوعہ پر عالمانہ نظر رکھتے ہیں۔ محنتی سادہ مزاج اور مستعد عالم ہیں۔ قرآن کے مشکل مقامات لغات اور تاریخی شواہد پر مفسرانہ عالمانہ اور مؤرخانہ انداز میں آپ نے لغات القرآن کے نام سے تصنیف کا ایک سلسلہ شروع کر رکھا ہے جس کی دو جلدیں ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہو چکی ہیں۔ آپ دارالعلوم الاسلامیہ میں کتب خانے کے ناظم اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہیں۔

تاریخ حدیث و تاریخ علوم وغیرہ پر امالی (لیکچر) کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ عربی درس گاہوں میں ان عنوانات پر امالی کا افتتاح ایک مفید اور درسِ نظامی میں ایک نیا اقدام ہے"۔

حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوری مدظلہ (داماد و تلمیذ علامہ انور شاہ کشمیری) مقدمہ انوار الباری شرح صحیح بخاری (ج:۲، ص:۲۷۹) تذکرۂ محدثین میں برادر معظم رحمہ اللہ کا ان الفاظ میں تعارف کراتے ہیں:

"العلامة المحدّث الأديب الفاضل مولانا محمد عبد الرشيد نعمانی مشہور مصنف، محقق محدث، جامع معقول و منقول ہیں۔ آپ نے نہایت مفید علمی تصانیف فرمائی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

لغات القرآن

امام ابن ماجہ اور علم حدیث

ماتمس إليه الحاجة (مقدمة ابن ماجه)

التعقبات على الدراسات

التعليقات على ذب و ذبابات الدراسات

التعليق القويم على مقدمة كتاب التعليم

مقدمہ مؤطا امام محمد رحمہ اللہ (مترجم)

مقدمہ مسند امام اعظم (مترجم)

مقدمہ کتاب الآثار (مترجم)

آپ کی تمام کتابیں گہری ریسرچ کا نتیجہ اور اعلیٰ تحقیق کی حامل ہیں۔ مقدمات وتعلیقات میں آپ کے تحقیقی افکار علامہ کوثری رحمہ اللہ کے طرز سے ملتے جلتے ہیں، اس لیے آپ کی صراحت پسندی اور بے باک تنقید کچھ طبائع پر شاق ہوگئی ہے، لیکن اہل بصیرت اور انصاف پسند حضرات آپ کی تلخ نوائی

وجرات حق گوئی کی مدح وستائش کرتے ہیں۔ متعنا الله بطول حیاته النافعة"۔

علماء کی ان تصریحات کے بعد اب ہم اپنے ناظرین اور کتاب کی علمی تحقیقات کے درمیان حائل ہونا نہیں چاہتے، پڑھئے اور فائدہ اٹھایئے کیونکہ

مشک آن است کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

البتہ قارئین کرام کی خدمت میں اتنا التماس ہے کہ اگر اس کے مباحث پسند آئیں تو ناشر اور مقالہ نگار کو دعائے خیر سے فراموش نہ فرمائیں۔

غرض نقشے است کز ما یاد ماند ۔۔۔ کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحبدلے روزے برحمت ۔۔۔ کند بر حال ایں مسکیں دعائے

الفقیر الی اللہ تعالیٰ
محمد عبد الرحمن غضنفر غفر اللہ له ولوالدیه

کتاب اور صاحب کتاب

برصغیر ہند و پاک کے مایہ ناز محدث محقق العصر حضرت مولانا محمد عبد الرشید نعمانی قدس سرہ المتوفی ۱۴۲۰ھ کے قلمی سفر کا اولین آغاز جس علمی اور تحقیقی مضمون سے ہوا وہ امام ابو عبد اللہ حاکم محمد بن عبد اللہ الحافظ النیسابوری المتوفی ۴۰۵ھ کے اصول حدیث پر ایک مختصر رسالہ "المدخل فی اصول الحدیث" پر نہایت منفرد انداز میں ایک محققانہ تبصرہ تھا۔ یہ نقد و تبصرہ ہندوستان کے مشہور علمی ادارہ "ندوۃ المصنفین دہلی" کے موقر ماہنامہ "برہان" میں شائع ہوا۔ مسلسل چھ قسطوں پر مشتمل اس سلسلہ کا آغاز محرم الحرام ۱۳۶۱ھ میں ہوا اور جمادی الثانیہ ۱۳۶۱ھ میں یہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔ کسی رسالہ میں بطور خاص علمی مجلات میں جب کوئی مضمون اشاعت کی غرض سے ارسال کیا جاتا ہے تو رسالہ کی ضخامت اور اشاعتی پالیسی کے پیش نظر اختصار کو بطور خاص ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ اس کے پیش نظر حضرت والد صاحب نے بہت سے مباحث تحریر کرنے کے باوجود اشاعت کے لیے ارسال نہیں کیے۔ خود تحریر فرماتے ہیں۔

"اختصار کا لحاظ رکھنے کے باوجود مقالہ دراز ہوگیا اور بہت سے مباحث قصداً ترک کرنا پڑے"۔

المدخل پر تبصرہ کتابی شکل میں عرصہ ہوا شائع ہوا تھا اور بہت دنوں سے نایاب تھا عم محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن غضنفر صاحب نے جدید انداز میں جب اس کی اشاعت کا دوبارہ ارادہ کیا تو مختلف موانع پیش آتے رہے۔ اور کئی مرتبہ یہ

کمپوز ہوا اور ضائع ہوا بالآخر یہ ذمہ داری میرے سپرد کی گئی۔ میں نے والد صاحب کے مسودات میں المدخل کے مسودہ کا جب گہرائی سے مطالعہ کیا تو اس کتاب سے متعلق کئی ایسے مباحث ملے جو غالباً اختصار کے پیش نظر شامل اشاعت نہیں کئے گئے تھے۔ ان مباحث کو حسب موقع اس کتاب میں شامل کردیا گیا ہے اسی طرح بعض وہ موضوعات جن کے بارے میں ضمناً اشارات تھے اور بعد میں دیگر تصنیفات مثلاً "ابن ماجہ اور علم حدیث" وغیرہ میں ان پر تفصیلی بحث موجود تھی ان کو بھی موقع کی مناسبت سے شامل کردیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ مسودات میں اسی موضوع کے متعلق کچھ ایسے مقالات ملے جو ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئے تھے۔ ان میں "موازنہ بین الصحیحین" اصول حدیث کے مباحث میں نہایت اہمیت کا حامل موضوع ہے، جس میں تین بنیادی مباحث پر مدلل اور سیر حاصل تبصرہ ہے۔

۱۔ کیا قرآن مجید کے بعد صحیحین اصح الکتب ہیں؟

۲۔ ان کتابوں پر امت کی تلقی بالقبول ہے۔

۳۔ بخاری کی کتاب مسلم سے اصح ہے۔

علاوہ ازیں ان مسودات میں "مقدمہ عجالہ نافعہ" کے عنوان سے جہازی سائز کے تقریباً بیس صفحات پر مشتمل ایک طویل مضمون بھی ملا ہے۔ "عجالہ نافعہ" شاہ عبدالعزیز کی نہایت متداول اور مشہور کتاب ہے عم محترم مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی دامت برکاتہم نے "فوائد جامعہ" کے عنوان سے اس کتاب پر نہایت تحقیقی حواشی اور مبسوط شرح تحریر کی ہے اور ساتھ ہی سلیس اردو زبان میں ترجمہ بھی کردیا ہے۔ مقدمہ عجالہ نافعہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت والد صاحب ہندوستان میں علم حدیث کے ارتقاء کا ایک مفصل جائزہ لینا چاہتے تھے۔ ان کے پیش نظر ہندوستان کے مشہور محدثین کی نادر تحقیقات پر ایک تفصیلی مقالہ سپرد قلم کرنا تھا چنانچہ اس مضمون کا آغاز

ہندوستان میں علم حدیث کے عنوان سے ہوا اور پھر بڑی تفصیل سے اقلیم ہند میں اس میراث نبوی کی گرم بازاری کا ذکر کیا گیا، بطور خاص دسویں صدی ہجری میں ہندوستان میں علم حدیث کی سرگرمیوں کے بارے میں بڑے اہم نکات بیان کیے گئے ہیں۔ اور اس دور کے مشہور محدثین پیر سید عبد الاول بن علاء حسنی کی تالیف "فیض الباری" اور شیخ علی بن حسام الدین متقی حنفی کی "کنز العمال" کے علاوہ دیگر تصنیفی خدمات کا تذکرہ کیا گیا۔

اس کے بعد حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ان کے خانوادہ کی تدریسی و تصنیفی خدمات پر روشنی ڈالی گئی۔ آخر میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور ان کے خاندان کی علم حدیث کی ترویج واشاعت میں مساعی جمیلہ کا تذکرہ کیا گیا۔ اس باب میں سب سے شاہکار بحث حضرت شاہ صاحب کے قائم کردہ کتب طبقات حدیث کا ایک ناقدانہ اور تحقیقی جائزہ ہے اگرچہ بحث مکمل نہیں ہو سکی ہے لیکن جہاں تک اوراق دستیاب ہوئے ہیں اس میں موضوع کا کافی حد تک احاطہ ہو گیا ہے۔

المدخل کے تبصرہ میں جملہ مباحث کا تعلق اصول حدیث سے ہے۔ دیگر مباحث بھی تاریخ تدوین حدیث اور اصول حدیث سے متعلق ہیں اس طرح یہ کتاب اب صرف المدخل پر تبصرہ تک محدود نہیں رہی بلکہ اصول حدیث کے بعض اہم مباحث پر نہایت قیمتی معلومات کا مجموعہ بن گئی ہے اس لیے اس کا نام "اصول حدیث کے بعض اہم مباحث مع تبصرہ بر المدخل فی اصول الحدیث للحاکم النیسابوری" تجویز کیا گیا ہے۔ ترتیب جدید کی جملہ ذمہ داری راقم الحروف کے ناتواں کندھوں پر ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ جہاں عبارت میں پیوندکاری ہو۔ ربط اور تسلسل قائم رہے۔

اہل علم اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ حضرت والد صاحب کو اصول حدیث میں اختصاص حاصل تھا۔ تمام مباحث پر ان کی مجتہدانہ نظر تھی

مضبوط دلائل کے سامنے آنے کے بعد اور پوری بصیرت اور برسوں کے غور و فکر کے بعد وہ اپنی رائے قائم کرتے تھے۔ قدماء کی جملہ تالیفات کا پوری جزئیات اور تفصیلات کے ساتھ انہوں نے مطالعہ کیا تھا۔ امام حاکم کی کتاب المدخل پر تبصرہ سے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ان کی رائے میں محدثین کے وضع کردہ اصول حدیث میں بہت سے مباحث تشنہ ہیں، اور دقت نظر کے ساتھ ان پر غور و فکر اور نظر ثانی کی ضرورت ہے اسی طرح ان کی یہ بھی جچی تلی رائے تھی کہ احناف نے تدوین حدیث کا کام بہت پہلے مکمل کر لیا تھا۔ اور استنباط مسائل میں ان کے سامنے اپنے ائمہ کے مرتب کردہ احادیث کے ذخائر تھے۔ نیز یہ کہ احادیث کے پرکھنے کے لیے ائمہ احناف کے اصول زیادہ جامع اور معیاری تھے۔ ان کی ایک جھلک اصول فقہ کی کتابوں میں "السنة" کے زیر عنوان ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ مقام مسرت ہے کہ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے تخصص فی الحدیث کی سند کے حامل ایک فاضل نوجوان مولوی عبدالمجید الترکمانی (جن کا تعلق ما وراء النہر کے ایک عابد زاہد خاندان سے ہے) نے محترم مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی صاحب کی زیر نگرانی اس موضوع پر قلم اٹھایا اور "دراسات فی اصول الحدیث علی منہج الحنفیة" کے عنوان سے مقالہ تحریر کیا یہ مقالہ زیور طباعت سے آراستہ ہوگیا ہے۔ یہ کتاب حنفی اصول حدیث کے بنیادی موضوعات پر ایک کامیاب کوشش ہے۔ اور آئندہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کو اساس فراہم کرتی ہے۔ جہاں تک المدخل پر تبصرہ کا تعلق ہے فاضل محقق کی کاوشوں کا اندازہ ان کے درج ذیل کلمات سے لگایا جاسکتا ہے۔

"ذیل کے مقالہ میں المدخل کے مباحث پر ہم نے ایک تحقیقی نظر ڈالی ہے جو حدیث اصول حدیث رجال و تاریخ کی سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ کا نتیجہ ہے بلاشبہ اس میں حاکم کے بیانات سے بہت سی جگہ اختلاف کیا گیا ہے

لیکن جو دعویٰ کیا ہے اس کی دلیل بھی مستند کتابوں سے نقل کردی ہے اور اس میں کافی سعی کی ہے کہ جو کچھ لکھا جائے پوری تحقیق سے لکھا جائے۔"

حضرت والد صاحب کا مطالعہ نہایت وسیع اور حافظہ نہایت قوی تھا بیش تر وقت مطالعہ میں گزرتا اور جو کچھ پڑھتے وہ مستحضر رہتا متقدمین کی تصانیف پر بالخصوص ان کی گہری نظر تھی آپ کی جملہ تصانیف حشو و زوائد سے پاک اور نہایت علمی اور قیمتی معلومات کا بیش بہا خزینہ ہیں۔ ہمارے یہاں دینی مدارس میں صحاح ستہ کے دورہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اور درس نظامی کا آخری سال صرف کتب احادیث کے لیے وقف ہے اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ طلبہ کو تدوین حدیث کی مفصل تاریخ سے پوری طرح آگاہی ہو۔ مدونینؒ وجامعین کتب حدیث کے مسالک مذہبی رجحانات اور ان کتابوں کی تدوین میں مسلکی رجحانات کے اثرات کے تفصیلی مطالعہ کے لیے حضرت والد صاحب کی درج ذیل تصانیف فن حدیث، اصول حدیث اور تدوین حدیث و تاریخ رجال حدیث میں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں اور طلاب حدیث کے لیے ان کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

(۱) ما تمس الیه الحاجة لمن یطالع سنن ابن ماجة

اب یہ کتاب الامام ابن ماجه وکتابه السنن کے نئے عنوان سے دیار عرب کے مشہور محدث شیخ عبد الفتاح ابو غدہ کی زیر نگرانی بیروت وشام سے شائع ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے۔ ہندوپاک اور عالم عرب کے جلیل القدر علماء ومحدثین نے اس کتاب سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اور ان کی علمی تصانیف میں اس کتاب کے جا بجا حوالے ملتے ہیں۔ شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ نے اس کتاب کی اہمیت بایں الفاظ بیان کی ہے۔

قرون ثلاثہ میں تاریخ حدیث، کتابت حدیث، تدوین علم حدیث، ائمہ فقہاء اربعہ، اصحاب کتب ستہ کی شروط کی تفصیلات کے علاوہ بیش بہا معلومات

اور قیمتی نفیس فوائد کا یہ کتاب ایسا مجموعہ ہے جس سے ہر محدث اور فقیہ کو واقف ہونا ضروری ہے۔

(۲) امام ابن ماجہ اور علم حدیث

اردو داں حلقوں کے استفادہ کیلئے حضرت والد صاحب نے "امام ابن ماجہ اور علم حدیث" کے عنوان سے ایک اور مستقل کتاب تالیف کی اس کتاب کے اختتام پر اس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے:

"کہنے کو یہ ابن ماجہ کی ایک سوانح عمری ہے لیکن در حقیقت یہ تدوین حدیث کی مفصل تاریخ ہے اور مسلمانوں کی ان جانفشانیوں کا مرقع ہے جو انہوں نے خدا کے آخری پیغمبر جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے ایک ایک حرف کو محفوظ کرنے کے لیے اٹھائی ہیں۔ تاکہ امانت وحی کی ذمہ داری میں جو اس امت کے سپرد کی گئی تھی کسی قسم کا رخنہ نہ آنے پائے اور اللہ تعالیٰ کی اہل ملل و ادیان پر حجت تمام ہو جائے"۔

بقول مولانا بلال حسنی: "واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب دریا بکوزہ کا مصداق ہے اور علم کا ایک سمندر ہے، اس میں علم حدیث کا تعارف بھی ہے اس کی تدوین کی تاریخ بھی، صحاح ستہ پر جچا تلا تبصرہ بھی ہے اور طبقات کتب کی تعیین بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ کتاب کے نام سے اصل کتاب کے مضامین اور مندرجات پر ایک پردہ سا پڑ گیا ہے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری صاحب معارف السنن کا معمول تھا کہ ابتدائے سال میں درس شروع کرتے وقت پہلے اس کتاب کا ایک حصہ خود سناتے یا کسی طالب علم سے پڑھواتے اس کے بعد درس کی ابتداء فرماتے"۔ (تاریخ تدوین حدیث: ص ۱۸)

(۳) مكانة الامام أبی حنيفة فی علم الحديث

جیسا کے نام سے ظاہر ہے اس کتاب میں فن حدیث میں امام صاحب کے مقام کے تعین کی کوشش کی گئی ہے اور قوی دلائل کے ساتھ ۔ ثابت

کیا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ جس طرح فقہ میں امامت کبری کے درجہ پر فائز تھے فن حدیث میں بھی آپ کو یہی مقام حاصل تھا۔ آپ کا شمار ائمہ جرح و تعدیل میں ہے۔ اس فن میں آپ کے اقوال بطور سند پیش کئے جاتے ہیں۔ توثیق و تضعیف میں آپ کی رائے کو پیش نظر رکھا جاتا تھا۔ آپ کے وضع کردہ اصول حدیث سے استدلال کیا جاتا تھا۔ شیخ عبدالفتاح ابو غدہ نے اس کتاب کو بھی اپنی زیر نگرانی نہایت اہتمام کے ساتھ بیروت و شام سے شائع کیا ہے اور اس پر مختصر مقدمہ بھی تحریر کیا ہے۔ جس میں اس تالیف جلیل کو درج ذیل الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

فهذا سفر نفيس فريد واثر نافع مجيد "مكانة الإمام أبي حنيفة في علم الحديث" تأليف العلامة المحقق المحدث الناقد الشيخ محمد عبد الرشيد النعماني حفظه الله تعالى شيخ الحديث وعلومه سابقا فی جامعة العلوم الإسلامية فی مدينة كراتشي باكستان۔۔۔ (مقدمہ ص ۵)

(۴) التعقيبات على صاحب الدراسات

دراسات اللبيب فی الأسوة الحسنة بالحبيب سندھ کے مشہور متکلم اور بالغ نظر عالم ملا محمد الملقب بالامين السندی ۱۱۶۱ھ کی تالیف ہے اس کتاب میں بارہ دراسات ہیں جو فن حدیث اصول حدیث کتب صحیحین اور فقہ کے نہایت اہم مباحث سے تعلق رکھتے ہیں۔ مولف نے اہل سنت کے جادہ اعتدال سے ہٹتے ہوئے اپنے بہت سے تفردات بھی ذکر کیے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں وہ معتقدات میں رفض، اعتزال، تشیع اور اہل بدعت سے زیادہ قریب ہو گئے ہیں۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۲۸۴ھ میں لاہور سے شائع ہوئی اور دوسری مرتبہ ۱۳۷۷ھ میں سندھی ادبی بورڈ کراچی کے زیر اہتمام زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔ حضرت والد صاحب نے اس کتاب پر مقدمہ کے علاوہ مولف کے مفصل حالات اور نہایت مفید حواشی تحریر کیے ہیں۔ فن حدیث، اصول حدیث

نیز اصول وفروع میں ملا محمد امین کے تفردات، امام ابو حنیفہ پر مطاعن نیز ان کے معتقدات کا بھرپور دلائل کے ساتھ رد کیا ہے۔ خود راقم ہیں:

وأما التعليقات التي كتبت عليها فأكثرها اعتراضات عليه ومباحثات معه فيما يتعلق بالحديث وعلومه وأما النقد التفصيلي فقد أغنانا عنه العلاّمتان الحجتان الفقيهان المحدثان الشيخ عبد اللطيف وابنه الشيخ ابراهيم التتويان بما انتقدا عليه فى ذب ذبابات الدراسات والقسطاس المستقيم رحمهما الله وطاب ثراهما وسميت هذه التعليقات بالتعقيبات على صاحب الدراسات.

اس کتاب پر جو حواشی میں نے تحریر کیے ہیں ان میں بیشتر موکف پر اعتراضات اور ان کیساتھ بحث ومباحثہ پر مشتمل ہیں یہ زیادہ تر حدیث علوم حدیث کے موضوع سے تعلق رکھتے ہیں۔ تفصیلی نقد سے ہمیں شیخ عبد اللطیف اور ان کے صاحبزادے ابراہیم ٹھٹھوی نے بے نیاز کردیا ہے کہ دونوں حضرات نے اپنی تالیفات "ذب ذبابات الدراسات" اور "القسطاس المستقیم" میں اس پر خوب خوب رد کیا ہے میں نے ان تعلیقات کو التعقیبات علی صاحب الدراسات کا نام دیا ہے۔ (کلمة عن الدراسات: ص۲)

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الکاملة۔ ص:۱۶۸ میں رقم طراز ہیں:

وقام بتحقيق هذا الطبع تحقيقا علميا تاما صديقنا العلامة المحقق المحدث الفقيه الشيخ محمد عبد الرشيد النعمانى الهندى فعلق عليه تعليقات نافعة ضافية وبلغت صفحات الكتاب ٤٥٥، ما عدا الفهارس العامة التى يسرت الانتفاع به لأيسر نظرة فجزاه الله عن العلم وأهله خيراً۔

دراسات اللبیب کی علمی اور کامل انداز میں ہمارے دوست علامہ، محقق، محدث، فقیہ شیخ محمد عبدالرشید نعمانی نے تحقیق کی ہے اور انتہائی مفید اور مکمل انداز میں اس پر تحقیقی حواشی تحریر کیے ہیں اس طرح کتاب کا حجم ۴۵۵ صفحات تک پہنچ گیا ہے علاوہ ازیں آپ نے جو عام فہارس ترتیب دی ہیں اس سے ایک ہی نظر میں کتاب سے استفادہ آسان ہوگیا ہے علم واہل علم کی جانب سے اللہ تعالیٰ ان کو اس کا بہتر اجر عطا فرمائے۔

(۵) التعلیقات علی ذب ذبابات الدراسات عن المذاهب الأربعة المتناسبات:

ذب ذبابات الدراسات سندھ کے مشہور محقق، محدث، حافظ الحدیث فقیہ علامہ محمد ہاشم ٹھٹھوی کے نہایت لائق وفائق صاحبزادے، دیار سندھ کے قاضی القضاۃ علامہ، فقیہ، محدث، اصولی عبد اللطیف المطلبی القرشی ۱۱۸۹ھ کی تالیف ہے یہ خانوادہ علم وفضل میں سرزمین سندھ میں درخشاں آفتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ذب ذبابات ملا معین سندھی کی کتاب دراسات اللبیب کے جواب میں تحریر کی گئی ہے۔ فاضل مؤلف نے نہایت قوی دلائل کے ساتھ اس کتاب کا رد کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ملا معین اصول وفروع دونوں میں راہ حق سے ہٹ کر رفض وتشیع اعتزال اور بدعت کے دامن میں پناہ لے چکے ہیں۔

حضرت والد صاحب نے اس ضخیم کتاب پر نہایت قیمتی اور نادر حواشی اور تعلیقات تحریر کی ہیں جس سے اس کتاب کی افادیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اور اس کی ضخامت دو بڑی جلدوں میں ۱۵۶۰ صفحات تک پہنچ گئی ہے۔ پانچ سو صفحات پر مشتمل عام فہارس ہیں جس کی وجہ سے کتاب سے استفادہ نہایت آسان ہوگیا ہے۔ شیخ عبدالفتاح ابو غدہ اور دیگر علماء نے ان تعلیقات کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور ان کی تحسین کی ہے۔

(٦) التعليق القويم على مقدمة كتاب التعليم

شیخ الاسلام مسعود بن شیبہ السندھی علمی حلقوں میں وسعت علم ثقاہت اور امامت علمی کی بنیاد پر ممتاز حیثیت سے متعارف ہیں۔ حافظ قاسم بن قطلوبغا نے تاج التراجم فی طبقات الحنفیہ اور حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیۂ میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے۔ ان کا تعلق ساتویں صدی ہجری سے ہے۔ یہ وہ دور ہے جب فتنہ تاتار کی وجہ سے عالم اسلام میں ایک حشر برپا تھا۔ اہل علم کے ہزاروں نادر علمی شاہکار اس کی نذر ہوئے ان کے تفصیلی حالات تصانیف اور علمی خدمات کے بارے میں اسی بناء پر زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں۔ مسعود بن شیبہ نے یہ مقدمہ ابن الجوینی کی مغیث الخلق اور امام غزالی کی المنخول کے رد میں لکھا ہے۔ یہ دونوں کتابیں دراصل امام ابو حنیفہ کے رد میں لکھی گئی تھیں۔ مولف نے امام ابو حنیفہ کا دفاع کرتے ہوئے سخت لب و لہجہ اختیار کیا ہے۔ حضرت والد صاحب نے اس کتاب پر تفصیلی حواشی تحریر کیے ہیں جس میں امام ابو حنیفہ کے نسب، آپ کی تابعیت، روایت صحابہ، حدیث میں آپ کا مقام، تدوین فقہ کے مراحل امام صاحب کی بعض اہم تصانیف بالخصوص کتاب الآثار، مسانید امام ابی حنیفہ اور دیگر اہم امور پر نہایت علمی دقیق اور محققانہ بحثیں قیمتی اور نادر حوالوں کی روشنی میں کی گئی ہیں۔

ہندوستان کے مشہور عالم اور بے شمار نادر کتابوں کے محقق و ناشر حضرت مولانا ابو الوفاء افغانی رحمہ اللہ حضرت والد صاحب کے نام ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں۔

"کتاب التعلیم کے اخیر صفحات بھی موصول ہوئے مطالعہ کی اگرچہ فرصت نہیں لیکن میں نے اخیر شب میں ان کا مطالعہ کیا اور فارغ ہوا۔ بحمد اللہ تعلیق بے حد قیمتی ہے اہل علم اس کی بے حد قدر کریں گے اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے فیوض سے مالا مال کرے آپ نے اس کے لیے بڑی جد و جہد کی کہاں کہاں سے

مضامین فراہم کیے۔ ماشاء اللہ، بارك الله تعالیٰ فی قلمك وشكر مساعيك۔ تعلیق اتنی دلچسپ تھی کہ سب کام چھوڑ کر جب تک پوری کتاب ختم نہ ہوئی ہاتھ سے نہ رکھی اب مقدمہ کی انتظاری ہے اللہ جل شانہ اس کو کمال کے ساتھ اتمام کو پہنچائے۔ "ذب ذبابات" کی جلد ثانی کے طباعت کی خبر سے بھی بے حد خوش ہوں الخ"۔

"التعقیبات علی صاحب الدراسات"، "التعلیقات علی ذب ذبابات الدراسات" اور "التعلیق القویم علی مقدمة كتاب التعليم" تینوں سن ساٹھ کی دھائی میں سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد و کراچی سے طبع ہوئیں اور اب ایک عرصہ سے نایاب ہیں۔ ضرورت ہے ان کتابوں کو جدید انداز میں عالم عرب سے طبع کر کے شائع کیا جائے تاکہ ان کا افادہ عام ہو۔ اور عالم اسلام کے علمی حلقوں میں ان کتابوں سے استفادہ کیا جاسکے۔

ان کتابوں کے ساتھ "اصول حدیث کے بعض اہم مباحث" کا مطالعہ بھی ازحد مفید ہوگا۔

افسوس ہے کہ اس کتاب کی ترتیب نو اور اشاعت کے موقع پر حضرت نعمانی رحمہ اللہ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں لیکن ہمیں یقین ہے کہ اس کتاب کی طباعت کے بعد اس کے اخروی ثمرات و اجر ثواب سے وہ ضرور متمتع ہوں گے۔ اور ان کی روح شاداب و شادکام ہوگی۔

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تحقیقی مقالات کی ایک فہرست بھی یہاں درج کر دی جائے جو حضرت نعمانی رحمہ اللہ کی زیر نگرانی شعبہ تخصص فی الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں تحریر کیے گئے۔ ان میں بعض مقالات پر حضرت نے نظر ثانی کی، یا اس کی ترتیب و تدوین اور تصحیح میں حضرت کے مفید مشورے شامل رہے اور رسمی نگرانی کسی اور مشرف کے سپرد رہی۔

۱. امام ابو جعفر الطحاوی ومیزانه بین محدثی عصره

مولانا عبد القادر کھلنوی

۲. عبد اللہ بن مسعود من بین فقہاء الصحابه و امتیازه فی الفقه

مولانا نور الحق باریسالی

۳. الکوفة و علم الحدیث

مولانا مہر محمد

٤. الامام ابو یوسف محدثا و فقیہا

مولانا محمود الحسن المشرق

۵. مشائخ أبی حنیفه وأصحابه

مولانا محمد اظہار الحق چاٹگامی

٦. حاجة الامة الی الفقه والاجتہاد

مولانا مفیض الدین ڈھاکوی

۷. القضاء فی الاسلام

مولانا احسان اللہ سواڈی

۸. الامام ابو جعفر الطحاوی ومیزانه بین محدثی عصره

مولانا عبد الغفور بہاولپوری

۹. السنة النبویة و الامام الاعظم

مولانا عبد الرؤوف ڈھاکوی

۱۰. الصحابة و ما رووه من الاحادیث

مولانا حبیب اللہ مہمندی

۱۱.اسماء الرجال ومصطلح الحدیث

مولانا عبد الحق دیروی

۱۲.الکتب المدونة فی الحدیث و خصائصہا

مولانا محمد زمان دیروی

۱۳.بیع الحقوق فی التجارات الرائجة الیوم وتحقیقها

مولانا محمد عبد السلام چاٹگامی

۱٤.ملتقی البحرین فی موافقات الامامین ابی حنیفة والشافعی رحمهما الله

مولانا محمد قاسم بن خان محمد بہاولنگری

۱۵.السنة النبویة والقرآن الکریم

مولانا محمد حبیب اللہ مختار

۱٦.مسانید الامام ابی حنیفة ومرویاته من المرفوعات والآثار

مولانا محمد امین اورکزئی

۱۷.کتابة الحدیث و تدوینه

مولانا محمد اسحاق سلہٹی

۱۸.وسائل حفظ الحدیث وجهود الامة فیه

مولانا محمد عبد الحکیم سلہٹی

۱۹.فقه کے قواعد کلیه المسمی بنور العیون والبصائر

مولانا محمد ولی درویش

۲۰.التعریف بشیوخ الدارمی

مولانا محمد جنید بنگالی چاٹگامی

۲۱. موافقات احمد مع ابی حنیفة

مولانا غلام مصطفی سلہٹی

۲۲. اسلام کا معاشرتی نظام

مولانا خلیل احمد لودھروی

۲۳. فقه الزکوة

مولانا محمد مسعود

۲٤. الاستحسان فی الشرع الاسلامی

مولانا محمد ہارون

۲۵. اسلام میں نظام نفقات

مولانا محمد شجاعت

۲٦. السعی المستحسن فی الجمع بین المسند والسنن للإمام محمد بن ادریس الشافعی

مولانا حسن فریدبن مواہب الشافعی السربلانکی شهادة التخصص فی الحدیث

۲۷. رجال جامع المسانید للخوارزمی (مجلدین)

مولانا محمد محب اللہ بن مولانا محمد عبد اللہ چاٹگامی

۲۸. القول الشافی فی رجال الامام الشافعی

مولانا خلیل الرحیم بن محمداسماعیل القلامی الشافعی السیلانی

۲۹. ابو حنیفة المفتری علیه

مولانا محمد عبد المالك بن العالم الكبير الشيخ شمس الحق

۳۰. حوار مع الالبانی

مولانا شمیم محمد بن الشیخ عبد السلام السلہٹی البنغلادیشی

۳۱. فتح الغفار لجمع بروایات نسخ الآثار

مولانا محمد انعام الحق بن نذیر احمد الصکریومی، البنغلادیشی

۳۲. فیض الستار فی تخریج احادیث کتاب الآثار

مولانا محمودالحسن بن محمد جمشید علی مومن شاهی

۳۳. ماینبغی به العنایة لمن یطالع الهدایة

مولانا محمد حفیظ الرحمن الکملائی

۳۴. نظرة عابرة حول تکیل الیمانی

مولانا محمد عبدالمالک بن الشیخ محمد شمس الحق الکملائی

۳۵. التنقید علی احوال الرجال للحافظ ابراهیم بن یعقوب الجوزجانی او احسن المقال فی نقد احوال الرجال

مولانا محمد روح الامین بن الحاج نور محمد الجسری

۳۶. القول المستحسن فی الذب عن السنن

مولانا محمد الیاس بن محمود الشافعی السیلانی

۳۷. الجرح والتعدیل فی سنن الترمذی

مولانا محمد نجر خان غزل الکشمیری اسلامیه یونیورسٹی بهاولپور

۳۸. جمع احادیث للامام ابی حنیفة من دواوین السنة من الصحاح والمعاجم والمصنفات وغیرها من کتب الحدیث

مولانا محمد شهید الله بن محمد ارض الله

۳۹. الکلام المفید فی تحریر الاسانید، جمع اسانید المحدث محمد عبدالرشید النعمانی

مولانا روح الامین بن حسین احمد اخوند القاسمی المتقی الفربد پوری البنغلادیشی

۴۰. سنن الحنفی فی تخریج احادیث الدولابی

مولانا محمد عبدالسلام بن القاری حفیظ الدین البنغلادیشی

۴۱. دلیل المتکلم فی من تکلم فیہم من رجال صحیح مسلم

مولانا حسان اللہ بن غلام محمد البلتستانی

۴۲. تحفۃ الاخیار فی زوائد رجال ، شرح معانی الآثار

مولانا محمد نور الدین خورشید حسین الکملائی

۴۳. تخریج احادیث سید الانام من کتاب القراءۃ خلف الامام

مولانا فضل الرحمن بن عبد العزیز الشافعی، سری لنکا

۴۴. الثبت فی ذکر اسانید الکتب الستۃ المشہورۃ

مولانا روح الامین بن الحسین احمد القاسمی

۴۵. التعلیقات علی احوال الرجال لابی اسحاق الخوارزمی

مولانا روح الدین بن الحاج نور محمد

۴۶. اغاثۃ الورٰی فی جمع احادیث الشافعی من السنن الکبریٰ

مولانا محمد سفیر بن محمد قاسم الشافعی ، سری لنکا

۴۷. الامام الاعظم ابو حنیفۃ وخصومۃ

مولانا محمد عبدالمالک الکملائی

۴۸. الدر المنضد فی رجال مؤطا محمد

مولانا بشیر احمد بن نور محمد

۴۹. الانتقاد الحثیث علی تضعیف الالبانی لبعض الاحادیث

مولانا محمد رمزی بن فاروق الشافعی السیلانی

حضرت والد صاحب کے سانحہ ارتحال کے بعد مختلف حلقوں کے اہل قلم نے ان کی حیات کے متعدد گوشوں پر قلم اٹھایا اخبارات میں بھی متعدد مضامین شائع ہوئے اس دور کے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف صاحب نے بھی بنفس نفیس تعزیتی خط ارسال کیا۔ پنجاب یونیورسٹی کے شیخ زاید اسلامک سینٹر میں ان کی حیات وخدمات پر ایم فل کا مقالہ تحریر کیا گیا۔ کراچی یونیورسٹی کے شعبہ صحافت کے ایک معروف اسکالر پروفیسر ڈاکٹر طاہر مسعود صاحب حضرت کی علمی دینی اور روحانی سرگرمیوں پر ایک تفصیلی کتاب تحریر کر رہے ہیں۔ ہمارے خیال میں اس موضوع پر سیر حاصل اور علمی انداز میں اگر کوئی قلم اٹھانے کا سب سے زیادہ اہل ہے تو وہ عم محترم مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی نعمانی مدظلہ ہیں تراجم وسوانح ان کا اختصاصی موضوع ہے اور حضرت والد صاحب کی پوری علمی، عملی، تصنیفی، تدریسی، روحانی اور عائلی زندگی کے وہ شاہد عدل ہیں۔ اس موضوع کا صحیح حق وہی ادا کر سکتے ہیں۔

حضرت والد صاحب کو ان سے جس قدر تعلق خاطر تھا اس کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی بے پناہ علمی مصروفیات میں سے کچھ وقت اس خدمت کے لیے ضرور نکالیں یہ ہماری ان سے عاجزانہ استدعا ہے۔ امید ہے اسے شرف قبولیت سے نوازیں گے۔

ناسپاسی ہوگی اگر اس کتاب کی ترتیب وتدوین اور طباعت واشاعت میں جن حضرات نے علمی اور عملی تعاون کیا ہے اس موقع پر ان کا تذکرہ اور شکریہ ادا نہ کیا جائے۔

سب سے پہلے اپنی چہیتی بیٹی قرة عيني وفلذة كبدي العالمة القارئة أمة العليم نجیبہ سلمہا کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ اپنے دادا سے علمی ذوق اسے ورثہ میں منتقل ہوا ہے حضرت والد صاحب کے حافظہ کی بنیاد پر ترتیب دیے ہوئے کتب خانہ میں کتابوں کی تلاش اور بسہولت اس کے اخراج میں جتنا ملکہ اسے حاصل ہے اس سے مجھے بڑی مدد ملتی ہے اور دل کی گہرائیوں سے اس کے لیے دعا نکلتی ہے۔ ساتھ ہی اس کتاب کی ترتیب میں مسودہ کی تلاش سے لے کر تصحیح، اصل سے مراجعت اور مقابلہ میں قدم قدم پر مجھے اس کا تعاون حاصل رہا۔ اللہ تعالیٰ اسے دین ودنیا دونوں میں کامیابی سے ہم کنار کرے اور "مسند الامام أبي حنيفة للاستاذ الحارثي" جس کی تحقیق میں وہ اپنی تدریسی مصروفیات کے ساتھ سرگرم عمل ہے اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

کتاب کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ میں میرے عزیز شاگرد مولانا ڈاکٹر عزیز الرحمن سیفی اسسٹنٹ پروفیسر (اسلامیات) اور عزیزم محمد عبد الوحید حارث استاد شعبہ انگریزی نیشنل یونیورسٹی آف کمپیوٹر اینڈ امرجنگ سائنسز سلمہما اللہ تعالیٰ نے جس اخلاص کے ساتھ تعاون کیا اس کے لیے میں ان کا نہایت ممنون ہوں اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔

اس موقع پر میں اپنے لائق ترین شاگرد ڈاکٹر محمد عمران لطیف اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی کا تذکرہ اور شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں موصوف نے کتاب کی کمپوزنگ کے بعد طباعت کے مرحلہ کی تیاری تک ایک ایک لفظ پر نہایت جانفشانی سے محنت کی ہے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

آخر میں عم محترم حضرت ڈاکٹر محمد عبد الرحمن غضنفر صاحب دامت برکاتہم کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ جن کو حضرت والد صاحب نے علمی و دینی کتابوں کی طباعت کی طرف راغب کیا اور وہ بے سروسامانی کے عالم میں تاجرانہ مزاج سے ہٹ کر کم منافع کے ساتھ اس میدان میں پوری تندہی، اخلاص اور محنت کے ساتھ مصروف عمل ہیں، اور حضرت والد صاحب کی ہر تالیف کو نہایت ذوق وشوق کے ساتھ شائع کرتے ہیں اور محدود وسائل کے باوجود ہمت نہیں ہارتے۔ اللہ تعالی ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور اپنے شایان شان ان کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

محمد عبد الشهيد نعماني

سی ۳۳۱، سیکٹر ۱، احسن آباد
نزد جامعة الرشید، کراچی ۷۵۳۴۰
موبائل: ۰۳۰۰۲۱۰۶۸۲۵

امام ابو عبداللہ حاکم نیساپوری

امام ابو عبداللہ حاکم نیساپوری کا نام علمی دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

نام و نسب:

حدیث کے مشہور و معروف امام ہیں ان کی کنیت ابو عبداللہ اور سلسلہ نسب یہ ہے۔

محمد بن عبد اللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم بن الحکم الضَبّي الطهماني النیسابوری ابن البیع عرف ہے۔ ولادت ربیع الاول ۳۲۱ میں ہوئی۔ یہی سال امام طحاوی کی وفات کا ہے تاریخ رجال کا یہ عجیب و غریب لطیفہ ہے کہ جس طرح امام ابو حنیفہ کے سال وفات میں امام شافعی کی ولادت ہوئی۔ اسی طرح امام طحاوی کا سن رحلت امام حاکم کی پیدائش کا سال ہے۔ واضح رہے کہ امام طحاوی فروع میں حنفی مذہب کے پیرو اور اپنے زمانہ میں سرگروہ احناف تھے۔ اور امام حاکم فرع میں شافعی مذہب کے پیرو تھے۔

طلب حدیث اور شیوخ:

دس سال کی عمر میں حدیث کی طرف توجہ کی۔ بیس سال کی عمر میں عراق کا سفر کیا اور حج کی سعادت حاصل کی پھر خراسان و ماوراء النہر کا دورہ کیا دو ہزار شیوخ حدیث کی حدیثیں سنیں ایک ہزار اصفہان میں ایک ہزار مختلف شہروں میں فقہ شافعی میں ابو سہل صعلوکی، ابو علی بن ابی ہریرۃ اور ابو الولید نیسابوری سے تلمذ کیا حافظ ابو بکر جعابی حنفی اور حافظ ابو علی ماسرجسی سے مذاکرہ حدیث کا سلسلہ رہا۔

تلامذہ:

ان کے تلامذہ کی فہرست میں بڑے بڑے ائمہ حدیث کا ذکر ہے جن میں بیہقی، دار قطنی، ابو یعلیٰ، ابو ذر ہروی وغیرہ گذرے ہیں۔

اہل علم کی آراء:

حافظ خطیب بغدادی تاریخ بغداد میں ان کے متعلق رقمطراز ہیں۔

"کان من أهل الفضل والعلم والمعرفة والحفظ"

وہ صاحب علم و فضل و معرفت و حفظ تھے۔

خطیب بغدادی نے ان کی توثیق کے ساتھ ساتھ یہ بھی تصریح کی ہے کہ ان کی طبیعت میں تشیع کا اثر تھا[1]

علامہ ابن خلدون مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

"وقد ألّف الناسُ في علوم الحديث وأكثروا ومن فحول علمائه وأئمتهم أبو عبدالله الحاكم وتاليفه مشهورة وهو الذي هذّبه وأظهر محاسنه"۔[2]

لوگوں نے علوم حدیث میں کثرت سے کتابیں تحریر کیں۔ ائمہ حدیث و علماء میں ابو عبداللہ حاکم زیادہ نامور ہیں ان کی تالیفات مشہور ہیں انہوں نے اس فن کی تہذیب کی ہے اور اس کی خوبیاں واضح کی ہیں۔

حافظ ذہبی نے اپنی مشہور کتاب تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے الحاکم الحافظ الکبیر امام المحدثین[3]

علامہ تاج الدین سبکیؒ نے طبقات الشافعیة الکبری میں ان کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں۔

---

[1] تاریخ بغداد ص ۴۷۳ و ۴۷۴ ج ۵۔

[2] مقدمہ ص: ۳۱۰. تذکرہ کے لئے ملاحظہ ہو۔ تاریخ بغداد ۵ / ۴۷۳، الانساب ۴/ ۳۷۰ - ۳۷۲ (البیع) تبیین کذب المفتری ۲۲۷- ۲۳۱، المنتظم ۷ / ۲۷۴ - ۲۷۵، اللباب ۱ / ۱۹۸ - ۱۹۹، وفیات الاعیان ۴/ ۲۸۰، ۲۸۱، تذکرۃ الحفاظ ۳/ ۱۰۳۹، میزان الاعتدال ۳ / ۶۰۸، العبر ۳ / ۹۱، طبقات السبکی ۴ / ۱۵۵، لسان المیزان ۵/ ۲۳۲ - ۲۳۳، النجوم الزاہرۃ ۴ / ۲۳۸۔

[3] تذکرۃ الحفاظ، ج: ۳، ص: ۲۳۱.

"اتفق على إمامته وجلالته وعظمة قدره"[۴]

ان کی امامت وجلالت وعظمت شان پر اتفاق کیا گیا ہے۔

حافظ عبد الغافر بن اسماعیل کا بیان ہے۔

"أبو عبد الله الحاكم هو إمام أهل الحديث في عصره العارف به حق معرفته"۔

ابو عبد اللہ حاکم اپنے زمانے میں محدثین کے امام تھے اور حدیث کے عالم جیسا کہ اس کی معرفت کا حق ہے۔

ان کی تصانیف کے متعلق فرماتے ہیں۔

"ومن تأمل كلامه في تصانيفه و تصرفه في أماليه أذْعَنَ بفضله واعترف له بالمزية على من تقدمه واتعابه من بعده وتعجيزه اللاحقين عن بلوغ شاوه عاش حميدًا ولم يخلف في وقته مثله."[۵]

جو شخص بھی ان کی تصنیفات میں ان کے بیان پر غور کرے گا اور امالی میں ان کے تصرف کو دیکھے گا وہ ان کی بزرگی کا یقین کرے گا اور متقدمین پر ان کی فضیلت کا معترف ہوگا۔ اور یہ مان جائے گا کہ انہوں نے متاخرین اور بعد کے لوگوں کو اپنی حد تک پہنچنے سے عاجز و درماندہ کردیا۔ ان کی زندگی سرتاسر تعریف کے قابل گزری اور اپنی زمانے میں انہوں نے اپنا جیسا کسی کو نہ چھوڑا۔

حافظ ابو حازم عبدی کہتے ہیں کہ

---

[۴]۔ طبقات سبکی، ج: ۳ ص: ۶۴۴۔

[۵]۔ حافظ عبد الغافر کے یہ دونوں اقوال تذکرۃ الحفاظ ج: ۳، ص ۱۳۱، ۲۳۲ میں مذکور ہیں۔

"میں نے حاکم سے سنا ہے اور وہ اپنے زمانہ میں محدثین کے امام تھے کہ میں نے زمزم کا پانی پی کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ وہ مجھے حسن تصنیف مرحمت فرمائے"۔ (۶)

غالباً اسی دعا کا یہ اثر ہے کہ امام موصوف کے قلم سے جو تصنیفات نکلیں وہ ایک ہزار جزء کے لگ بھگ ہیں۔ خدا کی شان حسن تصنیف کے ساتھ قبول عام کا جوہر بھی عطا ہوا۔ زندگی ہی میں تصنیفات کو وہ قبولیت حاصل ہوئی کہ باید و شاید۔

ابو الفضل بن الفلکی الہمدانی کا بیان ہے کہ

"میرے نیشاپور کے سفر کا باعث ایک تاریخ نیسابور بھی تھی جو حاکم کی تصنیف ہے"۔ (۷)

حافظ ذہبی نے اس پر بڑے تعجب کا اظہار کیا ہے کہ

"حافظ ابو عمر طلمنکی نے جو حاکم کے معاصر ہیں حاکم کی تصنیف علوم حدیث کو ۳۸۹ھ میں یعنی حاکم کی وفات سے ۱۷ سال پیشتر دو واسطوں سے روایت کیا"۔ (۸)

قبول عام کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ حافظ ابو عمر احمد بن محمد بن عبداللہ المعافری الطلمنکی اندلس کے مشہور علماء میں سے ہیں ان کا سن ولادت ۳۴۰ھ اور سن وفات ۴۲۹ھ ہے یہ حاکم کے معاصر ہیں انہوں نے سفر حج میں مکہ مدینہ اور دمیاط میں شیوخ حدیث سے استفادہ کیا ہے غالباً ان کے سفر کا زمانہ حاکم کی علوم الحدیث کی تصنیف سے پہلے تھا۔ ورنہ دو واسطوں سے روایت کی ضرورت نہ پڑتی اس لئے قیاس غالب ہے کہ انہوں نے علوم الحدیث کی کتابت اندلس میں بیٹھ کر کی ہے۔

۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ص: ۲۲۳، مطبوعہ، ۱۳۳۴، وطبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ص: ۶۶، ج: ۳۔

۷۔ تاریخ خطیب، ج: ۵، ج: ۴۷۴۔

۸۔ تذکرۃ الحفاظ، ج: ۳، ص: ۲۲۸۔

حاکم نیشاپور کے باشندہ ہیں اور ابو عمر قرطبہ کے قرطبہ اور نیشاپور کے فاصلہ کا خیال فرمایئے اور اس زمانہ میں رسل و رسائل کی جو دقتیں اور دشواریاں تھیں ان کا اندازہ لگایئے جب نہ طیارہ تھا نہ ریل تھی اور نہ موٹر تھی مگر تشنگان علم نبوی مغرب میں بیٹھے مشرق کے علوم سے سیراب ہو رہے تھے۔ اس واقعہ سے اس زمانہ کے مسلمانوں کے علمی ذوق کا بھی پتہ چلتا ہے اور حاکم کی کتاب کی صحیح مقبولیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ حقیقت میں یہ قبول عام بڑے رشک کا مقام ہے۔ **ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔**

تصانیف:

حاکم کا تصنیفی سلیقہ خداداد ہے اور وہ اس بارے میں اپنے تمام معاصرین سے ممتاز ہیں کتب رجال میں ان کی اس خصوصیت کو نمایاں کر کے لکھا جاتا ہے۔ حافظ محمد بن طاہر کا بیان ہے کہ

> "میں نے مکہ مکرمہ میں سعد بن علی زنجانی سے سوال کیا کہ حدیث کے چار حافظ ہمعصر ہوئے ہیں فرمایئے ان میں سب سے بڑا حافظ کون ہے۔ دریافت کیا یہ چار کون کون ہیں۔ میں نے کہا بغداد میں دار قطنی، مصر میں عبد الغنی، اصفہان میں ابن مندہ، نیشاپور میں حاکم۔ میرے اس سوال پر وہ کچھ نہ بولے تو میں نے اصرار کیا فرمانے لگے دار قطنی ان سب میں علل حدیث کے بڑے عالم تھے۔ عبد الغنی انساب کے اور ابن مندہ معرفت کاملہ کے ساتھ ان سب سے کثیر الحدیث ہیں اور حاکم حسن تصنیف میں سب سے ممتاز ہیں۔" (۹)

۹۔ تذکرۃ الحفاظ، ج: ۳، ص: ۲۳۳، طبقات الشافعیۃ الکبری للسبکی، ج: ۳، ص ۶۶

یہ ابن طاہر کا بیان ہے جو حاکم کے سب سے بڑے مخالف ہیں (کتب رجال میں) حاکم کے متعلق ان کے سخت ریمارک منقول ہیں تاہم حاکم کی اس خصوصیت کے وہ بھی معترف ہیں۔ سچ ہے

الفضل ما شهدت به الأعداء۔

ان کی تصانیف میں سے مستدرك علی الصحیحین عرصہ ہوا طبع ہو چکی۔ اصول حدیث پر ان کی مشہور کتاب معرفة علوم الحدیث بھی شائع ہوئی اسی موضوع پر ان کی دوسری تصنیف المدخل في اصول الحدیث بھی حلب سے چھپ کر آئی۔ طباعت کی ان خوبیوں کو لئے ہوئے جن پر مصر و بیروت کے بہترین مطابع رشک کریں ضروری تحشی کے ساتھ صحت کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ تاہم اسماء رجال میں بعض جگہ تحریف ہو گئی ہے

ذیل کے مقالہ میں المدخل کے مباحث پر ہم نے ایک تحقیقی نظر ڈالی ہے جو حدیث، اصول حدیث، رجال و تاریخ کی سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ بلاشبہ اس میں حاکم کے بیانات سے بہت سی جگہ اختلاف کیا گیا ہے۔ لیکن جو دعویٰ کیا ہے اس کی دلیل بھی مستند کتابوں سے نقل کر دی ہے۔ اور اس میں کافی سعی کی ہے کہ جو کچھ لکھا جائے پوری تحقیق سے لکھا جائے۔

مدخل کی اہمیت

کہنے کو تو یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے مگر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ارباب رجال نے جہاں حاکم کی اور بڑی بڑی تصانیف مثلاً مستدرك علی الصحیحین۔ تاریخ نیساپور وغیرہ کا ذکر کیا ہے وہاں المدخل کا ذکر بھی ضروری خیال کیا۔ حالانکہ وہ کسی مصنف کے ترجمہ میں اس کی تمام تصنیفات کا ذکر ضروری نہیں سمجھتے بلکہ اکثر صرف ان تصنیفات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں جو کسی خصوصیت اور اہمیت کی حامل ہوں۔ چنانچہ

حاکم ہی کی دوسری متعدد تصانیف کا ذکر رجال کی بیشتر کتابوں میں نظر انداز کر دیا گیا۔ اس سے ان کے قلوب میں اس رسالہ کی عظمت و وقعت کا پتہ چلتا ہے۔ بعد میں اصول حدیث کی کتابوں میں اس رسالہ کے مباحث کے متعلق ردًّا و قبولًا بڑے بڑے مباحث پیدا ہو گئے اور اصول حدیث کی کوئی قابل ذکر کتاب ایسی نہیں جس میں اس کتاب کے مسائل سے اعتنا نہ کیا گیا ہو۔

المدخل کوئی علیحدہ مستقل تصنیف نہیں بلکہ در حقیقت یہ حاکم کی مشہور تصنیف **الاکلیل في الحدیث** کا مقدمہ ہے جو اس کتاب کی تصنیف کے بعد لکھا گیا۔ **اکلیل** حاکم کی ایک بڑی مبسوط اور جامع کتاب ہے جو ہر قسم کی روایات سے مالامال ہے۔ اس کی تصنیف کے اختتام پر امیر مظفر نے حاکم سے درخواست کی تھی کہ **اکلیل** کی احادیث مرویہ کے متعلق اگر یہ اشارہ کر دیا جائے کہ اس میں کونسی صحیح اور کونسی ضعیف ہیں تو زیادہ مناسب ہے۔ چنانچہ حاکم نے بطور مقدمہ کے کچھ مسائل علیحدہ رسالہ کی شکل میں قلمبند کر دیئے اور اس رسالہ کا نام **المدخل الی معرفة الصحیح والسقیم من الأخبار** رکھا۔

المدخل میں حاکم نے حدیث صحیح کے متعلق بحث کی ہے اور اس کی دس قسمیں قرار دی ہیں پانچ متفق علیہ اور پانچ مختلف فیہ، پھر جرح پر گفتگو کی ہے اور مجروحین کے بھی دس طبقات قائم کیے ہیں اور ان دونوں مباحث پر ایسی مفصل روشنی ڈالی ہے جس سے اصول حدیث کی عام مطبوعہ کتابیں یکسر خالی ہیں۔ رسالہ کے اخیر میں **اکلیل** کی احادیث مرویہ کے متعلق ان امور کا ذکر کیا ہے جن سے ہر حدیث کے متعلق معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ صحیح ہے یا ضعیف اور صحیح ہے تو کس درجہ کی۔

واضح رہے کہ **المدخل** نام کی حاکم کی دو کتابیں ہیں ایک یہی زیر بحث رسالہ دوسری تصنیف کا نام ہے **المدخل الیٰ معرفة الصحیحین** علامہ محمد راغب طباخ نے لکھا ہے کہ اس کا ایک قلمی نسخہ حلب کے تکیہ اخلاصیہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ یہ نسخہ ۵۵ ورق کا ہے مگر اخیر سے کچھ قبل کے دو تین اوراق ضائع ہو گئے ہیں کتاب کی ابتداء میں

حفظ سنت کے بارے میں جو آثار مروی ہیں اور جھوٹی حدیث بنانے کے متعلق جو وعید آئی ہے اس کا بیان ہے پھر ان لوگوں کے نام بتائے ہیں جن کا صحیحین یا صرف صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں ذکر ہے پھر ان لوگوں کا تذکرہ ہے جن سے بخاری نے روایتیں کی ہیں اور ان سے مل کر حدیثیں سنی ہیں۔ غرض یہ کتاب اسی قسم کے مسائل پر مشتمل ہے۔ اس کے اکثر و بیشتر مباحث الجمع بین رجال الصحیحین مصنفہ حافظ محمد بن طاہر مقدسی میں موجود ہیں۔ کتاب مذکور حاکم کی کتاب سے زیادہ مبسوط اور وسیع معلومات پر مشتمل ہے۔ اور ۱۳۲۳ ہجری میں دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

حاکم کا تساہل اور تعصب

حاکم کی تصانیف کے مطالعہ کے وقت دو باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں۔ اولاً ان کا نقد و نظر میں تساہل۔ ثانیاً تعصب۔ ان کا تساہل تو ایک متعارف چیز ہے مگر تعصب پر ممکن ہے ظاہر بینوں کو یقین نہ آئے لیکن یہ صرف ہمارا بیان نہیں بلکہ ائمہ فن کی تصریح ہے۔ حافظ عبدالرحمٰن بن جوزی نے بسند صحیح حافظ اسمٰعیل بن ابی الفضل قومسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"أنبأنا أبو زرعة طاهر بن محمد بن طاهر المقدسي عن أبي قال سمعت إسماعيل بن أبي الفضل القومسي وكان من أهل المعرفة بالحديث يقول: ثلاثة من الحفاظ لا أحبهم لشدة تعصبهم وقلة انصافهم، الحاكم أبو عبد الله وأبو نعيم الأصبهاني وأبو بكر الخطيب". (۱)

۱۔ معجم الادبا، ص: ۲۶، ج: ۴، طبع مصر

حدیث کے تین حافظ ہیں جن کو میں اس لئے نہیں پسند کرتا کہ ان میں سخت تعصب اور انصاف کی کمی ہے ایک حاکم ابو عبداللہ دوسرے ابو نعیم اصفہانی اور تیسرے ابو بکر خطیب۔

حافظ ابن الجوزی اس عبارت کے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"صدق إسمعيل وكان من أهل المعرفة"

حافظ اسمٰعیل کو ان بزرگوں کی وسعت علم، علو منزلت، اور حفظ حدیث، سے انکار نہیں لیکن ان کی ذاتی کمزوری کی بنا پر ان سے محبت کا اظہار مناسب نہیں خیال کرتے۔ ممکن ہے کہ خوش اعتقادوں کو اس پر استعجاب ہو مگر در حقیقت یہ انسان کی وہ پوشیدہ کمزوری ہے جس پر بڑے بڑوں کا قابو پالینا آسان کام نہیں۔ وإنّ ذلك من عزم الأمور۔

المدخل میں بھی ائمہ احناف کا جس طریقہ پر ذکر کیا ہے اس سے حافظ اسمٰعیل کے بیان کی توثیق ہو جاتی ہے ضعفاء سے روایت کے باب میں جہاں ائمہ کا نام لیا ہے امام مالکؒ کا ذکر اس عظمت شان کے ساتھ کیا ہے۔

"هذا مالك بن أنس إمام أهل الحجاز بلا مدافعة".

اسی طرح امام شافعیؒ کا نام لینے کے بعد لکھتے ہیں۔

"وهو الإمام لأهل الحجاز بعد مالك"

لیکن امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کے صرف نام بتانے پر اکتفا کی ہے چنانچہ تحریر ہے

"وهذا أبو حنيفة ثم بعده أبو يوسف يعقوب بن إبراهيم القاضي ومحمد بن الحسن الشيباني".

اور ابو عصمہ نوح بن ابی مریم مروزی (۱) پر جو امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں سے ہیں اور فقہاء میں خاص امتیاز رکھتے ہیں وضع حدیث کا الزام لگایا ہے اور ایک مجہول شخص کے بیان سے استدلال کیا ہے۔

لطف یہ ہے کہ خود حاکم نے ہی مستدرك علی الصحیحین میں ان کی روایت کو شاہد کے طور پر پیش کیا ہے۔

(۱) چنانچہ کتاب البیوع میں روایت ذیل کو بطور شاہد پیش کرتے ہیں:

"حدثناه أبو علی الحسین بن محمد الصغانی بمروثنا یحیی بن ساسویه عن عبد الکریم ثنا حامد بن آدم ثنا أبو عصمة نوح عن عبدالرحمن بن بدیل عن أنس بن مالك رضی الله عنه قال قال رسول الله من استطاع منکم ان یقی دینه وعرضه فلیفعل". (۲)

اب ظاہر ہے کہ یا تو نوح وضاع نہیں ہیں کہ ان کی حدیث بطور شاہد کے پیش کی جا سکتی ہے اور اگر وضاع ہیں تو ان کی حدیث کو بطور شاہد پیش کرنا غلط ہے۔

(۲) اور سنن أبی داؤد میں ان کی روایت باب ماجاء فی ما یقول إذا رفع رأسه من الرکوع میں مذکور ہے چنانچہ امام ابو داؤد فرماتے ہیں۔

"قال ابو داؤد ورواه شعبة عن أبی عصمة عن الأعمش عن عبید قال بعد الرکوع" (۳)

(۳) اور امام ترمذیؒ نے کتاب العلل میں نوح کی درج ذیل روایت نقل کی ہے۔

۱۔ ابو عصمہ نوح بن ابی مریم وضع حدیث کے بارے میں الزام کی تحقیق کتاب کے آخر میں ملاحظہ ہو۔

۲۔ مستدرک، ج: ۲، ص: ۵۰

۳۔ سنن ابی داؤد، ج: ۱

"حدثنا سويد بن نصرنا على بن الحسين بن راقد عن أبي عصمة عن يزيد النحوى عن عكرمة أن نفراً قدموا على ابن عباس من أهل الطائف بكتاب من كتب فجعل يقرأ عليهم، فيقدم ويؤخر فقال إني بلهت لهذه المصيبة فاقرؤوا علي فإن إقرارى به كقرائتى عليكم". (۱۴)

اب سوچنے کی بات ہے کہ امام ابو داؤد اور امام ترمذی کے ہاں اگر ان کی روایت بے اصل ہوتی تو وہ اس روایت کی کس طرح تخریج کرتے نیز ابو داؤد کے بیان کے مطابق شعبہ نے نوح ابن ابی مریم سے روایت کی ہے اور ان کے بارے میں کتب رجال میں تصریح موجود ہے کہ جانب الضعفاء والمتروکین محدثین کے اس طرز عمل سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نوح کس پایہ کے شخص تھے ہمارے نزدیک نوح ابن ابی مریم کی وہی حیثیت ہے جو امام حاکم نے امام شافعی کے شیخ مسلم ابن خالد زنجی کے متعلق بیان کی ہے لیس الحدیث من صنعته۔ (۱۵)

وفات

حافظ ابو موسیٰ مدنی کا بیان ہے کہ حاکم نے حمام میں غسل کیا باہر نکلے تہبند باندھ چکے تھے قمیض پہننا باقی تھی کہ ایک آہ کے ساتھ روح عالم بالا پر پرواز کر گئی یہ ۴۰۵ھ کا واقعہ ہے۔

(إنا لله وإنا إليه راجعون)

۱۴۔ کتاب العلل للترمذی

۱۵۔ مستدرک، ج: ۲، ص: ۸۳

المدخل فی اصول الحدیث للحاکم النیسابوری

المدخل کی ابتداء:

ابتداء کتاب میں فضائل علم حدیث کے متعلق علماء کے اقوال درج کئے ہیں پھر مطر وراق امام زہریؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے اقوال نقل کرنے کے بعد امام سفیان ثوریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: **أكثروا من الأحاديث فإنّها سلاح.**

یعنی حدیثیں کثرت سے معلوم کرو کیونکہ وہ ہتھیار ہیں۔

پھر امام باقرؒ سے روایت کی ہے کہ: **من فقه الرجل بصره بالحديث.**

حدیث میں بصیرت انسان کی فقاہت کی دلیل ہے۔

سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ جو شخص حدیث طلب کرے گا اس کے چہرہ پر شادابی نمودار رہے گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد فیض بنیاد ہے: **نضر الله امرأ سمع منا حديثًا فبلّغه.**

اللہ اس شخص کو سرسبز وشاداب رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی اور اس کی تبلیغ کی۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

" یہ مسانید جو اسلام میں تصنیف ہوئیں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مرویات ہیں۔ ان کا سلسلہ سند معتبر اور مجروح ہر قسم کے رواۃ پر مشتمل ہے جیسے: مسند عبید اللہ بن موسیٰ اور مسند ابی داؤد سلیمان بن داؤد طیالسی یہ دونوں پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں تراجم رجال پر مسند تصنیف کیں ان دونوں کے بعد احمد بن حنبل، اسحٰق بن ابراہیم حنظلی، ابو خیثمہ زہیر بن حرب، اور عبید اللہ بن عمر القواریری نے مسانید لکھیں پھر تو کثرت سے تراجم رجال پر

مسانید کی تخریج ہوئی ان سب کے جمع کرنے میں صحیح و سقیم کے امتیاز کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا"۔

مسانید کے بارے میں حاکم نے جس رائے کا اظہار کیا ہے اس سے ملتی جلتی رائے علامہ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر کی بھی ہے چنانچہ وہ تنقیح الأنظار میں جو اصول حدیث میں ایک نادر تصنیف ہے رقمطراز ہیں:

اعلم أن المسانيد دون السنن في القوة وأبعد منها عن رتبة الصحة وشرط أهلها أن يفردوا حديث كل صحابي على حدة مِن غير نظرٍ إلى الأبواب ويستقصون جميع الصحابي كله سواء رواه من يحتج به أولا كمسند أبي داؤد الطيالسي ويقال إنه أوّل مسند صنف ومثل مسند أحمد بن حنبل.[۱۶]

یعنی واضح رہے کہ مسانید قوت میں سنن سے کم اور درجہ صحت میں ان سے کمتر ہیں اہل مسانید کی یہ شرط ہے کہ صحابی کی حدیثیں علیحدہ علیحدہ بغیر ابواب کا لحاظ کیے جمع کردی جائیں۔ اور اس صحابی کی کل کی کل تمام احادیث کا استقصاء کیا جائے خواہ اس کو قابل استناد راوی بیان کرے یا نہ کرے جیسے مسند ابی داؤد طیالسی اور اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پہلی مسند ہے جو تصنیف ہوئی اور اسی طرح مسند احمد بن حنبل ہے۔

حاکم نے ذرا سختی سے کام لیا ہے اور سب مسانید کے بارے میں ایک عام حکم لگا دیا ہے بلاشبہ اکثر مسانید کا یہی حال ہے تاہم بعض ائمہ نے مسانید کی تدوین میں بھی انتخاب سے کام لیا ہے اور حتی الوسع قابل استناد روایات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا چنانچہ علامہ سیوطیؒ تدریب الراوي میں مسند اسحاق بن راہویہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

۱۶۔ تنقیح الانظار (۶۳ قلمی)

"واسحق يخرج أمثل ماورد عن ذلك الصحابي فيما ذكره أبو زرعة الرازي" (۱۷).

اور اسحٰق بن راہویہ جیسا کہ ابوزرعہ رازی نے ذکر کیا ہے جو روایت سب سے اچھی ہوتی ہے وہی اس صحابی سے نقل کرتے ہیں۔

اسی طرح مسند احمد بن حنبل بھی اس عموم سے مستثنیٰ ہے علامہ امیر یمانی توضیح الافکار میں لکھتے ہیں۔

"حكى النجم الطوفي عن العلامة تقي الدين بن تيمية أنه قال اعتبرت مسند أحمد فوجدته موافقاً لشرط أبي داؤد"۔ (۱۸)

نجم طوفی نے علامہ تقی الدین ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے مسند احمد کو جانچا تو اس کو ابوداؤد کی شرط کے موافق پایا۔

صرف علامہ ابن تیمیہ ہی کی رائے نہیں بلکہ علامہ مغلطائی اور حافظ ابو موسیٰ مدینی نے بھی مسند احمد پر صحت کا اطلاق کیا ہے۔

بلکہ امام احمد کا تو یہ ارادہ تھا کہ اپنی مسند کو صحیح حدیثوں کا اتنا بڑا مجموعہ بنا دیا جائے کہ اگر کبھی علماء میں کسی حدیث کی بابت کوئی اختلاف رونما ہو تو یہ کتاب اس روایت کے استناد وعدم استناد میں دستاویز کا کام دے سکے چنانچہ امام ممدوح کے صاحبزادے عبداللہ بن احمد کا بیان ہے کہ:

"قلت لأبي لم كرهت وضع الكتب وقد عملت المسند فقال عملت هذ الكتاب إماماً إذا اختلف الناس في سنة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم رجع إليه" (۱۹)

۱۷۔ تدریب الراوی ص: ۵۷، طبع مصر ۱۳۰۷ھ
۱۸۔ توضیح الافکار قلمی ص: ۱۲۸
۱۹۔ خصائص المسند از حافظ ابو موسیٰ مدینی ص: ۸، طبع مصر ۱۳۴۷ھ

میں نے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ آپ کتابوں کی تصنیف کو کیوں ناپسند فرماتے ہیں حالانکہ آپ نے خود بھی مسند تالیف کی ہے فرمانے لگے کہ میں نے تو اس کتاب کو امام بنایا ہے کہ جب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں اختلاف کریں تو اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

اور آپ کے برادر زادہ حنبل بن اسحٰق کہتے ہیں کہ:

"جمعنا عمّي لي ولصالح ولعبد الله وقرأ علينا المسند وما سمعه منه تامًا غيرنا وقال لنا هذا كتاب قد جمعته وانتقيته من أكثر من سبع مائة ألف وخمسين ألفًا فما اختلف المسلمون فيه من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فارجعوا إليه فإن وجد تموه فيه وإلا فليس بحجة".[۲۰]

عم محترم (امام احمد) نے مجھے اور (اپنے دونوں صاحبزادگان) صالح اور عبد اللہ کو جمع کر کے ہمارے سامنے مسند کی قراءت کی ہمارے سوا اور کسی نے آپ سے اس کتاب کو بہ تمام و کمال نہیں سنا ہے اور پھر ہم سے فرمایا کہ اس کتاب کو میں نے ساڑھے سات لاکھ سے[۲۱] زائد روایتوں سے انتخاب کر کے جمع کیا ہے سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس حدیث میں مسلمانوں کا اختلاف ہو تم اس کتاب کی طرف رجوع کرو اگر اس میں وہ روایت مل جائے تو فبہا ورنہ وہ حجت نہیں۔[۲۲]

۲۰۔ مناقب احمد از ابن جوزی، ص:۱۹۱-۱۹۲، طبع مصر ۱۳۴۹، وخصائص المسند ص:۹۔

۲۱۔ یاد رہے کہ یہ تعداد متون احادیث کی نہیں بلکہ طرق واسانید کی ہے چنانچہ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی نے بستان المحدثین میں اس کی تصریح بھی کر دی ہے۔

۲۲۔ امام ممدوح کے اس قول کی مختلف توجیہیں کی گئی ہیں۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں: "هذا القول منه على غالب الأمر وإلا فلنا أحاديث قوية في الصحيحين والسنن والأجزاء، ما هي في المسند وقدر الله تعالى أن الإمام قطع الرواية قبل تهذيب المسند، وقبل

امام موصوف کی مراد ان ہی احادیث سے ہے کہ جو شہرت یا تواتر کے درجہ تک نہیں پہنچی ہیں ورنہ بہت سی مشہور صحیح حدیثیں ہیں کہ جو ان کی مسند میں نہیں ہیں۔

بلا شبہ یہ کتاب ایسی ہی ہوتی لیکن کارکنان قضاء وقدر کو کچھ اور ہی منظور تھا ابھی مسند تشنہ تکمیل ہی تھی کہ امام ممدوح نے سفر آخرت اختیار کیا اور کتاب کا مسودہ متفرق اجزاء و اوراق میں باقی رہ گیا۔ حافظ ابو الخیر شمس الدین جزری، المصعد الاحمد فی ختم مسند الامام احمد میں لکھتے ہیں:

"إن الإمام أحمد شرع في جمع هذا المسند فكتبه في أوراق مفردة، وفرّقه في أجزاء منفردة على ما تكون المسودة ثم جاء حلول المنية قبل

وفاته بثلاث عشرة سنة فتجد في الكتاب أشياء مكررة، ودخول مسند في مسند وسند في سند، وهو نادر. المصعد الأحمد فی ختم المسند للإمام أحمد، ص:۲۱

امام موصوف کا یہ فرمانا غالب حال کے اعتبار سے ہے ورنہ ہمارے پاس صحیحین، سنن اور اجزاء میں بہت سی قوی حدیثیں موجود ہیں کہ جو مسند میں نہیں ہیں، نیز اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ امام نے مسند کی تہذیب سے پہلے اور اپنی وفات سے تیرہ سال قبل ہی حدیث کا روایت کرنا ختم کر دیا، یہی وجہ ہے کہ آپ اس کتاب میں بہت سی اشیاء کو مکرر اور ایک مسند کو دوسری مسند میں اور ایک سند کو دوسری سند میں داخل پائیں گے اور یہ ایک سند کا دوسری سند میں مل جانا نادرًا ہوا ہے۔

اور حافظ شمس الدین محمد جزری لکھتے ہیں:

"وأما قوله فما اختلف فيه من الحديث رجع إليه والا فليس بحجة يريد أصول الأحاديث وهو صحيح فإنه ما من حديث غالباً إلا وله أصل في هذا المسند، والله تعالى أعلم". المصعد الاحمد، ص:۲۱

اور امام احمد نے جو یہ فرمایا ہے کہ "جس حدیث میں اختلاف ہو اس کتاب کی طرف رجوع کیا جائے اگر اس میں ہو تو فبہا ورنہ وہ حجت نہیں" اس سے مراد اس حدیث کی اصل ہے اور یہ صحیح ہے کیونکہ کوئی حدیث غالبًا ایسی نہیں کہ جس کی اصل اس مسند میں نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم"۔

اور شاہ عبد العزیز صاحب بستان المحدثین میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

راقم الحروف گوید، مراد ایشاں ہماں احادیث است کہ بدرجہ تواتر یا شہرت نرسیدہ اند والا احادیث صحیح مشہورہ بسیار است کہ در مسند ایشاں نیست طبع مجتبائی دہلی، ص: ۲۰

حصول الأمنية فبادر بأسماعه لأولاده وأهل بيته ومات قبل تنقيحه وتهذيبه فبقي على حاله"۔

امام احمد نے اس مسند کو جمع کرنا شروع کیا تو اس کو علیحدہ علیحدہ اوراق میں لکھا اور جدا جدا اجزاء میں الگ الگ رکھا جس طرح سے کہ مسودہ ہوا کرتا ہے پھر حصول مقصد سے پہلے آپ کی وفات واقع ہو گئی، آپ نے اس کتاب کو اپنی اولاد اور اہل خاندان کو سنانے میں بڑی عجلت سے کام لیا اور اس کی تنقیح و تہذیب سے پہلے ہی آپ انتقال فرما گئے اور کتاب اسی حال میں رہ گئی۔

یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کتاب کے اس قدر ضخیم ہونے کے کہ اس میں چالیس ہزار حدیثیں آگئی ہیں پھر بھی احادیث صحیحہ کی بہت بڑی تعداد اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہے۔ حافظ ابن کثیر، اختصار علوم الحدیث میں لکھتے ہیں:

"إن الإمام أحمد قد فاته في كتاب هذا مع أنه لا يوازيه كتاب مسند في كثرته وحسن سياقه أحاديث كثيرة جداً بل قد قيل إنه لم يقع له جماعة من الصحابة الذين في الصحيحين قريباً من مائتين"۔ (۲۳)

امام احمد سے اپنی اس کتاب میں باوجود اس امر کے کہ کوئی اور مسند کثرت روایات اور حسن ادا میں اس کا مقابلہ نہیں کرتی پھر بھی نہایت کثرت سے حدیثیں چھوٹ گئی ہیں بلکہ بیان کیا گیا ہے کہ جماعت صحابہ میں دو سو کے قریب ایسے حضرات کی روایتیں اس میں موجود نہیں ہیں کہ جن سے خود صحیحین میں حدیثیں منقول ہیں۔

اسی طرح بعض غیر صحیح حدیثیں بھی کتاب میں داخل ہو گئی تھیں جن میں سے بعض کو خود امام ممدوح نے بھی مسودہ میں قلمزد کر دیا تھا چنانچہ حافظ ابو موسیٰ مدینی نے

۲۳۔ ص: ۷، طبع مکہ مکرمہ ۱۳۵۳ھ

خصائص المسند میں ان میں سے بعض روایات کی نشاندہی بھی کی ہے اسی بناء پر علماء میں یہ امر زیر بحث ہے کہ آیا اب بھی مسند میں کوئی موضوع روایت موجود ہے یا نہیں۔ علامہ ابن تیمیہ نے اس بحث کا فیصلہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

"وقد تنازع الناس: هل في مسند أحمد حديث موضوع؟ فقال طائفة من حفاظ الحديث كأبي العلاء الهمداني ونحوه، ليس فيه موضوع ۔ وقال بعضهم كأبي الفرج بن الجوزي فيه موضوع، ولا خلاف بين القولين عند التحقيق فإن لفظ الموضوع قد يراد به المختلق المصنوع الذي يتعمد صاحبه الكذب، وهذا مما لايعلم أن في المسند شيئاً، بل شرط المسند أقوى من شرط أبي داؤد في سننه و قد روى أبو داؤد في سننه عن رجال أعرض عنهم في المسند ولهذا كان الإمام أحمد في المسند لايروي عمن يعرف أنه يكذب مثل محمد بن سعيد المصلوب ونحوه ولكن يروي عمن يضعف لسوء حفظه فان هذا يكتب حديثه ويعتضد به ويعتبر به۔ ويراد بالموضوع ما يعلم إنتفاء خبره وإن كان صاحبه لم يتعمد الكذب، بل أخطأ فيه وهذا الضرب في المسند منه، بل وفي سنن أبي داؤد والنسائي وفي صحيح مسلم والبخاري أيضا ألفاظ في بعض الأحاديث من هذ الباب"[۲۴]۔

لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا مسند احمد میں کوئی موضوع حدیث ہے یا نہیں چنانچہ حفاظ حدیث کی ایک جماعت جیسے ابو العلا ہمدانی وغیرہ تو یہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی موضوع حدیث نہیں اور بعض حفاظ جیسے ابو الفرج بن الجوزی یہ کہتے ہیں کہ اس میں موضوع روایت موجود ہے اور تحقیق کرنے پر ان دونوں قولوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا کیونکہ لفظ موضوع سے کبھی تو جھوٹی

---

[۲۴] المصعد الاحمد، ص: ۲۶،۲۵

اور گھڑی ہوئی روایت مراد ہوتی ہے کہ جس کا بیان کرنے والا قصداً دروغ بیانی سے کام لیتا ہے۔ اور اس قسم کی کسی روایت کا مسند میں پتہ نہیں چلتا بلکہ مسند کی شرط ابو داؤد کی شرط سے جو انہوں نے اپنی سنن میں ملحوظ رکھی ہے زیادہ قوی ہے چنانچہ ابو داؤد نے اپنی سنن میں بہت سے ایسے لوگوں سے روایتیں درج کی ہیں کہ جن سے مسند میں اعراض کیا گیا ہے اور اسی لئے امام احمد اپنی مسند میں ایسے شخص سے روایت نہیں کرتے کہ جس کے بارے میں وہ یہ جانتے ہوں کہ وہ جھوٹ بولتا ہے جیسے کہ محمد بن سعید مصلوب وغیرہ ہیں لیکن اس شخص سے روایتیں لے لیتے ہیں کہ جو حافظہ کی خرابی کی بناپر ضعیف سمجھا جاتا ہو کیونکہ ایسے شخص کی حدیث لکھی جاتی ہے اور دوسری روایات کی تائید اور اعتبار کے سلسلہ میں کام آتی ہے۔

اور کبھی موضوع سے مراد وہ روایت ہوتی ہے کہ جس کے ثبوت کی نفی معلوم ہو اگرچہ اس کے بیان کرنے والے نے قصداً دروغ بیانی نہ کی ہو بلکہ روایت کرنے میں چوک گیا ہو اور ایسی روایات مسند ہیں موجود ہیں بلکہ سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں بھی ہیں اور صحیح مسلم اور صحیح بخاری تک میں بعض احادیث میں اس قسم کے الفاظ آئے ہیں۔

بہرحال مسند احمد کی اس خصوصیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ صحیح حدیثوں کا اس سے بڑا مجموعہ اور کوئی موجود نہیں بلکہ حافظ نورالدین ہیثمی نے غایۃ المقصد فی زوائد المسند(۲۵) میں تصریح کی ہے کہ:

مسند احمد أصح صحیحاً من غیرہ۔(۲۶)

۲۵۔ اس کتاب میں حافظ ہیثمی نے مسند امام احمد سے ان تمام روایات کو جمع کیا ہے کہ جن کو ارباب صحاح ستہ میں سے کسی نے روایت نہیں کیا ہے۔

۲۶۔ تدریب الراوی، ص: ۵۷۔

صحیح ہونے میں مسند احمد اوروں کی نسبت صحیح تر ہے۔
امام حاکم مسانید کے ذکر کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔
"پہلے جس نے صحیح تصنیف کی وہ ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری ہیں ان کے بعد مسلم بن الحجاج قشیری نیشابوری ان دونوں نے صحیح کو تراجم کے بجائے ابواب پر تصنیف کیا"۔

تراجم وابواب کا فرق:

ابواب وتراجم (مسانید) کا فرق یہ ہے کہ ابواب میں احادیث کو باب وار مضامین کے لحاظ سے مرتب کیا جاتا ہے۔ مثلاً نماز کی علیحدہ، روزہ کی علیحدہ، اور مسانید میں ہر صحابی کی جملہ مرویات کو بلا لحاظ مضمون یکجا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جتنی روایات آئی ہیں بلا لحاظ اس امر کے کہ وہ روزہ سے متعلق ہیں یا نماز سے یا کسی اور امر سے "مسند أبی بکر الصدیق" کے زیر عنوان یکجا لکھدی جائیں گی۔ یہ فرق تو طرز تصنیف کے اعتبار سے تھا لیکن غور کیجئے تو روایات کے اعتماد واستناد کے لحاظ سے بھی ان دونوں طریقوں میں نمایاں امتیاز نظر آئے گا۔ مصنفین ابواب کے پیش نظر وہ روایات ہوتی ہیں جن کا تعلق عمل یا عقیدہ سے ہوتا ہے اس لئے وہ عموماً ان روایات کو ذکر کرتے ہیں جو احتجاج واستشہاد کے قابل ہوں اس کے بر خلاف مصنفین مسانید کا کام صرف روایات کا جمع کر دینا ہے اس لئے وہ اس بندش سے آزاد ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں صحیح غیر صحیح ہر طرح کی روایات کا انبار نظر آئے گا۔
ابواب وتراجم کے اس فرق کی مزید وضاحت کرتے ہوئے حاکم لکھتے ہیں۔
ابواب وتراجم کا فرق یہ ہے کہ تراجم کی صورت میں یہ شرط ہے کہ مصنف یوں عنوان قائم کرے۔

ذكر ما ورد عن أبي بكر الصديق رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم.

یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث مروی ہیں ان کا بیان۔

پھر دوسرا عنوان یہ ہوگا۔

ذكر ما روى قيس بن أبي حازم عن أبي بكر الصديق.

یعنی قیس بن ابی حازم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے جو روایتیں کی ہیں ان کا ذکر۔

اس صورت میں مصنف کے لئے لازمی ہے کہ قیس کے واسطے سے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے جتنی روایتیں مل جائیں سب کی تخریج کرے قطع نظر اس کے کہ وہ صحیح ہیں یا سقیم۔

لیکن مصنف ابواب اس طرح عنوان قائم کرتا ہے۔

ذكر ما صح وثبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في أبواب الطهارة أو الصلوة أو غير ذلك من العبادات.

یعنی طہارت یا نماز یا دیگر عبادات کے بارے میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح وثابت ہے اس کا ذکر

ابواب وتراجم کا جو فرق حاکم نے بیان کیا ہے وہ نہایت قابل توجہ اور اہم ہے۔ ان کے بیان میں اس امر کی صاف طور پر صراحت موجود ہے کہ اہل تراجم یعنی مصنفین مسانید و معاجم کا مقصد صرف روایات کا جمع واستقصاء ہے۔ ایک صحابی اور ایک راوی کے ذریعہ جتنی روایتیں ان کو مل جائیں گی وہ ان سب کو یکجا روایت کردیں گے اور چونکہ یہ ضروری نہیں کہ وہ تمام روایتیں صحیح طریقوں ہی سے ثابت ہوں اس لئے صرف صحیح روایتوں کا جمع کرنا ان کے موضوع سے خارج اور ان کی شرط تصنیف کے منافی ہے۔ لہٰذا ان کی تصانیف صحیح وضعیف ہر قسم کی روایتوں سے مالا مال ہوں گی۔ درحقیقت

کتب مسانید طرق و اسانید کا بیش بہا دفتر ہیں۔ ان سے محدث کو سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو حدیث کے درجہ قوت و ضعف پر پوری طرح اطلاع ہو جاتی ہے اور یہ معلوم کرنے میں آسانی رہتی ہے کہ وہ صحت کے کس معیار پر ہے اور اس کی سند کے کتنے طریقے ضعیف اور کتنے صحیح ہیں۔ اگر ضعف ہے تو کیا اس قسم کا ہے کہ چند طریقوں کے ملا لینے سے جاتا رہتا ہے اور حدیث کو قابل استناد بنا دیتا ہے۔ مثلاً ایک حدیث چار طریقوں سے مروی ہے اور ہر طریقے میں ایک ایسا راوی موجود ہے جس پر حافظہ کی کمی کا الزام ہے اسلئے کیا یہ ممکن ہے کہ چاروں کے بیان کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ ان میں ہر ایک میں جو علیحدہ علیحدہ حافظہ کی کمی تھی وہ ان سب کے متفقہ بیان سے پوری ہوگئی اور اسی طرح اگر وہ حدیث صحیح ہے تو کیا تعدد طرق کی بنا پر اسے شہرت کا درجہ حاصل ہے یا اسے صرف عزیز کہا جاسکتا ہے یا وہ غرائب و افراد میں سے ہے۔

لیکن جن لوگوں نے اپنی تصنیفات کی ترتیب تراجم کی بجائے ابواب پر کی ہے یعنی اہل جوامع و سنن ان کی شرط تصنیف میں یہ چیز داخل ہے کہ وہ صرف معمول بہ اور قابل استناد احادیث کا اندراج کریں اور ایسی کوئی روایت اپنی کتاب میں نہ لائیں جو عمل کے قابل نہ ہو اس لئے یہ مصنفین اپنی تصانیف میں صرف وہ احادیث نقل کرتے ہیں جو ان کے نزدیک آنحضرت ﷺ سے صحیح و ثابت ہوں۔ گو یہ ممکن ہے کہ کسی حدیث کے صحیح سمجھنے میں ان سے چوک ہوئی ہو یا اور علما ان کی اس رائے سے متفق نہ ہوں۔ حاکم کے زمانہ تک مصنفین ابواب کے پیش نظر یہی چیز تھی اسلئے جب وہ اپنی تصانیف میں کوئی ایسی روایت داخل کرتے ہیں جو ان کی شرط پر پوری نہیں اترتی تو اس کے ضعف کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرکے اس ذمہ داری سے بری ہو جاتے ہیں۔

واضح رہے کہ سلف کی اصطلاح میں ہر قابل عمل حدیث صحیح کہلاتی تھی البتہ صحت کے اعتبار سے اس کے مختلف درجہ ہوتے تھے۔ بعد میں متاخرین نے حدیث مقبول کی چار قسمیں قرار دیں اور ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ نام مقرر کیے۔

(۱) صحیح لذاتہ۔

(۲) صحیح لغیرہ

(۳) حسن لذاتہ۔

(۴) حسن لغیرہ۔

متقدمین کی اصطلاح میں حسن بھی صحیح میں داخل تھی۔ حافظ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء میں امام ابو داؤد کے ذکر میں اس چیز کی تصریح کی ہے چنانچہ رقمطراز ہیں۔

"حدّ الحسن بإصطلاحنا المولد الذي هو في عرف السلف يعود إلى قسم من أقسام الصحيح فإنه الذى يجب العمل به عند جمهور العلماء". (۲۷)

ہماری جدید اصطلاح میں جو حسن کی تعریف ہے وہ متقدمین کے عرف میں صحیح کی ایک قسم ہے کیونکہ وہ عام علماء کے نزدیک واجب العمل ہے۔

مصنفین ابواب کی جو شرط حاکم نے بیان کی ہے وہ اسی اصطلاح پر مبنی ہے اور یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے ائمہ حدیث نے کتب سنن پر صحت کا اطلاق کیا ہے حالانکہ ان میں احادیث حسان کثرت سے موجود ہیں چنانچہ ابو علی نیشاپوری۔ ابو احمد بن عدی۔ دارقطنی۔ عبدالغنی بن سعید۔ حاکم۔ خطیب اور سلفی نے سنن نسائی کو صحیح کہا ہے۔ ابن مندہ اور ابو علی بن سکن کا بیان ہے کہ چار اشخاص نے صحیح کی تخریج کی ہے بخاری، مسلم، ابو داؤد اور نسائی اسی طرح حاکم خطیب اور سلفی نے سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی کو صحیح کے لفظ سے موسوم کیا ہے. (۲۸)

کیا صحیح حدیثوں کو سب سے پہلے بخاری نے جمع کیا ہے؟

امام حاکم نے المدخل ص ۶ پر تصریح کی ہے، أوّل من صنف الصحيح الخ، کہ

۲۷۔ توضیح الافکار للامیر ص ۱۴۴

۲۸۔ توضیح الافکار للامیر، ص ۱۴۴

سب سے پہلے جس نے صحیح حدیث کا مجموعہ تیار کیا ہے وہ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری ہیں پھر ابوالحسین مسلم بن حجاج نیشاپوری ہیں۔

یہاں تو مصنف نے امام بخاری کو پہلا مصنف صحیح قرار دیا ہے مگر لطف یہ ہے کہ خود مستدرك علی الصحیحین میں حاکم اور دوسرے ائمہ حدیث کی تصریحات ان کے دعویٰ کے برخلاف ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

(۱) ومالك بن أنس حكم فى حديث المدنيين وقد احتج به في المؤطا.[۲۹]

مالک ابن انس اہل مدینہ کی حدیث میں فیصلہ کن ہیں اور موطا میں اس حدیث سے احتجاج کیا ہے۔

(۲) ومالك الحكم فى كل من روى عنه.[۳۰]

اور مالکؒ جس سے روایت کریں اس کے سلسلے میں وہ حکم ہیں۔

(۳) تیسری جگہ بیع الرطب والتمر کے ذیل میں ارقام فرماتے ہیں۔

هذا حديث صحيح لإجماع أئمة النقل على إمامة مالك بن أنس وإنه الحكم في كل ما يرويه من الحديث، إذ لم يوجد في رواياته إلا الصحيح خصوصًا فى حديث أهل المدينة.[۳۱]

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ ائمہ نقل کا امام مالک کی امامت پر اجماع ہے اور امام مالک جو حدیث روایت کرتے ہیں اس میں وہ حکم ہیں کیونکہ امام مالک

---

[۲۹] ۔ مستدرک ج: ۱، ص: ۲۴۴

[۳۰] ۔ مستدرک ج: ۱، ص: ۱۰۷

[۳۱] ۔ ج: ۲، ص: ۳۹

نے جو روایت کی ہے اس میں صحیح کے علاوہ کوئی چیز نہیں خاص کر اہل مدینہ کی روایتوں میں۔

(۴) بلکہ امام بخاری اور امام مسلم کی شہادت بھی اس سلسلے میں پیش کرتے ہیں، چنانچہ سورۃ الھمزۃ کی حدیث کے بارے میں جو حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے کتاب میں مذکور ہے فرماتے ہیں۔

هذا حديث صحيح ولم يخرجاه على أنهما على ما أصلاه فى تركه غير أنه ما قد شهدا جميعًا لمالك بن أنس أنه الحكم في حديث المدنيين وهذا الحديث مما صحّحه مالك واحتج به في المؤطا.[۳۲]

یہ حدیث صحیح ہے اور دونوں نے اس کی تخریج نہیں کی اس اصول کے بنا پر جو انہوں نے قائم کیا ہے: "کہ فرد حدیث کی تخریج نہیں کریں گے"، مگر ان دونوں نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ امام مالکؒ کا مدینہ والوں کی حدیث میں ان کا قول قول فیصل ہے اور یہ وہ حدیث ہے جس کو امام مالکؒ نے صحیح کہا ہے اور موطا میں اس سے احتجاج کیا ہے۔

(۵) اور حاکم سے پہلے حافظ ابن حبان کتاب الثقات میں تصریح کرتے ہیں.

وكان مالك أول من انتقى الرجال من الفقهاء بالمدينة وأعرض عمن ليس بثقة في الحديث ولم يكن يروى إلا ما صحّ ولا يحدث إلا عن ثقة.[۳۳]

اور امام مالک مدینے کے فقہاء میں سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے مدینہ میں حدیث کے راویوں کے بارے میں انتخاب سے کام لیا ہے اور حدیث کا جو

۳۲۔ ج:۱ص:۱۶۰

۳۳۔ کتاب الثقات ج:۷، ص:۴۵۹ تذکرہ مالک

راوی غیر ثقہ ہے اس سے احتراز کیا ہے۔ اور امام مالک وہی روایت کرتے تھے جو صحیح ہوتی اور بجز ثقہ راوی کے کسی سے روایت نہیں کرتے تھے۔

(۶) اور ان دونوں حضرات سے پہلے امام سفیان ابن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ فرما چکے ہیں۔

"كان مالك لا يبلّغ من الحديث إلا صحيحًا ولا يحدث إلا عن ثقة".(۳۳)

کہ امام مالک صحیح حدیث ہی بیان کرتے تھے اور جو روایت نقل کرتے تھے وہ ثقہ ہی سے کرتے تھے۔

اب ان تصریحات کے بعد ناظرین خود غور فرمالیں کہ صحیح میں اول تصنیف خود حاکم اور دوسرے ائمہ حدیث کی تصریحات کے مطابق مؤطا ہوئی یا صحیح بخاری اور حاکم کی تقلید میں ابن صلاح نے بھی بغیر تحقیق کئے اوّلیت کا سہرا امام بخاری کے سر پر باندھ دیا پھر متاخرین نے بھی بغیر تحقیق ابن صلاح کی بات کو اپنی تصانیف میں دھرانا شروع کردیا۔ لیکن یہ بالکل بے اصل بات ہے۔ حافظ سیوطی تنویر الحوالك میں لکھتے ہیں۔

"وقال الحافظ مغلطائي أوّل من صنّف الصحيح مالك وقال الحافظ ابن حجر كتاب مالك صحيح عنده وعند من يقلده على ما اقتضاه نظره من الاحتجاج بالمرسل والمنقطع وغيرهما قلت مافيه من المراسيل فإنها مع كونها حجة عنده بلا شرط وعند من وافقه من الائمة على الاحتجاج بالمرسل فهي أيضًا حجة عندنا لأن المرسل عندنا حجة اذا اعتضد وما من مرسل في المؤطا إلا وله

۳۳۔ سیر اعلام النبلاء، ج: ۸، ص: ۷۳ تذکرہ مالک

عاضد أو عواضد كما سأبين ذلك فى هذا الشرح فالصواب إطلاق أن المؤطا صحيح لا يستثنى منه شيء". (۳۵)

اور حافظ مغلطائی نے کہا ہے کہ پہلے جس نے صحیح تصنیف کی وہ مالکؒ ہیں۔ حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ مالکؒ کی کتاب خود ان کے اور نیز ان کے مقلدین کے نزدیک جن کا خیال مرسل و منقطع وغیرہ سے احتجاج کا متقاضی ہے صحیح ہے (سیوطیؒ کہتے ہیں) میں کہتا ہوں مؤطا میں جو مراسیل ہیں وہ قطع نظر اس کے کہ وہ بلا کسی شرط کے مالک اور ان ائمہ کے نزدیک جو مرسل سے استناد کے قائل ہیں حجت ہیں ہمارے نزدیک بھی صحیح ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک جب مرسل کا کوئی مؤید ہو تو وہ حجت بنتی ہے اور مؤطا میں کوئی مرسل ایسی موجود نہیں جس کے ایک یا ایک سے زائد مؤید موجود نہ ہوں۔ چنانچہ میں اپنی اس شرح میں اس کو بیان کروں گا۔ تو حق یہی ہے کہ مؤطا پر صحیح کا اطلاق کیا جائے اور اس سے کسی چیز کو مستثنیٰ نہ قرار دیا جائے۔

علامہ سیوطیؒ نے حافظ مغلطائی کے جس بیان کا حوالہ دیا ہے وہ خود ان کی زبان سے سننا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ علامہ محمد امیر یمانی توضیح الأفكار شرح تنقيح الأنظار میں جو اصول حدیث کی ایک بیش بہا کتاب ہے رقمطراز ہیں۔

أوّل من صنّف في جمع الصحيح البخارى هذا كلام ابن الصلاح قال الحافظ ابن حجرانه إعترض عليه الشيخ مغلطائى فيما قرأه بخطه بأن مالكًا أوّل من صنّف الصحيح وتلاه أحمد بن حنبل وتلاه الدارمى قال وليس لقائل أن يقول لعله أراد الصحيح المجرد

۳۵۔ تنویر الحوالک ۱۵/۱ طبع مصر ۱۳۴۳ھ

فلا يرد كتاب مالك لأن فيه البلاغ والموقوف والمنقطع والفقه وغير ذلك لوجود ذلك في كتاب البخاري. انتهى"[۳٦]

پہلے جس نے جمع صحیح میں تصنیف کی وہ بخاری ہیں یہ ابن صلاح کا بیان ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس پر شیخ مغلطائی نے اعتراض کیا ہے چنانچہ انہوں نے خود ان کی تحریر میں پڑھا ہے کہ پہلے جس نے صحیح تصنیف کی وہ مالک ہیں اور ان کے بعد احمد بن حنبل اور پھر دارمی اور کسی کو یہ اعتراض کا حق نہیں کہ غالباً ابن صلاح کی مراد صحیح سے صحیح مجرد ہے لہذا مالک کی کتاب اس سلسلہ میں پیش نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس میں بلاغ موقوف منقطع اور فقہ بھی موجود ہے اس لئے کہ یہ سب چیزیں بخاری کی کتاب میں بھی پائی جاتی ہیں۔

کتاب الآثار پہلا حدیثی مجموعہ ہے جو ابواب پر مرتب ہوا

بلاشبہ علامہ مغلطائی کے نزدیک اس بارے میں اوّلیت کا شرف امام مالکؒ کو حاصل ہے۔ مگر ہم کو اس سے بھی پہلے کی ایک تصنیف معلوم ہے جس سے خود مؤطا کی تالیف میں استفادہ کیا گیا ہے اور جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہی اسلام میں پہلی کتاب ہے جو ابواب پر مرتب ومدوّن ہوئی۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کی مشہور تصنیف کتاب الآثار ہے۔ مؤطا کو کتاب الآثار سے وہی نسبت ہے جو صحیح مسلم کو صحیح بخاری سے۔ یہ کچھ ہماری ہی رائے نہیں بلکہ اگلے علما بھی اس کی تصریح کرچکے ہیں۔ حافظ سیوطیؒ تبييض الصحيفة فى مناقب الامام أبى حنيفهؒ میں تحریر فرماتے ہیں۔

۳٦۔ توضیح الافکار ۲۱

"من مناقب أبي حنيفة التي انفرد بها أنه أوّل من دوّن علم الشريعة ورتّبه أبوابا ثم تبعه مالك بن أنس في ترتيب الموطا ولم يسبق أبا حنيفة أحدٌ".(۳۷)

امام ابو حنیفہؒ کے ان خصوصی مناقب میں سے جن میں وہ متفرد ہیں ایک یہ بھی ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مدون کیا اور اس کی ابواب پر ترتیب کی پھر امام مالکؒ بن انس نے مؤطا کی ترتیب میں ان ہی کی پیروی کی اور اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں۔

امام ابو حنیفہ کی تصانیف سے امام مالک کا استفادہ

امام ابو حنیفہؒ کی تصانیف سے امام مالکؒ کے استفادہ کا ذکر کتب تاریخ میں صراحت سے مذکور ہے حافظ ابو القاسم عبد اللہ بن محمد بن أبی العوام سعدی مناقب ابی حنیفہ میں بسند متصل روایت کرتے ہیں۔

"حدثني يوسف بن أحمد المكي ثنا محمد بن حازم الفقيه ثنا محمد بن على الصائغ بمكة ثنا إبراهيم بن محمد عن الشافعى عن عبد العزيز الدراوردى قال كان مالك بن أنس ينظر في كتب أبي حنيفة وينتفع بها".(۳۸)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عبد العزیز بن محمد الدراوردی کا بیان ہے کہ امام مالکؒ بن انس امام ابو حنیفہؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے اور ان سے نفع اندوز ہوتے تھے۔

۳۷۔ تبییض الصحیفہ طبع دہلی ۱۳۴

۳۸۔ تعلیقات الانتقاء للکوثری، طبع مصر، ص ۱۴

موطا کو کتاب الآثار سے وہی نسبت ہے جو صحیح مسلم کو صحیح بخاری سے کتاب الآثار میں جو احادیث مروی ہیں وہ موطا کی روایات سے قوت وصحت میں کسی طرح کم نہیں۔ ہم نے اس کے ایک ایک راوی کو جانچا اور پرکھا ہے اسی لئے ہم پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں کوئی موضوع روایت موجود نہیں اور نہ کوئی ایسی روایت پائی جاتی ہے کہ جو سرے سے احتجاج کے قابل نہ ہو اور جس طرح موطا کے مراسیل کے مؤید موجود ہیں اسی طرح اس کے مراسیل کا حال ہے۔ لہٰذا بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ کتاب الآثار باصطلاح سلف بلا استثناء پوری کی پوری صحیح ہے۔ اور کیوں نہ ہو امام ابو حنیفہؒ کی نظر انتخاب نے چالیس ہزار احادیث کے مجموعہ سے چن کر ان کو روایت کیا ہے۔ صدر الائمہ موفق بن احمد مکی تحریر فرماتے ہیں۔

"وانتخب أبو حنيفة رحمه الله الآثار من أربعين ألف حديث". (۳۹)

امام ابو حنیفہؒ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے۔

امام صاحب کی اس احتیاط کا بڑے بڑے محدثین نے اقرار کیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابو محمد عبداللہ حارثی بسند متصل وکیع سے جو حدیث کے بہت بڑے امام ہیں نقل کرتے ہیں۔

"أخبرنا القاسم بن عباد سمعت يوسف الصفار يقول سمعت وكيعاً يقول لقد وجد الورع عن أبي حنيفة في الحديث مالم يوجد عن غيره". (۴۰)

کہ جیسی احتیاط امام ابو حنیفہؒ سے حدیث میں پائی گئی کسی دوسرے سے نہیں پائی گئی۔

---

(۳۹) مناقب موفق طبع دائرۃ المعارف، ج ۱، ص ۹۵

(۴۰) مناقب موفق طبع دائرۃ المعارف، ج ۱، ص ۹۵

اسی طرح علی بن الجعد جوہری نے کہ جو حدیث کے بہت بڑے حافظ اور امام بخاری اور ابو داؤد کے استاذ ہیں یہ روایت نقل کی ہے:

"قال القاسم بن عباد في حديثه قال على بن الجعد أبو حنيفة إذا جاء بالحديث جاء به مثل الدر".[۳۱]

امام ابو حنیفہ جب حدیث بیان کرتے ہیں تو موتی کی طرح آبدار ہوتی ہے۔

اور حافظ خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں سید الحفاظ یحیی بن معین سے (جن کے متعلق امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے کہ جس حدیث کو یحیی بن معین نہ جانیں وہ حدیث ہی نہیں) بسند متصل ناقل ہیں کہ:

"كان أبو حنيفة ثقة لا يحدث إلا ما يحفظ ولا يحدث بما لا يحفظ".[۳۲]

امام ابو حنیفہ ثقہ ہیں جو حدیث ان کو حفظ ہوتی ہے وہی بیان کرتے ہیں اور جو حفظ نہیں ہوتی بیان نہیں کرتے۔

اور امام عبد اللہ بن المبارک کہ جن کی جلالت شان کا تمام اہل علم کو اعتراف ہے اپنی ایک نظم میں جو انہوں نے امام اعظم کی شان میں لکھی ہے فرماتے ہیں:

روى آثاره فأجاب فيها كطيران الصقور من المنيفه

انہوں نے آثار کو روایت کیا تو ایسی بلند پروازی دکھائی کہ، جیسے شکاری پرندے بلند مقام پر پرواز کر رہے ہوں۔

ولم يك بالعراق له نظيرٌ ولا بالمشرقين ولا بكوفه[۳۳]

سو نہ عراق میں ان کی کوئی نظیر تھی، نہ مشرق و مغرب میں اور نہ کوفہ میں۔

۳۱۔ مناقب موفق طبع دائرۃ المعارف، ج ۱، ص ۹۵

۳۲۔ مناقب موفق طبع دائرۃ المعارف، ج ۱، ص ۹۵

۳۳۔ مناقب صدر الائمہ ج: ۳، ص: ۱۹۰

اسی طرح امام اہل سمرقند ابو مقاتل سمرقندی امام اعظم کی مدح کرتے ہوئے کتاب الآثار کے متعلق فرماتے ہیں:

"روى الآثار عن نبل ثقات غزار العلم مشيخة حصيفة". [44]

معززین ثقات سے انہوں نے الآثار کو روایت کیا ہے جو بڑے وسیع العلم اور عمدہ مشائخ تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان اکابر ائمہ حدیث کی یہ شہادتیں بلاوجہ نہیں ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے کوفہ، بصرہ اور حجاز [45] کی مشہور درس گاہوں میں علم حدیث کی برسوں تحصیل کی ہے اور جس توجہ اور کوشش سے انہوں نے اس علم کو حاصل کیا ہے، ان کے معاصرین میں سے کم لوگوں نے کیا ہوگا۔ حافظ ابو سعد سمعانی، [46] کتاب الانساب میں امام ابو حنیفہ کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

"اشتغل بطلب العلم وبالغ فيه حتى حصل له مالم يحصل لغيره". [47]

---

[44] ۔ مناقب صدر الائمہ ج: ۳، ص: ۱۹۰

[45] ۔ علامہ کمال الدین احمد بیاضی، اشارات المرام من عبارات الامام، (ص: ۲۰، طبع مصر ۱۳۶۸ھ) میں فرماتے ہیں: فهو اخذ عن اصحاب عمر رضي الله عنه عن عمر وعن اصحاب ابن مسعود رضي الله تعالى عنه عن ابن مسعود وعن اصحاب ابن عباس رضي الله عنهما عن ابن عباس ممن يبلغ العدد المذكور بالكوفة والبصرة والحجاز في حجه سنة ست وتسعين وبعده۔ یعنی امام ابو حنیفہ نے اصحاب عمر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم اور اصحاب ابن مسعود سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اور اصحاب ابن عباس سے حضرت ابن عباس کا مشائخ کی اس تعداد سے جو ذکر کی جاچکی ہے کوفہ، بصرہ اور حجاز میں [illegible] میں بزمانہ حج اور اس کے بعد حاصل کیا ہے۔

[46] ۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں تصریح کی ہے کہ سمعانی تاریخ اور علم حدیث میں ابن جوزی اور ان کے شیخ ابن ناصر دونوں سے بڑھے ہوئے ہیں (ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابن ناصر)

[47] ۔ الانساب طبع لیدن ورق ۱۹۶

وہ طلب علم میں مشغول ہوئے تو اس درجہ غایت انہماک کے ساتھ ہوئے کہ جس قدر علم ان کو حاصل ہوا دوسروں کو نہ ہوا۔

اور حافظ ذہبی، امام مسعر بن کدام سے جو عہد طالب العلمی میں امام اعظم کے رفیق رہ چکے ہیں ناقل ہیں:

"طلبت مع أبي حنيفة الحديث فغلبنا وأخذنا في الزهد فبرع علينا وطلبنا معه الفقه فجاء منه ما ترون". (۴۸)

میں نے امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی تو وہ ہم پر غالب رہے، اور زہد میں لگے تو اس میں بھی وہ ہم سے فائق ہوگئے اور فقہ ان کے ساتھ شروع کی تو تم دیکھتے ہی ہو کہ کیسا کمال ان سے ظاہر ہوا۔

یہ مسعر وہی ہیں جن کو شعبہ ان کے اتقان کی بناپر مصحف کہا کرتے تھے. (۴۹) حافظ ابو محمد رامہرمزی نے المحدث الفاصل بین الراوی والواعی (۵۰) میں لکھا ہے کہ:

"شعبہ اور سفیان ثوری میں جب کسی حدیث کی بابت اختلاف ہوتا تو دونوں کہا کرتے کہ إذهبا بنا إلى الميزان مسعر (ہم دونوں کو مسعر کے پاس لے چلو جو اس فن کی میزان ہیں)".

غور کیجئے شعبہ اور سفیان دونوں أمیر المؤمنین فی الحدیث کہلاتے ہیں اس لئے ان کی میزان علم جس شخص کے متعلق یہ شہادت دے کہ وہ علم حدیث میں ہم سے آگے ہے وہ خود اس فن میں کس پایہ کا شخص ہوگا.

۴۸۔ مناقب ابی حنیفہ از حافظ ذہبی ص: ۲۷ طبع

۴۹۔ تذکرۃ الحفاظ ترجمہ مسعر

۵۰۔ اس کتاب کے قلمی نسخے کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن اور کتب خانہ پیر جھنڈو سندھ میں ہماری نظر سے گزرے ہیں۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام حافظ ابو عبد الرحمن مقری (جو فن حدیث میں امام احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ اور بخاری کے استاذ ہیں) جب امام ابو حنیفہؒ سے کوئی حدیث روایت کرتے تھے تو ان الفاظ کے ساتھ کرتے تھے۔ أخبرنا شاهنشاه. (۵۱)

اور امام مکی بن ابراہیم فرماتے ہیں:

"كان أبو حنيفة زاهداً عالماً راغباً في الآخرة صدوق اللّسان أحفظ أهل زمانه". (۵۲)

امام ابو حنیفہ زاہد، عالم، آخرت کی طرف راغب، بڑے راستباز اور اپنے اہل زمانہ میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔

محدث صیمری نے بھی مناقب أبی حنیفه میں شیخ الاسلام حافظ یزید بن ہارون سے اسی کے قریب قریب روایت کیا ہے. (۵۳) اور امام یحیٰ بن سعید القطان جو مشہور ناقد حدیث اور جرح و تعدیل کے امام ہیں یوں فرماتے ہیں:

"إنه والله لأعلم هذه الأمة بما جاء عن الله ورسوله". (۵۴)

واللہ ابو حنیفہ اس امت میں خدا اور اس کے رسول ﷺ سے جو کچھ وارد ہوا ہے اس کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

۔ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اس کو بسند متصل نقل کیا ہے۔

۔ مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ بحوالہ حافظ ابو احمد عسکری۔

۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ مجلس علمی کراچی میں موجود ہے یہ کتاب مطبع معارف شرقیہ حیدر آباد دکن سے ۱۳۹۴ میں شائع ہو گئی ہے، حضرت نعمانی نے متعدد نسخوں سے اس کی تصحیح کر کے مسودہ تیار کیا تھا لیکن وہ چھپ نہیں سکا ہے، مخطوط میں اصل عبارت یہ ہے: کان ابو حنیفة [illegible] زاهداً عالماً صدوق اللسان احفظ اهل زمانه۔[۵۳]

۔ مقدمہ کتاب التعلیم از علامہ مسعود بن شیبہ سندی، بحوالہ امام طحاوی اس کا قلمی نسخہ مجلس علمی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔یہ کتاب حضرت والد صاحب کی تعلیقات کے ساتھ شائع ہو گئی ہے ملاحظہ ہو مقدمہ کتاب ہذا۔

ائمہ فن کی اس قدر تصریحات فن حدیث میں امام اعظم کی عظمت شان اور جلالت مرتبت کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔

امام اعظم کی روایت حدیث اور عمل بالحدیث کی شرائط:

اب ذرا اس پر بھی نظر ڈال لیجیے کہ امام اعظم کے نزدیک کسی حدیث کو روایت کرنے اور اس پر عمل کرنے کے کیا شرائط ہیں۔ امام طحاوی نے بہ سند متصل روایت کی ہے۔

"حدثنا سلیمان بن شعیب حدثنا أبی قال أملأ علینا أبو یوسف قال قال أبو حنیفة لاینبغی للرّجل أن یحدث من الحدیث إلا بما حفظه من یوم سمعه إلی یوم یحدث به"(۵۵).

کہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کسی شخص کو اس وقت تک حدیث نہیں بیان کرنا چاہئے جب تک کہ سننے کے دن سے لے کر بیان کرنے کے دن تک اسی طرح یاد نہ ہو۔

امام یحیٰ بن معین کی تصریح ابھی آپ پڑھ چکے کہ روایت حدیث کے باب میں امام صاحب کا عمل اسی اصول پر تھا۔ بعد کے متعدد محدثین نے حفظ کی بجائے کتابت کو کافی سمجھا اس لئے ان کے خیال میں اگر راوی کو حدیثوں کے الفاظ و معانی کچھ بھی یاد نہ ہوں تاہم چونکہ وہ قلمبند صورت میں اس کے پاس موجود ہیں اس لئے ان کو روایت کر سکتا ہے چنانچہ محدث خطیب بغدادی، الکفایۃ فی علم الراویۃ میں لکھتے ہیں:

"ابو زکریا یعنی یحیٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنے قلم سے حدیث لکھی ہوئی پائے مگر وہ اس کو زبانی یاد نہ ہو تو کیا کرے کہنے لگے ابو حنیفہ تو یوں فرماتے ہیں کہ جس حدیث کا انسان عارف اور حافظ نہ ہو اسے بیان نہ کرے لیکن ہم یوں کہتے ہیں

۵۵۔ الجواہر المضیئۃ، ترجمہ امام ابو حنیفہ

کہ اپنی کتاب میں جو کچھ اپنے قلم سے لکھا ہوا پائے اسے بیان کر سکتا ہے چاہے وہ اس روایت کا عارف ہو یا نہ ہو۔ (۵۶)

اور حافظ سیوطیؒ، تدریب الراوی میں امام ابو حنیفہ کا مذہب نقل کر کے لکھتے ہیں:

"وهذا مذهب شديد وقد استقر العمل على خلافه فلعل الرواة في الصحيحين ممن يوصف بالحفظ لا يبلغون النصف". (۵۷)

یہ سخت مذہب ہے اور عمل اس کے خلاف قرار پایا ہے کیونکہ غالباً صحیحین کے ان رواۃ کی تعداد جو حفظ سے موصوف ہیں نصف تک نہیں پہنچتی۔

اگرچہ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ اختلاف عصر و زمان کا مسئلہ ہے اسی لئے امام مالک بھی اس مسئلہ میں امام اعظم کے ہمزبان ہیں۔ اس عہد تک کتابت سے زیادہ حفظ پر زور تھا بعد کو جس قدر زمانہ گزرتا گیا حفظ کی جگہ کتابت نے لے لی تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حافظ حدیث کی روایت کو غیر حافظ کی روایت پر ترجیح ہے کیونکہ عدم حفظ کی صورت میں احتمال ہے کہ کوئی خط میں خط ملا کر نوشتہ میں گڑبڑ نہ کر دے۔ بہر حال اس حیثیت سے کتاب الآثار اور مؤطا کی صحیحین کی مرویات پر جو ترجیح حاصل ہے ظاہر ہے۔

اور امام ربانی علامہ عبدالوہاب شعرانی، المیزان الکبریٰ میں رقمطراز ہیں:

"وقد كان الإمام أبو حنيفة يشترط في الحديث المنقول عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل العمل به أن يرويه عن ذلك الصحابي جمع أتقياء عن مثلهم وهكذا". (۵۸)

۵۶۔ الکفایۃ فی علم الروایہ ص: ۲۳۱ طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۵۷ھ

۵۷۔ تدریب الراوی ص: ۱۶۰۔

۵۸۔ میزان شعرانی ج: ۱، ص: ۶۲ طبع مصر ۱۳۴۴ھ

جو حدیث آنحضرت ﷺ سے منقول ہو اس کی بابت امام ابو حنیفہؒ عمل سے پہلے یہ شرط عائد یا لازم نافذ کرتے ہیں کہ اس کو متقی لوگوں کی ایک جماعت اس صحابی سے برابر نقل کرتی چلی آئے۔

امام شعرانی نے عمل بالحدیث کے لئے امام ابو حنیفہ کی جس شرط کا ذکر کیا ہے وہ خود امام ممدوح سے بصراحت منقول ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے امام یحیٰ بن معین کی سند سے امام صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"آخذ بكتاب الله فما لم أجد فبسنة رسول الله والآثار الصحاح عنه الّتي فشت فى أيدى الثقات عن الثقات فان لم أجد فبقول أصحابه آخذ بقول من شئت وأما اذا انتهى الأمر الى إبراهيم والشعبي والحسن وعطاء فاجتهد كما اجتهدوا"[59]۔

میں کتاب اللہ سے لیتا ہوں اگر اس میں نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ کی ان صحیح حدیثوں سے کہ جو ثقات کے ہاتھوں میں ثقات ہی کے ذریعہ شائع ہوئی ہیں پھر اگر یہاں بھی نہ مل سکے تو آپ کے اصحاب میں سے جس کا قول چاہتا ہوں اختیار کر لیتا ہوں لیکن جب معاملہ ابراہیم نخعی، شعبی، حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح تک آ جاتا ہے تو جس طرح ان حضرات نے اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

امام ابو حنیفہ کا یہ بیان خاص طور پر قابل غور ہے اس میں آپ نے اپنے طریق استنباط کی توضیح فرمائی ہے اور احادیث کے بارے میں صراحت کی ہے کہ آپ صرف ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں کہ جو صحیح ہیں اور ثقات کے ذریعہ جن کی اشاعت ہوئی ہے۔ امام سفیان ثوری نے بھی حدیث کے متعلق امام صاحب کا یہی طرز عمل بتلایا ہے کہ:

---

[59] ۔ مناقب ابی حنیفہ از ذہبی ص: ۲۰

"یأخذ بما صح عنده من الأحادیث التی کان یحمله الثقات وبالآخر من فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم".(۶۰)

جو حدیثیں ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہیں اور ثقات جن کو روایت کرتے ہیں نیز جو آنحضرت ﷺ کا آخری فعل ہوتا ہے یہ اسی کو لیتے ہیں۔

غرض کتاب الآثار قرآن پاک کے بعد کتب خانہ اسلام کی دوسری کتاب ہے جو ابواب پر مرتب و مدون ہوئی اور جس میں صرف ان ہی احادیث اور آثار و فتاوے نے جگہ پائی کہ جن کی روایت ثقات واتقیاء امت میں برابر چلی آتی تھی امام اعظم نے اس کتاب میں آنحضرت ﷺ کے آخری افعال اور ہدایات کو منبائے اول اور آثار و فتاوائے صحابہ وتابعین کو منبائے ثانی قرار دیا۔

کتاب الآثار کا موضوع صرف حدیث احکام یعنی سنن ہیں جن سے مسائل فقہ کا استنباط ہوتا ہے اس لئے وہ سیکڑوں مختلف ابواب جو صحیحین اور جامع ترمذی وغیرہ دیگر کتب احادیث میں مذکور ہیں، کتاب الآثار میں نہیں ملیں گے کیونکہ ان ابواب کا تعلق فقہیات سے نہیں ہے اس بنا پر محدثین کی اصطلاح میں کتاب الآثار، کتب سنن میں داخل ہے چنانچہ بعض محدثین نے اسی نام سے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

کتاب الآثار کے نمایاں امتیازات:

کتاب الآثار کا ایک نمایاں امتیاز یہ ہے کہ اس کی مرویات اس عہد کی دیگر تصانیف کی طرح اپنے ہی شہر اور اقلیم کی روایات میں محدود و منحصر نہیں بلکہ اس میں مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ غرض کہ حجاز و عراق دونوں جگہ کا علم تحریر و تدوین میں یکجا موجود ہے۔

حافظ ابن القیم، اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں۔

۶۰۔ الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء، حافظ ابن عبد البرص: ۱۴۲ طبع مصر۔

"والدین والفقه والعلم انتشر فی الأمة عن أصحاب ابن مسعود وأصحاب زید بن ثابت وأصحاب عبد اللّٰه بن عمر وأصحاب عبد اللّٰه بن عباس، فعلم الناس عامة عن أصحاب هؤلاء الأربعة، فأما أهل المدینة فعلمهم عن أصحاب زید بن ثابت وعبد اللّٰه بن عمر و أما أهل مکة فعلمهم عن أصحاب عبد اللّٰه بن عباس وأما أهل العراق فعلمهم عن اصحاب عبد اللّٰه بن مسعود" (۶۱)

دین، فقہ اور علم کی اشاعت امت میں اصحاب عبداللہ بن مسعودؓ، اصحاب زید بن ثابتؓ، اصحاب عبداللہ بن عمرؓ اور اصحاب عبداللہ بن عباسؓ سے ہوئی ہے، اور لوگوں کا عام علم ان ہی چار کے اصحاب سے لیا ہوا ہے۔ چنانچہ مدینہ والوں کا علم زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کے اصحاب سے اور مکہ والوں کا علم عبداللہ بن عباسؓ کے اصحاب سے اور عراق والوں کا علم عبداللہ بن مسعودؓ کے اصحاب سے لیا ہوا ہے۔

امام مالک نے مؤطا کی تالیف مدینہ منورہ میں کی ہے اور اس میں مدنی شیوخ کے علاوہ اور لوگوں سے برائے نام روایتیں ہیں، لیکن کتاب الآثار کے رواۃ میں کوفی یا عراقی کی تخصیص نہیں بلکہ حجاز، عراق اور شام جملہ بلاد اسلامیہ کے علماء سے اس میں روایتیں موجود ہیں ہم نے کتاب الآثار بروایت امام محمد سے جس میں دوسرے ائمہ کے نسخوں کی بہ نسبت کم روایتیں ہیں امام اعظم کے شیوخ کو جمع کیا تو ایک سو پانچ ہوئے پھر ان کے اوطان پر نظر ڈالی تو تیس کے قریب ایسے مشائخ حدیث نکلے جو کوفہ کے رہنے والے نہ تھے۔

۶۱ ـ اعلام الموقعین ج:۱، ص:۸، طبع اشرف المطابع دہلی۔

صحابہؓ میں جن بزرگوں سے مسائل فقہ و فتاویٰ منقول ہیں ان کی تعداد کچھ اوپر ایک سو تیس (۶۲) ہے ان میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں، فتوئے کے بارے میں بعض صحابہ مکثر تھے بعض متوسط اور بعض مقل جو سب سے زیادہ کثیر الفتوی تھے وہ یہ حضرات ہیں، عمر بن الخطاب، علی مرتضیٰ، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، ام المؤمنین عائشہ صدیقہ، زید بن ثابت اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین، ان سات میں بھی اول الذکر چار بزرگ زیادہ ممتاز گزرے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغۃ میں فرماتے ہیں۔

"وأكابر هذا الوجه عمر وعلي وابن مسعود وابن عباس". (۶۳)

مؤطا میں امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بہت کم روایات ہیں.

شاہ ولی اللہ صاحب مصفی شرح مؤطا کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

وامام مالک از حضرت مرتضیٰ وعبداللہ بن عباس کم روایت کردہ است وہارون رشید از سبب آں استفسار کرد فرمود لم يكونا ببلدي ولم ألق رجالهما یعنی نہ بودند در شہر من وملاقات نہ کردم با یاران ایشاں۔ (۶۴)

امام مالک نے حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے کم روایتیں کی ہیں، ہارون رشید نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمانے لگے کہ لم يكونا ببلدي ولم ألق رجالهما یعنی یہ دونوں بزرگ میرے شہر کے نہ تھے اور میری ان کے اصحاب سے ملاقات نہ ہو سکی۔

۶۲۔ حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ کے خاتمہ میں اور حافظ ابن القیم نے اعلام الموقعین کے مقدمہ میں ان سب کو نام بنام ذکر کیا ہے۔

۶۳۔ حجۃ اللہ البالغہ ج:۱ ص: ۱۳۲ طبع منیریہ مصر ۱۳۵۲ھ

۶۴۔ مصفی ج:۱، ص: ۱۳ طبع دہلی ۱۳۴۶ھ

خاکسار کہتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایتیں موطا میں ان دونوں حضرات کی روایات سے بھی کم ہیں۔ برخلاف اس کے کتاب الآثار میں جس مقدار میں حضرت علی مرتضی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایتیں ہیں اسی کے قریب قریب حضرت عمرؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایات بھی ہیں۔

امت مرحومہ کا سواد اعظم جس کی تعداد کا اندازہ نصف یا دو ثلث اہل اسلام کیا گیا ہے بارہ سو سال سے فقہ میں جس مذہب کا پیرو ہے وہ مذہب حنفی ہے اس مذہب کے مسائل فقہ کا مبنیٰ اسی کتاب الآثار کی احادیث و روایات ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں کتاب الآثار کو حنفیوں کی امہات کتب میں شمار کیا ہے[۶۵] اور تصریح کی ہے کہ:

مسند أبی حنیفہ وآثار محمد بنائے فقہ حنفیہ است۔[۶۶]

فقہ حنفی کی بنیاد مسند أبی حنیفہ اور آثار إمام محمد پر ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہندوستان میں علم حدیث کا چرچا دوسرے ممالک کی بہ نسبت کم رہا ہے اس لئے یہاں کے بعض مصنفین کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ حدیث میں امام ابو حنیفہ کی کوئی کتاب موجود نہیں ہے چنانچہ ملاجیون التوفی ۱۱۳۰ھ نور الأنوار میں لکھتے ہیں:

"لم یجمع أبو حنیفة کتاباً في الحدیث"[۶۷]

ابو حنیفہ نے حدیث میں کوئی کتاب مدون نہیں فرمائی۔

---

[۶۵] ۔ ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص: ۱۸۵ طبع مجتبائی ۱۳۱۹ھ

[۶۶] ۔ ایضاً ص: ۱۷۱۔

[۶۷] ۔ نور الانوار طبع علوی لکھنو ص: ۱۶۰۔

اور شاہ ولی اللہ صاحب مصفی شرح مؤطا کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں۔

وازائمہ فقہ امروز ہیچ کتابے کہ خود ایشاں تصنیف کردہ باشند بدست مردمان نیست الّا مؤطا۔

اور آج ائمہ فقہ کی کوئی کتاب کہ جس کو خود انہوں نے تصنیف کیا ہو سوائے مؤطا کے لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب بھی بستان المحدثین میں اپنے والد ماجد کی پیروی میں یہی لکھتے ہیں کہ:

باید دانست کہ از تصانیف ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ بعد در علم حدیث غیر از مؤطا موجود نیست (۶۸)

ترجمہ: جاننا چاہئے کہ ائمہ اربعہ کی تصانیف میں سے علم حدیث میں بجز مؤطا کے اور کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔

مولانا شبلی نعمانی نے بھی اس بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب ہی کے فیصلے کو کافی سمجھا ہے وہ فرماتے ہیں:

"بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے"۔ (۶۹)

اور ان کے جانشین مولانا سید سلیمان ندوی بھی یہی لکھ رہے ہیں کہ:

"امام مالک کے سوا کسی امام مجتہد کے قلم سے علم حدیث کی کوئی تصنیف ظاہر نہیں ہوئی"۔ (۷۰)

۶۸۔ بستان المحدثین ص: ۲۷ و ۲۸ طبع محمدی لاہور۔

۶۹۔ سیرۃ النعمان ص: ۱۱۹ طبع مفید عام آگرہ ۱۸۸۲ء۔

۷۰۔ حیات امام مالک، ص: ۹۰ طبع معارف اعظم گڑھ، ۱۳۴۰ھ۔

ملا جیون محدث نہ تھے اس لئے ان کا انکار محل تعجب نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب کتاب الآثار سے بخوبی واقف ہیں انہوں نے شیخ تاج الدین قلعی حنفی مفتی مکہ مکرمہ سے اس کے اطراف کا سماع بھی کیا ہے چنانچہ انسان العین فی مشائخ الحرمین میں ان کے تذکرہ میں فرماتے ہیں:

"واطراف ... کتاب الآثار، امام محمد و مؤطا ازوے سماع نمود" (۷۱)۔

شاہ صاحب ممدوح کو یہ بھی معلوم ہے کہ امام محمد اس کتاب کو امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں چنانچہ مصفی میں خود ان کے الفاظ ہیں:

"آثاریکہ از امام ابو حنیفہ روایت کردہ است" (۷۲)۔

مگر شاید وہ اس کو امام ابو حنیفہ کی بجائے امام محمد کی تصنیف سمجھتے ہیں۔ محدث ملا علی قاریؒ نے خود مؤطا امام محمد کے متعلق بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ امام محمد نے ان دونوں کتابوں کو ان کے مصنفین سے جس انداز پر روایت کیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے اس قسم کی غلط فہمی کا پیدا ہو جانا کچھ زیادہ محل تعجب نہیں۔ امام موصوف کا ان دونوں کتابوں میں طرز عمل یہ ہے کہ وہ ہر باب میں اولاً اس کتاب کی روایتیں نقل کرتے ہیں پھر بالالتزام ان روایات کے متعلق اپنا اور اپنے استاد امام ابو حنیفہ کا مذہب بیان کرتے ہیں اور اگر اصل کتاب کی کسی روایت پر ان کا عمل نہیں ہوتا تو اس کو نقل کرنے کے بعد اس پر عمل نہ کرنے کے وجوہ و دلائل بالتفصیل لکھتے ہیں، اور اسی ذیل میں کتاب الآثار اور مؤطا دونوں کتابوں میں بہت سی حدیثیں اور آثار، امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے علاوہ دیگر شیوخ سے بھی منقول ہیں اس بنا پر بادی النظر میں یہ

۷۱۔ انسان العین، ص: ۱۶، طبع احمدی دہلی۔

۷۲۔ مصفی، ص: ۸۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں خود امام محمد ہی کی تصنیف کردہ ہیں، [۷۳] حالانکہ واقع میں ایسا نہیں بلکہ کتاب الآثار، امام ابو حنیفہ کی اور موطا امام مالک کی تصنیف ہے۔ اور امام محمد ان دونوں حضرات سے ان کے راوی ہیں لیکن چونکہ امام ممدوح نے ان کتابوں کی روایت میں امور مذکورۂ بالا کا اہتمام رکھا ہے اس بناء پر ان کی افادیت بہت زیادہ بڑھ گئی اور ان کا تداول اس درجہ عام ہوگیا کہ بجائے اصل مصنف کے خود ان کی طرف کتاب کا انتساب ہونے لگا اور کتاب الآثار امام محمد، اور موطا امام محمد کہا جانے لگا اس لئے ان حضرات کو بھی یہ غلط فہمی ہوگئی جس کی اصل وجہ ان دونوں کتابوں کے بقیہ نسخوں پر عدم اطلاع ہے۔

کتاب الآثار کے نسخے

موطا اور دیگر کتب حدیث کی طرح اس کتاب کے بھی متعدد نسخے ہیں جس کے راوی حسب ذیل حضرات ہیں۔

(۱) سابق بن عبداللہ

ان کو مختلف کنیتوں اور نسبتوں سے یاد کیا جاتا ہے، چنانچہ حافظ ابن عساکر فرماتے ہیں۔

"سابق بن عبد الله أبو المجاهر الرقي ويقال أبو أمية المعروف بالبربری الشاعر يكنی أبا عبد الله وأبا سعيد ايضا امام مسجد الرقة وقاضی اهلها أحد الزهاد المشهورين". [۷۴]

---

[۷۳] ۔ مولانا شبلی نعمانی کتاب الآثار کے متعلق اور ملا علی قاری نے موطا کے متعلق اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کو پڑھ کر آپ کو اس غلط فہمی کی وجہ خود معلوم ہوجائے گی، مولانا شبلی لکھتے ہیں: خوارزمی نے آثار امام محمد کو بھی امام کی مسانید میں داخل کیا ہے۔

[۷۴] ۔ تاریخ دمشق ج: ۲ ص: ۶۔

سابق بن عبداللہ ابو مجاہر رقی اور آپ کو ابو امیہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے اور بربری نسبت سے مشہور شاعر ہیں اور ان کو ابو عبداللہ اور ابو سعید کی کنیت سے بھی یاد کیا جاتا ہے رقہ کی مسجد کے امام اور وہاں کے قاضی تھے مشہور و معروف زاہدوں میں سے ہیں۔

نیز حافظ ابن عساکر فرماتے ہیں کہ سابق ابن عبداللہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے، اور امام اوزاعی کے شیخ بھی ہیں اختلاف نسبت کی بناء پر بعض حضرات نے ان کو دو علیحدہ علیحدہ شخص سمجھا ہے، لیکن حافظ ابن عساکر کی رائے میں یہ ایک ہی شخص کی دو نسبتیں ہیں یہ بربری ہیں اور کتاب الآثار کے سب سے قدیم راویوں میں ہیں، چنانچہ حافظ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ تاریخ دمشق میں لکھتے ہیں۔

"وحدّث عنه محمد بن يزيد بن سنان الرهاوى نسخة عن أبى حنيفة". (۷۵)

اور بربری سے محمد بن یزید ابن سنان امام ابو حنیفہؒ کی روایت احادیث کا ایک نسخہ روایت کرتے ہیں۔

اور اسی کتاب کے بارے میں ابن عدی نے کتاب الکامل میں لکھا ہے۔

"الرقى أحاديثه مستقيمة عن مطرف وأبى حنيفة".

اور رقی کی وہ روایات جو وہ امام ابو حنیفہ اور مطرف سے نقل کرتے ہیں سب درست ہیں۔

سابق کے علاوہ امام صاحب کے مشہور شاگردوں میں جن حضرات نے حضرت امام اعظم سے ان کی تالیف کتاب الآثار کو روایت کیا ہے ان کی تفصیل نمبروار حسب ذیل ہے۔

۷۵۔ ۱۶۴ طبع دار الکتب المصریہ ۱۳۴۷ھ

(۲) امام زفر بن الہذیل

امام ابو حنیفہؒ سے کتاب کے روایت کرنے والوں میں امام زفر بن الہذیل بھی ہیں۔
ان کی وفات امام مالکؒ سے اکیس ۲۱ سال پہلے ۱۵۸ھ میں واقع ہوئی۔
امام زفر کے نسخے کا ذکر حافظ امیر بن ماکولا المتوفی ۵۷۴ھ نے الاکمال کے باب الجصینی والحصینی میں کیا ہے، چنانچہ احمد بن بکر کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

أحمد بن بكر بن سيف ابو بكر الجصيني ثقة يميل ميل أهل النظرروى عن أبي وهب عن زفر بن الهذيل عن أبي حنيفة كتاب الآثار.

احمد بن بکر بن سیف جصینی ثقہ ہیں اہل نظر یعنی فقہاء حنفیہؒ کی طرف میلان رکھتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ سے کتاب الآثار کو بواسطہ امام زفر بن الہذیل ان کے شاگرد ابو وہب سے روایت کرتے ہیں۔

اور حافظ عبد القادر قرشی نے بھی الجواهر المضية في طبقات الحنفية میں احمد بن بکر مذکور کے ترجمہ میں یہی تحریر کیا ہے۔

امام زفر سے كتاب الآثار کی روایت ان کے تین شاگردوں نے کی ہے، جنہوں نے اس کا امام ممدوح سے علیحدہ علیحدہ سماع کیا تھا۔
(۱) ایک یہی ابو وہب محمد بن مزاحم مروزی۔
(۲) دوسرے شداد بن حکیم بلخی جن کے نسخہ سے جامع مسانید الامام الاعظم خوارزمی میں مسند ابن خسرو وغیرہ کے حوالہ سے بکثرت روایتیں منقول ہیں۔
(۳) تیسرے حکم بن ایوب، پہلے دو نسخوں کا ذکر حاکم نیشاپوری نے بھی اپنی مشہور کتاب (معرفة علوم الحديث) میں بایں الفاظ کیا ہے۔

نسخة لزفر بن الهذيل الجعفي تفرد بها عنه شداد بن حكيم البلخي. (۷۶)

زفر بن الہذیل جعفی کا ایک نسخہ ہے جس کو ان سے صرف شداد بن حکیم بلخی روایت کرتے ہیں۔

اور حافظ ابو یعلی خلیلی قزوینی نے اپنی کتاب الارشاد فی معرفة علماء الحدیث جلد ۳، ص ۹۳۱ پر علماء بلخ کے ذکر میں شداد بن حکیم کے تذکرہ میں تصریح کی ہے۔

"روى نسخة من زفر بن الهذيل وهو صدوق غير مخرج في الصحيحين"۔

کہ انہوں نے حدیثوں کا ایک نسخہ امام زفر بن الہذیل سے روایت کیا ہے، اور وہ سچے ہیں اور صحیحین میں ان سے کسی روایت کی تخریج نہیں کی گئی۔

"ونسخة أيضًا لزفر بن الهذيل الجعفي تفرد بها عنه أبو وهب محمد ابن مزاحم المروزي"۔

اور زفر ہی کا ایک اور نسخہ ہے جس کو ان سے صرف ابو وہب محمد بن مزاحم مروزی روایت کرتے ہیں۔

کتاب مذکور میں مطبوعہ نسخوں میں جعفی نسبت چھپ گیا ہے جو غلط ہے صحیح عنبری ہے، محمد بن مزاحم کا نسخہ وہی کتاب الآثار ہے جس کا ذکر ابن ماکولا نے جصینی اور حصینی نسبت میں کیا تھا، اور جس سے ابو عبداللہ الحسین بن محمد بن خسرو بلخی نے اپنی مسند میں بکثرت روایتیں کی ہے۔

(۳) امام حماد بن ابی حنیفہ

اسی طرح کتاب الآثار کے راویوں میں امام حماد بن ابی حنیفہ بھی ہیں ان کے روایت کردہ نسخہ کو جامع المسانید میں علامہ خوارزمی نے مسند ابی حنیفہ کے نام سے ذکر

۷۶۔ ص: ۱۶۴ طبع دار الکتب المصریہ ۱۳۳۷ھ

ہے امام حماد کی وفات بھی امام مالک سے ۹ سال پہلے سن ۱۷۰ھ میں واقع ہوئی اور حماد کی کتاب الآثار کا نسخہ حافظ ابن کثیر کے زیر نظر رہا ہے اور انہوں نے اپنی مشہور تفسیر میں زیر آیت:

فأتوا حرثکم أنّٰی شئتم (الآیة)

میں اس نسخہ سے حدیث ذیل نقل کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

"قلت: قد روی من طریق حماد بن أبی حنیفة عن أبیه عن خیثم عن یوسف بن ماهك عن حفصة أم المؤمنین أن إمرأة أتتها فقالت إنّ زوجی یأتینی مجبیة مستقبلة، فکرهته فبلغ ذلك رسول الله ﷺ فقال لابأس إذا کان فی صمام واحد".(۷۷)

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک عورت نے آکر عرض کیا کہ میرا شوہر کبھی اوندھے منہ لٹا کر اور کبھی چت لٹا کر وطی کرتا ہے میں اس کو ناپسند کرتی ہوں پھر جب اس کی اطلاع حضور ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا جب سوراخ ایک ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام حماد کی یہ روایت امام محمد نے بھی اپنے نسخہ میں روایت کی ہے۔

(۴) امام ابو یوسف

ان کے نسخہ کا ذکر حافظ عبد القادر قرشی نے الجواهر المضیة میں کیا ہے، چنانچہ امام یوسف بن ابی یوسف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

"روی کتاب الآثار، عن أبیه عن أبی حنیفة وهو مجلد ضخم"۔

یہ اپنے والد کی سند سے امام ابو حنیفہ سے کتاب الآثار روایت کرتے ہیں جو ایک ضخیم جلد میں ہے۔

۷۷۔ تفسیر ابن کثیر ج: ۱ ص: ۲۶۱۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا ابو الوفاء قندہاری، صدر مجلس إحياء المعارف النعمانية حیدرآباد دکن کو کہ انہوں نے بڑی تلاش اور محنت سے اس نسخہ کو فراہم کرکے تصحیح و تحشیہ کے اہتمام کے ساتھ نہایت عمدہ کاغذ پر سن ۱۳۵۵ھ میں اسے مصر سے طبع کرا کر شائع کیا۔

امام ابو یوسفؒ سے بھی کتاب الآثار کے اس نسخہ کو دو شخص روایت کرتے ہیں ایک ان کے صاحبزادے امام یوسف مذکور، اور دوسرے عمرو بن ابی عمرو، محدث خوارزمی نے عمرو کی روایت کو جامع مسانید میں نسخہ ابی یوسف سے موسوم کیا ہے، خوارزمی نے جامع مسانید کے باب ثانی میں اس نسخہ کی اسناد بھی امام ابو یوسف تک نقل کردی ہیں۔

(۵) امام محمد بن حسن شیبانی

ان کا نسخہ کتاب الآثار کے سب نسخوں میں زیادہ متداول اور زیادہ مقبول ہے اسی کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی (تعجيل المنفعة بزوائد رجال الأربعة) کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

"والموجود من حديث أبي حنيفة مفرداً إنما هو كتاب الآثار التي رواه محمد بن الحسن عنه"۔

امام ابو حنیفہؒ کی حدیث میں مستقل طور پر جو کتاب موجود ہے وہ کتاب الآثار ہے جس کو امام محمد بن الحسنؒ نے ان سے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ قاسم بن قطلوبغا نے اس کے رجال پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں، حافظ ابن حجر کی کتاب کا نام الایثار بمعرفة رواة الآثار ہے یہ کتاب اب بارہا طبع ہو چکی ہے علامہ مرادی نے (سلك الدرر في أعيان القرن الثاني عشر) میں شیخ ابو الفضل نور الدین علی بن مراد موصلی عمری شافعی المتوفی ۱۱۴۷ھ کے ترجمہ میں ان کی شرح کتاب الآثار محمد کا ذکر کیا ہے، خود ہم نے بھی اس کے رجال پر مستقل کتاب لکھی ہے اور اس نسخہ کی احادیث کو مسانید صحابہ پر مرتب کیا ہے۔

امام محمد سے بھی اس نسخہ کو ان کے کئی شاگردوں نے روایت کیا ہے، مطبوعہ نسخہ امام ابو حفص کبیر اور امام ابو سلیمان جوزجانی کا روایت کردہ ہے، ان دو حضرات کے علاوہ امام ممدوح کے ایک اور شاگرد عمرو بن ابی عمرو بھی ان سے اس کتاب کو روایت کرتے ہیں، اور خوارزمی نے جامع مسانید میں اس کو نسخہ، امام محمد سے موسوم کیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نسخہ میں عمرو نے صرف حدیثیں ہی روایت کی ہیں اور فتاوی تابعین کو نقل نہیں کیا ہے، اور غالباً اسی لئے اس کو مسند ابی حنیفہ کہا جاتا ہے۔

اور عمرو کے اسی نسخہ سے حافظ ابن سنی نے (۷۸) اپنی کتاب عمل اليوم والليلة کے باب ما يقول لمرضى أهل الكتاب میں روایت ذیل نقل کی ہے:

"أخبرني أبو عروبة ثنا جدي عمرو بن أبي عمرو ثنا محمد بن الحسن عن أبي حنيفة ثنا علقمة بن مرثد عن ابن بريدة عن أبيه قال: كنّا جلوساً عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال اذهبوا بنا نعودُ جارنا اليهودي، قال: فأتيناه فقال: كيف أنت يا فلان، فسأله ثم قال: يا فلان اشهد أن لا إله إلاّ الله وأنّي رسول الله، فنظر الرجل إلى أبيه وهو عند رأسه فلم يكلّمه فسكت فقال يا فلان اشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله فقال له أبوه: اشهد له يا بنيّ، فقال أشهد أن لا إله الا الله وأنك رسول الله فقال. الحمد الله الذي أعتق رقبته من النار". (۷۹)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمیں ہمارے اس یہودی پڑوسی کے پاس لے چلو تاکہ ہم اس کی عیادت کریں، پھر جب اس کے پاس گئے

---

(۷۸) جو امام نسائی سے ان کی سنن صغریٰ کے بھی راوی ہیں۔

(۷۹) عمل الیوم واللیلۃ: باب مایقول لمرضی اہل الکتاب ص: ۵۰۴، ۵۰۵۔

تو حضور علیہ السلام نے اس کی مزاج پرسی کی اور آپ نے اس سے فرمایا، میاں تم کیسے ہو، اسکے بعد پھر ارشاد فرمایا کہ تم اس بات کی شہادت دو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، اور اس امر کی بھی شہادت دو کہ میں اللہ کا رسول ہوں، یہ سن کر اس لڑکے نے اپنے باپ کی طرف نظر اٹھائی جو اس کے سرہانے کھڑا تھا لیکن باپ نے اس سے کچھ نہیں کہا، تو وہ لڑکا خاموش رہا، آپ ﷺ نے دوبارہ اسی بات کی شہادت کیلئے کہا، اس نے پھر باپ کی طرف دیکھا، اور باپ نے پھر اس کو کوئی جواب نہ دیا تو وہ لڑکا پھر خاموش ہو گیا اور آپ ﷺ نے پھر کلمہ شہادت کی تلقین فرمائی، تو اس مرتبہ اس کے باپ نے اس سے کہا بیٹے آپ کے سامنے شہادت دو، تو لڑکے نے کہنا شروع کیا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور آپ ﷺ اس کے رسول ہیں یہ سن کر پھر آپ ﷺ نے فرمایا اس خدا کے لئے حمد ہے جس نے اس کی جان کو دوزخ سے نجات بخشی۔

بلکہ امام بخاری نے بھی باب يمين الرجل لصاحبه أنه أخوه اذا خاف عليه القتل او نحوه میں امام نخعیؒ کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے:

"إذا كان المستحلف ظالمًا فنية الحالف وإن كان مظلومًا فنية المستحلف".

جب قسم دینے والا ظالم ہو تو قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے، اور اگر قسم دینے والا مظلوم ہے تو قسم دینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا۔

اس کی تخریج میں بخاری کے دونوں مشہور شارح، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور شیخ الاسلام عینیؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

"هذا وصله محمد بن الحسن في كتاب الآثار، عن أبي حنيفة عنه."

اس فتویٰ کو امام محمد بن الحسن نے کتاب الآثار میں امام ابو حنیفہؒ سے نقل کیا ہے اور امام نسائی نے اپنی کتاب السنن الکبریٰ میں امام اعظم سے روایت ذیل نقل کی ہے

"قال أخبرنی علی بن حجر قال أنا عیسیٰ بن یونس عن النعمان یعنی ابن ثابت أبی حنیفة عن عاصم وھو ابن عمر عن أبی رزین عن عبد اللّٰه بن عباس رضی اللّٰه عنه قال لیس علی من أتی بھیمة حدٌّ". قال أبو عبد الرحمن ھذا غیر صحیح وعاصم بن عمر ضعیفٌ فی الحدیث". (۸۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص چارپائے سے بدفعلی کرے اس پر حد نہیں (بلکہ اس کو تعزیر دی جائے گی) امام نسائی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اور عاصم بن عمر حدیث میں ضعیف ہے۔

اس روایت میں چند امور غور طلب ہیں:

اول یہ کہ امام نسائی نے اس روایت کو غیر صحیح کہا ہے، اور عدم صحت کا سبب عاصم بن عمر کو قرار دیا ہے، اگر امام ابو حنیفہؒ امام نسائی کے نزدیک ضعیف ہوتے تو پہلے امام ابو حنیفہ کے ضعف کو بیان کرنا چاہئے تھا، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ ضعف کی علت عاصم بن عمر کو بتایا، اس سے معلوم ہوا کہ امام نسائی سے جو امام ابو حنیفہؒ کی تضعیف مروی ہے اس سے امام نسائی نے رجوع کر لیا تھا۔

دوم امام نسائی نے امام صاحب کا شیخ عاصم بن عمر کو قرار دیا ہے کتب حدیث اور رجال سے مراجعت کرنے کے بعد صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے شیخ عاصم بن ابی النجود ہیں عاصم بن عمر نہیں، چنانچہ امام محمد نے کتاب الآثار میں عاصم بن ابی النجود کو امام صاحب کا شیخ قرار دیا ہے۔ اور خطابی نے معالم السنن میں عاصم بن ابی النجود ہی

---

۸۰ ج: ص: ۳۲۲-۳۲۳

کی تعیین کی ہے [81] اور بیہقی نے اس سلسلہ میں جو روایت ابو الاحوص اور ابو عوانہ سے نقل کی ہے اس میں عاصم بن بہدلہ مذکور ہے، اور بہدلہ عاصم بن ابی النجود کے باپ یا والدہ کا نام ہے نیز کتب رجال میں ابو رزین کے شاگردوں میں عاصم ابی النجود ہی کا ذکر ہے، نسائی نے راوی عاصم بن عمر خیال کرتے ہوئے حدیث کی تضعیف کی ہے مگر ترمذی اور أبو داؤد دونوں نے عاصم ہی کی روایت کو عمرو بن ابی عمرو کی روایت کے مقابلے میں جو عاصم کی روایت کے معارض ہے اصح کہا ہے، ظاہر ہے کہ اگر اس کے راوی عاصم بن عمر ہوتے تو یہ دونوں حضرات عاصم کی روایت کو اصح نہ کہتے۔

(۶) امام حسن بن زیاد لولوی

آپ کے نسخہ کتاب الآثار کا ذکر دار قطنی نے اپنی کتاب **المختلف والمؤلف** [82] میں ان الفاظ سے کیا ہے۔ **محمد بن ابراهيم بن حبيش البغوى حدث عن محمد بن شجاع الثلجى عن الحسن ابن زياد عن أبي حنيفة بكتاب الآثار** [83] امام

---

[81] ۔کتاب مذکور۔ج: ۲، ص: ۶۸۹۔

[82] ۔ص: ۲۷۴۔۲۷۶۔

[83] ۔حافظ ابن حجر نے لسان المیزان، ج: ۱ص: ۱۳۲میں محمد بن ابراہیم جبیش کے تذکرہ میں یہ لکھا ہے۔ محمد بن ابراهيم بن الحسن البغوى روى عن محمد بن نجيح البلخى عن الحسن بن زياد اللؤلوى عن محمد بن الحسن عن أبي حنيفة اس عبارت میں محمد بن ابراہیم بن جبیش البغوی کے بجائے محمد بن ابراہیم بن الحسن البغوی ہے اور محمد بن شجاع ثلجی کے بجائے محمد بن نجیح بلخی ہے، اور امام ابو حنیفہ اور حسن بن زیاد کے درمیان، عن محمد بن الحسن کا اضافہ ہے نیز یہ کہ لسان المیزان میں محمد بن ابراہیم بن حسن بغوی کا دو جگہ ترجمہ ذکر کیا گیا ہے۔ایک اسی جگہ ص: ۳۱اور دوسرا ص: ۲۵میں، وہاں محمد بن ابراہیم بن جبیش بغوی صحیح لکھا گیا ہے۔اور محمد بن شجاع ثلجی کے بجائے محمد بن شجاع بلخی لکھا ہے، اور محمد بن ابراہیم بن جبیش کی تاریخ وفات ابن قانع سے ۳۰۸ھ نقل کی ہے مگر یہاں ص: ۲۵میں کتاب الآثار کا ذکر نہیں ہے معلوم ہوتا ہے حافظ صاحب پر [illegible] کا تذکرہ

حاکم نے بھی اپنی کتاب المستدرك علی الصحیحین میں امام حسن بن زیاد کے اس نسخہ سے حدیث ذیل نقل کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

أخبرنی أبو عبد الله محمد بن أحمد بن موسیٰ القاضی ابن القاضی حدثنی أبی ثنا، محمد بن شجاع ثنا الحسن بن زیاد عن أبی حنیفة عن یزید بن خالد عن انس قال كأنی أنظر إلی لحیة أبی قحافة، كأنه ضرام عرفج من شدة حمرته فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لأبی بكر لو أقررت الشیخ فی بیته لأتیناه تكرمة لأبی بكر. (۸۴)

حضرت انس سے روایت ہے فرماتے ہیں گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ حضرت ابو قحافہ کی ڈاڑھی عرفج (ایک قسم کا درخت یا گھانس ہے) کی بڑھکتی ہوئی تیلیاں ہیں سرخی کی زیادتی کی وجہ سے، حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر سے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ اپنے والد کو گھر ہی میں رہنے دیتے تو آپ کے اکرام کے سبب ہم خود ان کے پاس جاتے۔

کتاب الآثار کے تمام نسخوں میں یہ نسخہ سب سے بڑا معلوم ہوتا ہے کیونکہ امام حسن بن زیادؒ نے امام ابو حنیفہؒ کی احادیث مرویہ کی تعداد چار ہزار بیان کی ہے، چنانچہ امام حافظ ابو یحیٰ زکریا بن یحیٰ نیشاپوری اپنی اسناد کے ساتھ امام لوکوی سے ناقل ہیں کہ:

كان أبو حنیفة یروی أربعة ألاف حدیث ألفین لحماد وألفین لسائر المشیخة. (۸۵)

مشتبہ ہو گیا اور ایک ہی شخص کو دو جگہ ذکر کیا، اصل عبارت وہی ہے جو دارقطنی کی کتاب المؤتلف والمختلف میں مذکور ہے جو تصحیح کے اہتمام کے ساتھ بیروت سے شائع ہوئی ہے۔

[۸۴] ج: ۳، ص: ۲۴۵

[۸۵] مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ ج: ۱ص: ۹۶۔

امام ابو حنیفہ چار ہزار احادیث روایت فرماتے تھے دو ہزار حماد سے اور دو ہزار باقی مشائخ سے۔

اس بناء پر قرین قیاس یہی ہے کہ امام لوکوی نے امام اعظمؒ سے یہ سب حدیثیں سنی ہوں گی اور ان کو اپنے نسخہ میں روایت کیا ہوگا، محدث علی بن عبد المحسن دوالیبی حنبلی نے اپنے ثبت میں اس نسخہ سے ساٹھ حدیثیں نقل کی ہیں جن کو محدث کوثری نے الإمتاع بسيرة الإمامين الحسن بن زياد وصاحبه محمد بن شجاع میں نقل کر دیا ہے۔

محدث خوارزمی نے جامع مسانید میں اس نسخہ کو مسند أبي حنيفة للحسن بن زياد سے موسوم کیا ہے اور کتاب مذکور کے باب ثانی میں اس نسخہ کی اسناد بھی امام لوکوی تک نقل کر دی ہے، خوارزمی کی طرح دیگر محدثین بھی اس کو مسند ابی حنیفہ ہی کے نام سے روایت کرتے ہیں، خود حافظ ابن حجر عسقلانی کی مرویات میں بھی یہ نسخہ موجود تھا، اس نسخہ کی اسانید و اجازات کو محدث علی بن عبد المحسن الدوالیبی حنبلي نے اپنے ثبت میں اور حافظ ابن طولون نے الفهرست ألاوسط میں اور حافظ محمد بن یوسف دمشقی مصنف سيرة شامیه نے عقود الجمان میں اور محدث ایوب خلوتی نے اپنے ثبت میں اور خاتمۃ الحفاظ ملا محمد عابد سندی نے حصر الشارد في أسانيد الشيخ محمد عابد میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور علامہ محدث محمد زاہد کوثری نے ان سب کو الإمتاع میں جمع کر دیا ہے۔ جو ۱۳۶۸ھ میں مصر سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے حافظ ابن القیم کی أعلام الموقعين کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نسخہ ان کے بھی پیش نظر تھا، چنانچہ انہوں نے اس نسخہ سے حسب ذیل حدیث نقل کی ہے۔

قال الحسن بن زياد اللؤلؤی ثنا أبو حنيفة قال كنا عند محارب بن دثارو كان متكئاً فاستوى جالساً ثم قال سمعت ابن عمر يقول

سمعت رسول الله ﷺ یقول لیأتینّ علی الناس یوم تشیب فیه الولدان وتضع الحوامل مافي بطونها، الحدیث۔[۸۶]

امام ابو حنیفہؒ کا بیان ہے، کہ ہم محارب بن دثار کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، محارب تکیہ لگائے ہوئے تھے تو سنبھل کر بیٹھ گئے، اور کہنے لگے میں نے حضرت ابن عمرؓ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، لوگوں پر ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ جس میں (مارے دہشت کے) بچے بوڑھے ہو جائینگے، اور حاملہ عورتیں اپنا حمل گرادیں گی۔

ان حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے ائمہ نے امام اعظم سے کتاب الآثار کو روایت کیا ہے۔[۸۷] جن میں سے محدث محمد بن خالد وہبی کے نسخوں سے جامع مسانید میں بھی حدیثیں منقول ہیں۔ خوارزمی نے ان دونوں نسخوں کا ذکر مسند أبی حنیفة کے نام سے کیا ہے اور کتاب مذکور کے باب ثانی میں اپنی اسناد بھی ان دونوں حضرات تک نقل کردی ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ خوارزمی نے چونکہ ان نسخوں کو مسند کہا ہے اس لئے بعد کے اکثر مصنفین بھی ان کو مسند ہی کے نام سے ذکر کرنے لگے۔ متقدمین میں دستور تھا کہ وہ ایک کتاب کو متعدد ناموں سے موسوم کرتے تھے مثلاً دارمی کی تصنیف کو مسند دارمی بھی کہتے ہیں اور سنن دارمی بھی، یا ترمذی کی کتاب سنن بھی کہلاتی ہے اور جامع بھی، اسی طرح کتاب الآثار کے ان نسخوں کو کبھی علماء نے مسند کے نام سے ذکر کیا ہے اور کبھی سنن کے نام سے اور کبھی کتاب الآثار کے نام سے اور کبھی صرف

---

[۸۶] ـ اعلام الموقعین ج:۱ص: ۴۳ طبع اشرف المطابع دہلی ۱۳۱۳ھ

[۸۷] ـ مشہور قاری اور سبعہ قراءات میں سے ایک قراءت کے راوی امام حمزہ بن حبیب الزیات ۱۵۸ھ اور محدث محمد بن مسروق کندی ۱۸۴ھ نے بھی کتاب الآثار کے نسخے مرتب کیے ہیں ان نسخوں کی احادیث مسانید امام ابو حنیفہ میں بکثرت موجود ہیں۔ (ابن نعمانی)

نسخہ ہی لکھدیا ہے لیکن اس مجموعہ کا اصل نام کتاب الآثار ہی ہے چنانچہ ملک العلماء امام علاء الدین کاشانی نے بھی بدائع الصنائع میں اس کتاب کا ذکر آثار أبی حنیفہ ہی کے نام سے کیا ہے۔ [88]

مؤطا امام مالک:

کتاب الآثار کے بعد حدیث کا دوسرا صحیح مجموعہ [89] جو اس وقت امت کے ہاتھوں میں موجود ہے وہ امام دار الہجرۃ مالک بن انس کی مشہور تصنیف مؤطا ہے۔ جو اہل مدینہ کی روایات و فتاوے کا بہترین انتخاب ہے سابق میں گزر چکا ہے کہ امام مالک نے اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں امام ابو حنیفہ کا تتبع کیا ہے چنانچہ کتاب الآثار کی طرح

۸۸۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج: ۱ ص: ۳۸ طبع مصر۔

۸۹۔ اور حیات امام مالک میں جو یہ مرقوم ہے کہ "مؤطا کو سب سے بڑا شرف یہ حاصل ہے کہ یہ اسلام کی پہلی کتاب ہے کشف الظنون میں ہے کہ اول کتاب وضع فی الاسلام موطا مالک بن انس (سب سے پہلی کتاب جو اسلام میں لکھی گئی وہ موطا ہے) قاضی ابو بکر بن عربی المتوفی ۵۴۳ھ مؤطا کی شرح میں لکھتے ہیں هذا اول کتاب الف فی شرائع الإسلام (یہ پہلی کتاب ہے جو شریعت اسلامیہ میں لکھی گئی ہے) حضرت سفیان کہتے ہیں أول من صنف الصحیح مالک والفضل للمتقدم (سب سے پہلے مالک نے صحیح تصنیف کی) ص: ۹۳ طبع معارف، اعظم گڑھ ۱۳۴۰ھ۔ سو تاریخی طور پر صحیح نہیں، کشف الظنون کی مذکورہ عبارت باوجود تلاش کے ہمیں نہ مل سکی، حضرت سفیان سے جو نقل کیا گیا ہے وہ بلا حوالہ ہے یہ الفاظ سفیان کے نہیں مغلطائی کے ہیں۔ قاضی ابو بکر بن العربی کی تصریح البتہ کشف الظنون میں موجود ہے اور غالباً وہیں سے اس کو نقل کیا گیا ہے لیکن قاضی صاحب نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی معلومات کے اعتبار سے لکھا ہے کیونکہ ان کو کتاب الآثار کا علم نہ تھا اور یہ کچھ محل تعجب نہیں بہت سی مشہور کتابیں ہیں جن کے متعلق بعض اکابر اہل علم کو سرے سے اطلاع نہ ہو سکی۔ حافظ ابو سعید علائی کا خیال ہے کہ حافظ ابو علی نیشاپوری جو علل حدیث کے مشہور امام خیال کئے جاتے ہیں۔ صحیح بخاری سے واقف نہ تھے اسی طرح علامہ ابن حزم کو جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ سے واقفیت نہ تھی۔

مؤطا میں بھی احادیث صحیحہ کو منبائے اول اور آثار صحابہ و تابعین کو منبائے ثانی قرار دیا گیا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب مصفّٰی شرح مؤطا میں فرماتے ہیں۔

باید دانست کہ استدلال بحدیث آنحضرت ﷺ چہ مسند و چہ مرسل و موقوف حضرت عمر و عمل عبداللہ بن عمر و اخذ بفتاویٰ صحابہ و تابعین مدینہ خصوصاً کہ جمع مجتمع شدہ باشند اصل مذہب مالک است۔ (۹۰)

جاننا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث سے خواہ وہ مسند ہو یا مرسل نیز حضرت عمرؓ کے اثر اور عبداللہ بن عمر کے عمل سے استدلال کرنا اور صحابہ اور تابعین مدینہ کے فتاوی سے اخذ کرنا خصوصاً جبکہ ان تابعین کی ایک جماعت کسی مسئلہ پر متفق ہو، امام مالک کے مذہب کا اصول ہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی، مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

فصنّف الإمام مالك المؤطا وتوخى فيه القوى من حديث أهل الحجاز ومزجه بأقوال الصحابة وفتاوى التابعين ومن بعدهم. (۹۱)

پھر امام مالک نے مؤطا تصنیف کی اور حدیث اہل حجاز میں سے قوی روایت کو تلاش کرکے اس کے ساتھ صحابہ کے اقوال اور تابعین و علماء مابعد کے فتاوے کو بھی درج کیا۔

مؤطا کو امت میں جو قبول عام حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ حافظ ذہبی نے بالکل صحیح کہا ہے کہ:

إن للمؤطا لوقعًا في النفوس ومهابةً في القلوب لا يوازيها شئ. (۹۲)

۹۰۔ مصفّٰی ج:۱ص:۱۷

۹۱۔ ھدی الساری بفتح الباری ج:۱، ص:۴ طبع میریہ ۱۳۰۰ھ۔

۹۲۔ مقدمہ التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد بحوالہ سیر أعلام النبلاء، ذہبی۔

بلاشبہ مؤطا کی دلوں میں جو وقعت اور قلوب میں جو ہیبت ہے اس کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کر سکتی۔

حافظ ابن حبان، کتاب الثقات میں لکھتے ہیں:

كان مالك أول من انتقى الرجال من الفقهاء بالمدينة وأعرض عمن ليس بثقة في الحديث ولم يكن يروى إلا ما صح ولا يحدث إلا عن ثقة.[۹۳]

امام مالک فقہامدینہ میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے رواۃ کے بارے میں تحقیق سے کام لیا اور جو شخص حدیث میں ثقہ نہ تھا اس سے اعراض فرمایا وہ صحیح روایات کے علاوہ نہ کوئی اور چیز روایت کرتے اور نہ کسی غیر ثقہ سے حدیث بیان کرتے تھے۔

محدثین کو مؤطا کی صحت کا اس درجہ یقین ہے کہ امام ابوزرعہ رازی فرماتے ہیں:

لو حلف رجل بالطلاق على أحاديث مالك في المؤطأ على أنها صحاح لم يحنث.[۹۴]

اگر کوئی شخص اس بات پر طلاق کا حلف اٹھائے کہ مؤطا میں امام مالک کی جو حدیثیں ہیں وہ صحیح ہیں تو وہ حانث نہیں ہوگا۔

نواب صدیق حسن خاں، إتحاف النبلاء المتقين بأحياء مأثر الفقهاء المحد[ثين] میں ابوزرعہ کے اس قول کو نقل کرکے لکھتے ہیں:

"وایں وثوق واعتماد بر کتب دیگر نیست".[۹۵] اور امام شافعی فرماتے ہیں:

---

[۹۳] ۔تہذیب التہذیب ترجمہ امام مالک۔

[۹۴] ۔ تزیین الممالک بمناقب الامام مالک از سیوطی، ص: ۴۴، طبع خیریہ، مصر ۱۳۲۵

[۹۵] ۔ اتحاف النبلاء، ص: ۱۶۵ طبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ۔

ماعلى ظهر الأرض كتاب بعد كتاب الله أصح من كتاب مالك.(۹۶)

روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد مالک کی کتاب سے صحیح تر کوئی کتاب نہیں۔
اگرچہ خود علماء شوافع ہی میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ:

إنما قال ذلك قبل وجود كتابي البخاری ومسلم (۹۷)

امام موصوف کا یہ فرمانا امام بخاری اور امام مسلم کی کتابوں کے عالم وجود میں آنے سے پہلے تھا۔
لہٰذا اب صحیحین کے علاوہ اور کسی کتاب کے متعلق اس قسم کا دعوی کرنا صحیح نہیں (۹۸) اور صحیحین میں بھی ان لوگوں کے خیال میں اصحیت کے اعتبار سے صحیح بخاری کا جو مقام ہے وہ صحیح مسلم کا نہیں ہے ان لوگوں کے شبہ کا اصل منشا یہ ہے کہ مؤطا میں مرسل، منقطع اور بلاغات ہیں جو صحیح کے لئے قادح ہیں لیکن حافظ مغلطائی فرماتے ہیں کہ:

لا فرق بين المؤطا والبخاری في ذلك لوجوده أيضًا فی البخاری من التعاليق ونحوها. (۹۹)

---

۹۶ ۔ تزیین الممالک، ص: ۴۳۔
۹۷ ۔ مقدمہ ابن صلاح طبع حلب ۱۳۵۰ھ۔
۹۸ ۔ اس میں شک نہیں امام شافعی کا یہ قول صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے وجود سے پیشتر تھا لیکن حافظ ابوزرعہ تو امام بخاری اور امام مسلم کے ہم زبان ہیں اور ان دونوں کی کتابوں سے بخوبی واقف ہیں تاہم ان کو مؤطا کی احادیث کی صحت پر اس شدت سے اصرار ہے جو ابھی آپ کی نظر سے گزرا، حالانکہ صحیح مسلم کے بہت سے رواۃ اور روایات پر ان کی کڑی تنقید تاریخ ورجال کی کتابوں میں مذکور ہے۔ یہ تنقید اس درجہ وزنی تھی کہ خود امام مسلم کو بھی اس کے متعلق معذرت ہی سے کام لینا پڑا تھا۔
۹۹ ۔ تزیین الممالک، ص: ۴۷۔

اس بارے میں موطا اور بخاری میں کوئی فرق نہیں کیونکہ یہ چیزیں تو بخاری میں بھی ہیں چنانچہ اس میں بھی تعلیقات اور اسی قسم کی چیزیں موجود ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی، امام مغلطائی کے اس اعتراض کا یہ جواب دیتے ہیں کہ:

والفرق بين ما فيه من المنقطع وبين ما في البخاري أن الذى في المؤطا هو كذلك مسموع لمالك غالباً وهو حجة عنده والذى في البخاري قد حذف إسناده عمداً لأغراض قررت في التعاليق. (۱۰۰)

موطا اور بخاری دونوں کی منقطع روایات میں فرق یہ ہے کہ موطا میں اس قسم کی جو روایتیں ہیں ان میں سے اکثر کا سماع امام مالک نے اسی طرح (بصورت انقطاع ہی) کیا ہے اور وہ ان کے نزدیک حجت ہے لیکن بخاری میں اس قسم کی جو روایتیں ہیں ان کی اسناد ان وجوہ کی بناء پر جن کی تعلیقات کے سلسلہ میں تشریح کی گئی عمداً حذف کی گئی ہیں (۱۰۱)۔

اس پر محدث علامہ صالح فلانی نے ألفية سیوطی کے حواشی پر لکھا ہے کہ:

وفيما قاله الحافظ من الفرق بين بلاغات المؤطا ومعلقات البخاري نظر فلو أمعن النظر في المؤطا كما أمعن النظر في البخاري لعله أنه لا فرق بينهما وما ذكره من أن مالكا سمعها كذلك فغير

۱۰۰۔ تزیین الممالک، ص: ۴۷۔

۱۰۱۔ لیکن یہ نری احتمال آفرینی ہے اور معترض کو گنجائش ہے وہ یہی بات خود تعلیقات بخاری کے متعلق بھی کہدے کیونکہ موطا کی منقطع روایتیں تو متصلاً ثابت ہیں مگر تعلیقات بخاری میں بہت سی ایسی روایات موجود ہیں کہ جن کی اسانید پر خود حافظ صاحب کو بھی اطلاع نہ ہو سکی۔

مسلم لانه یذکر بلاغاً في روایة یحی مثلاً أو مرسلاً فیرویه غیره عن مالك موصولاً مسنداً۔ (۱۰۲)

حافظ ابن حجر نے بلاغات موطا اور تعلیقات بخاری میں جو فرق بیان کیا ہے وہ محل نظر ہے اگر حافظ صاحب موطا کا بھی اسی طرح گہری نظر سے مطالعہ کرتے جس طرح کہ انہوں نے صحیح بخاری کا کیا ہے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ واقعی ان دونوں کتابوں میں کچھ فرق نہیں ہے اور یہ جو وہ فرماتے ہیں کہ امام مالک نے ان روایات کا اسی شکل میں سماع کیا ہے سو مسلم نہیں کیونکہ موطا کی ایک حدیث مثلاً یحیٰ کی روایت میں اگر بلاغاً یا مرسلاً مذکور ہوتی ہے تو دوسرے لوگ اسی حدیث کو امام مالک سے موصولاً و مسنداً بھی روایت کرتے ہیں۔

فتح الباری کے مقدمہ میں حافظ ابن حجر نے اسی سلسلہ میں حسب ذیل تقریر کی ہے:

"بعض ائمہ نے امام مالک کی کتاب سے امام بخاری کی کتاب کے اصح بتانے کو مشکل قرار دیا ہے کیونکہ صحت کو مشروط رکھنے اور انتہائی احتیاط اور وثوق سے کام لینے میں دونوں شریک ہیں۔ رہی یہ بات کہ صحیح بخاری میں حدیثیں زیادہ ہیں سو یہ چیز صحت کی افضلیت کو مستلزم نہیں۔

اور اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ بخاری کی اصحیت دراصل اشتراط صحت ہی کی بنا پر ہے۔ امام مالک چونکہ انقطاع اسناد کو قادح صحت نہیں خیال کرتے اس لئے وہ مراسیل، منقطعات اور بلاغات کی تخریج اصل موضوع کتاب میں کرتے ہیں اور امام بخاری انقطاع کو علت قادحہ سمجھتے ہیں لہٰذا وہ ایسی روایات

لیکن یہ نری احتمال آفرینی ہے اور معترض کو گنجائش ہے وہ یہی بات خود تعلیقات بخاری کے متعلق بھی کہہ دے کیونکہ موطا کی منقطع روایتیں تو متصلاً ثابت ہیں مگر تعلیقات بخاری میں بہت سی روایات موجود ہیں کہ جن کی اسانید پر خود حافظ صاحب کو بھی اطلاع نہ ہو سکی۔

کو اصل موضوع کتاب کی بجائے اور سلسلہ میں لاتے ہیں جیسے کہ تعلیقات و تراجم ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ منقطع روایات اگرچہ ایک قوم کے نزدیک قابل احتجاج ہے مگر پھر بھی اس کی بہ نسبت متصل روایت جبکہ دونوں کے رواۃ عدالت اور حفظ میں مشترک ہوں زیادہ قوی ہے۔

پس اس سے بخاری کی کتاب کی فضیلت عیاں ہوئی۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ امام شافعی نے جو مؤطا کو صحت میں افضل بتایا ہے وہ ان مجموعوں کے لحاظ سے تھا کہ جو ان کے زمانے میں موجود تھے جیسے کہ جامع سفیان ثوری اور مصنف حماد بن سلمہ وغیرہ اور ان مجموعوں پر مؤطا کی تفضیل بلا کسی نزاع کے مسلم ہے"۔ (۱۰۳)

لیکن حافظ صاحب کی یہ تقریر اگر ان دونوں کتابوں کے محض ظاہری تقابل کے اعتبار سے ہے تو بیشک صحیح ہے ورنہ حقیقت کی رو سے مؤطا کے تمام مراسیل، منقطعات اور بلاغات متصل، مرفوع اور مسند ہیں۔ چنانچہ علامہ صالح فلانی لکھتے ہیں کہ:

إن ابن عبد البر ذكر جميع بلاغاته ومراسيله ومنقطعاته كلها موصولة بطرق صحاح إلا أربعة وقد وصل ابن الصلاح الأربعة بتأليف مستقل وهو عندي وعليه خطه فظهر بهذا أنه لا فرق بين الموطا والبخاري. (۱۰۴)

ابن عبدالبر نے بجزء چار روایتوں کے مؤطا کے تمام بلاغات مراسیل اور منقطعات کو باسانید صحیحہ موصولاً ذکر کیا ہے اور ان چار کے اتصال پر بھی ابن صلاح نے ایک مستقل تالیف کی ہے جو میرے پاس موجود ہے اور اس پر خود ان

۱۰۳۔ ہدی الساری مقدمہ فتح الباری، ج:۱ص:۸۔

۱۰۴۔ الرسالۃ المستطرفہ، ص:۵۔

کے قلم کی تحریر بھی ہے لہٰذا اس سے ظاہر ہو گیا کہ مؤطا اور بخاری میں کچھ فرق نہیں ہے۔

لیکن صرف اتنا ہی نہیں کہ صحت کے لحاظ سے ان دونوں کتابوں میں کچھ فرق نہیں بلکہ بعض وجوہ سے مؤطا کو صحیحین پر ترجیح ہے۔

۱۔ مؤطا کی تصنیف کے وقت کبار تبع تابعین کا ایک گروہ کثیر موجود تھا، صحیحین کو یہ امتیاز حاصل نہیں۔

۲۔ سابق میں گزر چکا کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک راوی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جس روایت کو بیان کرے اس کا حافظ بھی ہو لیکن امام بخاری و مسلم کے نزدیک یہ چیز مشروط نہیں۔

۳۔ امام مالک کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کسی بدعتی سے خواہ وہ کیسا ہی پاکباز اور راستباز ہو حدیث کی روایت کے روادار نہیں برخلاف اس کے صحیحین میں مبتدعین کی روایات (بشرطیکہ وہ ثقہ اور صادق اللھجہ ہوں) بکثرت موجود ہیں۔ محدث حاکم نیشاپوری، المدخل في أصول الحديث میں لکھتے ہیں:

صحیح مختلف فیہ کی پانچویں قسم مبتدعہ اور أصحاب الأهواء کی روایات ہیں جو اکثر محدثین کے نزدیک مقبول ہیں جبکہ یہ لوگ سچے اور راستباز ہوں چنانچہ محمد بن اسمٰعیل بخاری نے جامع صحیح میں عباد بن یعقوب رواجنی سے حدیث بیان کی ہے اور ابو بکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ کہتے تھے۔

حدثنا الصدوق في روايته المتهم في دينه عباد بن يعقوب۔

ہم سے عباد بن یعقوب نے حدیث بیان کی جو اپنی روایات میں سچا اور دین میں متہم تھا۔

اسی طرح بخاری نے صحیح میں محمد بن زیاد الہانی، حریز بن عثمان رحبی سے احتجاج کیا ہے حالانکہ ان کے متعلق نصب کی شہرت تھی، نیز بخاری اور مسلم

دونوں ابو معاویہ محمد بن خازم اور عبید اللہ بن موسیٰ سے احتجاج پر متفق ہیں حالانکہ یہ دونوں غالی مشہور تھے۔

لیکن مالک بن انس یہ کہتے تھے کہ اس بدعتی سے حدیث نہیں لی جائے گی جو لوگوں کو اپنی بدعت کی طرف دعوت دیتا ہو اور نہ اس شخص سے جو لوگوں سے گفتگو میں دروغ بیانی سے کام لے اگرچہ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ پر دروغ بیانی کا الزام نہ ہو۔ (۱۰۵)

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی موطأ کو حدیث کی تمام کتابوں میں مقدم اور افضل سمجھتے ہیں انہوں نے اپنی مشہور کتاب **مصفّٰی شرح مؤطأ** کے مقدمہ میں اس کی ترجیح کے دلائل اور وجوہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے لیکن اس سلسلہ میں محض تخمین وظن کی بنا پر شاہ صاحب کے قلم سے بعض باتیں ایسی بھی نکل گئی ہیں کہ جو خلاف واقع ہیں۔ (۱۰۶)

۱۰۵۔ المدخل، ص: ۱۶ طبع حلب، ۱۳۵۱ھ۔

۱۰۶۔ مثلاً فضل مصنف کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: باید دانست کہ امروز در دست مردمان ہیچ کتابے نیست کہ مصنف آں از تبع تابعین باشد غیر موطأ (ص: ۳) جاننا چاہئے کہ آج لوگوں کے ہاتھ میں بجز موطا کے کوئی کتاب ایسی نہیں کہ جس کا مصنف تبع تابعین میں سے ہو۔

حالانکہ امام ابو یوسف اور امام محمد دونوں تبع تابعین میں سے ہیں۔اور دونوں کی حدیث وفقہ میں متعدد تصانیف آج بھی لوگوں کے ہاتھ میں موجود ہیں اور بعض ان میں سے طبع ہو کر شائع بھی ہو چکی ہیں۔

اسی طرح ائمہ اربعہ کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بالجملہ ایں چہار اماماں اند کہ عالم را علم ایشاں احاطہ کردہ است امام ابو حنیفہ وامام مالک وامام شافعی وامام احمد ایں دو امام متاخر شاگرد امام مالک بودند و مستفیدان از علم او، در عصر تبع تابعین نبودند مگر ابو حنیفہ وامام مالک آن یک شخصے است کہ رؤس محدثین مثل احمد و بخاری و مسلم و ترمذی و ابو داؤد ونسائی و ابن ماجہ و دارمی یک حدیث از وے در کتابہائے خود روایت نکردہ اند و رسم روایت حدیث

از وے بطریق ثقات جاری نشد وآں دیگر شخصے است کہ اہل نقل اتفاق دارند بر آنکہ چوں حدیث بروایت او ثابت شد بذروۂ اعلیٰ صحت رسید۔ (ص: ۶)۔
غرض یہ کل چار امام ہیں کہ جن کے علم نے دنیا کا احاطہ کر رکھا ہے، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد یہ موخر الذکر دونوں امام، امام مالک کے شاگرد اور ان کے علم سے بہرہ مند تھے، اور تبع تابعین کے زمانہ میں صرف ابو حنیفہ اور امام مالک ہوئے ہیں، سو وہ (یعنی امام ابو حنیفہ) ایک ایسے شخص ہیں کہ جن سے سرآمد محدثین نے جیسے کہ احمد بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی ہیں۔ ایک حدیث اپنی کتاب میں روایت نہیں کی اور حدیث کی روایت کا سلسلہ ان سے بطریق ثقات جاری نہیں ہوا اور وہ دوسرے (یعنی امام مالک) ایک ایسے شخص ہیں کہ اہل نقل کا اس پر اتفاق ہے کہ جب حدیث ان کی روایت سے ثابت ہو جائے تو صحت کے اعلیٰ معیار پر پہنچ جاتی ہے۔
حالانکہ امام احمد بن حنبل، امام مالک کے شاگرد نہ تھے۔ امام ابو حنیفہ تابعی ہیں اور ان کا عہد صغار تابعین کا عہد ہے۔ امام ابو حنیفہ کی روایت جامع ترمذی اور سنن نسائی دونوں کتابوں میں موجود ہے، محدث محمد طاہر پٹنی نے مجمع بحار الانوار میں تصریح کی ہے کہ اخرج لہ الترمذی والنسائی (امام ابو حنیفہ سے ترمذی اور نسائی نے تخریج کی ہے) اور مسند امام احمد میں امام اعظم کی روایت مسند بریدہ رضی اللہ عنہ میں (ج: ۵ ص: ۳۵۷ پر) موجود ہے۔ یہ بھی محض بے اصل ہے کہ "امام ابو حنیفہ سے بطریق ثقات روایت حدیث کا سلسلہ جاری نہیں ہوا" خود شاہ ولی اللہ صاحب نے انسان العین فی مشائخ الحرمین میں محدث عیسیٰ جعفری مغربی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ: مسندے برائے امام ابو حنیفہ تالیف کردہ درآں جا عنعنہ متصل ذکر کردہ در حدیث ازاں جا بطلان زعم کسانیکہ گویند سلسلہ حدیث امروز متصل نماندہ واضح تر می شود۔ (ص: ۶ طبع احمدی دہلی)
انہوں نے امام ابو حنیفہ کی ایک ایسی مسند تالیف کی ہے جس میں اپنے سے لے کر امام موصوف تک عنعنہ متصل کو ذکر کیا ہے اور یہاں سے ان لوگوں کا دعویٰ کا غلط ہونا اچھی طرح ظاہر ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حدیث کا سلسلہ آج کل متصل نہیں رہا ہے۔
یہ عیسیٰ مغربی شاہ صاحب کے استاذ الاساتذہ ہیں ۱۰۸۰ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ شاہ صاحب ان کے متعلق فرماتے ہیں۔ " وے استاذ جمہور اہل حرمین است " غور کیجئے اگر امام ابو حنیفہ سے حدیث کی روایت کا سلسلہ جاری نہ ہوا تو یہ حدیث کا سماع متصل امام صاحب سے لے کر شاہ صاحب کے دور تک کیسے ثابت ہو گیا۔ بلکہ شاہ صاحب کی اس عبارت سے تو اور یہ ظاہر ہوا کہ یہ امام اعظم ہی کی خصوصیت ہے کہ ان کی احادیث کی روایت کا سلسلہ بسند متصل اس عہد تک جاری رہا حتی کہ جو

مؤطا میں اگرچہ غیر مدنی شیوخ سے شاذ و نادر روایتیں ہیں تاہم اس کی "بلاغات" کے بارے میں حافظ جمال الدین مزی نے تہذیب الکمال میں عبداللہ بن ادریس کوفی المتوفی ۱۹۲ھ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ:

"بیان کیا جاتا ہے کہ بلاغات کو امام مالک نے ابن ادریس سے سنا تھا"۔

اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤطأ کی جتنی روایات میں بلغنی مذکور ہے وہ سب عبداللہ بن ادریس سے سنی ہوئی ہیں لیکن در حقیقت یہ ان بلاغات کا ذکر ہے کہ جو مؤطا میں حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہیں چنانچہ حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں یعقوب بن شیبہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

قیل ان جمیع ما یرویہ مالک في المؤطا (بلغنی عن علی) أنه سمعه من ابن إدریس (۱۰۷)۔

کہا گیا ہے کہ تمام وہ روایات جن کو امام مالک، مؤطا میں بلغنی عن علی کہہ کر روایت کرتے ہیں وہ سب انہوں نے ابن ادریس سے سنی ہیں۔

اور قاضی عیاض، مدارک میں لکھتے ہیں کہ احمد بن عبداللہ کوفی نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ امام مالک نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جس قدر روایات مرسلاً ذکر کی ہیں وہ سب انہوں نے عبداللہ بن ادریس اودی سے روایت کی ہیں (۱۰۸)۔

لوگ اس زمانہ میں سلسلہ اسناد کو متصل ماننے سے انکار کرتے تھے ان کے خلاف شاہ صاحب نے اسی چیز کو دلیل میں پیش کیا ہے اور حافظ شمس الدین ذہبی نے تصریح کی ہے کہ: روی عنہ من المحدثین والفقہاء عدۃ لا یحصون (مناقب ابی حنیفہ از ذہبی ص ۱۱ طبع مصر)

امام ابو حنیفہ سے محدثین و فقہاء کی اتنی بڑی تعداد نے حدیث کی روایت کی ہے کہ جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

ان میں سے حافظ جمال الدین مزی نے تہذیب الکمال میں امام اعظم کے ترجمہ میں پچانوے مشاہیر علماء ثقات کو نام بنام ذکر کیا ہے۔

۱۰۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ عبداللہ بن ادریس۔

اسی طرح مؤطا کے باب الوفا بالأمان میں بھی حضرت عمرؓ کا ایک أثر عن رجل من أهل الكوفة (کوفہ کے ایک شخص سے) منقول ہے جس کی تعیین میں زرقانی نے سفیان ثوری کا نام لیا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ بھی عبداللہ بن ادریس ہی کی روایت ہو۔ (۱۰۹)

اسعاف المبطأ برجال المؤطا از علامہ سیوطی ص: ۳۶ طبع مطبعہ حلبی مصر ۱۳۴۹ھ

عبداللہ بن ادریس، امام ابو حنیفہ کے تلامذہ میں سے ہیں اور فقہاء حنفیہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے اور بعض ان کے مسائل فقہیہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ جس کو یہ امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا مفصل تذکرہ لکھا ہے جو ان لفظوں میں شروع ہوتا ہے، عبداللہ بن ادریس بن یزید بن عبدالرحمٰن الامام القدوۃ الحجۃ ابو محمد الأودی الکوفی احد الأعلام۔ بڑے عابد و زاہد تھے جاہ و منصب سے ہمیشہ متنفر رہے۔ ایک بار خلیفہ ہارون الرشید نے ان کو طلب کر کے عہدہ قضا پیش کرنا چاہا مگر انہوں نے معذرت کی کہ میں اس کا اہل نہیں اس پر خلیفہ نے بگڑ کر کہا کہ کاش میں تیری صورت نہ دیکھتا۔ ابن ادریس نے بھی نہایت متانت سے جواب دیا کاش میں بھی تیری صورت نہ دیکھتا اور یہ کہہ کر دربار سے چلے آئے بعد کو خلیفہ نے پانچ ہزار کے توڑے ان کی خدمت میں روانہ کئے مگر انہوں نے لینے سے انکار کر دیا اور جو شخص رقم لے کر آیا اس سے نہایت زور سے چلا کر کہا کہ یہیں سے واپس چلے جاؤ۔ ہارون الرشید نے یہ ماجرا دیکھا تو دوبارہ پیام بھیجا کہ آپ نے نہ ہمارا کام کیا اور نہ ہمارے صلہ کو قبول فرمایا اب میرا بیٹا مامون آپ کی خدمت میں آئے تو اس سے حدیثیں تو بیان فرمائیں ابن ادریس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ان جاء نا مع الجماعۃ حدثناہ (اگر وہ عام لوگوں کے ساتھ آیا تو اس سے بھی حدیثیں بیان کریں گے) چنانچہ جب حج کے موقع پر ہارون الرشید کوفہ میں داخل ہوا تو اس نے قاضی ابو یوسف صاحب سے کہا کہ محدثین کو کہئے ہمارے پاس آکر حدیث شریف کا درس دیں، دو شخصوں کے علاوہ سب نے خلیفہ کی فرمائش کی تعمیل کی۔ یہ دو بزرگ عبداللہ بن ادریس اور عیسی بن یونس تھے۔

جب یہ نہ آئے تو آمین و مامون دونوں شہزادے خود سوار ہو کر عبداللہ بن ادریس کی خدمت میں حاضر ہوئے ابن ادریس نے سو حدیثیں ان کے سامنے بیان کیں جب یہ روایت کر چکے تو مامون کہنے لگا محترم اجازت ہو تو ان حدیثوں کو زبانی سنا دوں ابن ادریس نے کہا سناؤ۔ مامون نے فوراً اپنے حافظے سے ان کو دہرا دیا۔ یہ دیکھ کر ابن ادریس بھی اس کی قوت حافظہ پر عش عش کر گئے۔ یہاں

مؤطا کا زمانہ تالیف:

حافظ ابن حزم نے تصریح کی ہے کہ امام مالک نے مؤطا کی تالیف یقیناً یحیٰ بن سعید انصاری کی وفات کے بعد کی ہے اور یحیٰ کی وفات ۱۴۳ھ میں ہوئی ہے۔ (۱۰) محدث قاضی عیاض نے مدارك میں ابو مصعب سے جو امام مالک کے شاگرد خاص ہیں نقل کیا ہے کہ خلیفہ منصور عباسی نے امام مالک سے فرمائش کی تھی کہ ضع کتابا للناس أحملهم علیه (آپ لوگوں کے لئے ایک ایسی کتاب لکھیں کہ جس پر میں ان سے عمل کراؤں) امام مالک نے اس سلسلہ میں کچھ کہا تو منصور بولا (۱۱)

سے اٹھ کر یہ دونوں شہزادے عیسی بن یونس کے یہاں پہنچے اور انہوں نے بھی ان سے حدیثیں بیان کیں جب درس ختم ہوا تو مامون نے دس ہزار کے توڑے پیش کیے لیکن ابن یونس نے قبول کرنے سے صاف انکار کردیا اور کہہ دیا کہ ولا شربة ماء (اس کے عوض تو پانی کا ایک گھونٹ بھی قبول نہیں کیا جاسکتا)۔ (تذکرۃ الحفاظ ترجمہ عیسی بن یونس)۔

۱۰۔توجیہ النظر از شیخ صالح جزائری ص: ۷، طبع مصر، بحوالہ احکام ابن حزم۔

۱۱۔ابو مصعب کے بیان میں امام مالک کی گفتگو منقول نہیں لیکن ابن سعد نے طبقات میں واقدی کے حوالہ سے خود امام مالک کی زبانی اس کو تفصیل سے نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے۔

منصور: میرا ارادہ ہے کہ میں آپ کی اس کتاب (یعنی مؤطا) کے متعلق حکم دوں کہ اس کی نقلیں لی جائیں اور مسلمانوں کے پاس ہر شہر میں اس کا ایک ایک نسخہ بھیجا جائے اور فرمان جاری کردوں کہ وہ اسی کے مطابق عملدرآمد کریں اور اس سے تجاوز نہ کریں اور اس کے علاوہ جو یہ نیا علم ہے سب چھوڑ دیں کیونکہ اس علم کی اصل اہل مدینہ کی روایت اور ان کا علم ہی ہے۔

امام مالک: اے امیر المومنین ایسا نہ کیجئے کیونکہ لوگوں کے پاس پہلے سے اقوال پہنچ چکے ہیں انہوں نے بھی حدیثیں سنی ہیں اور ان کو روایت کیا ہے اور ہر قوم نے صحابہ اور دیگر علماء کے اختلاف کی صورت میں اسی کو اختیار کیا ہے جو ان کے یہاں پہلے سے چلا آتا ہے اور اسی کے مطابق عمل کرتے اور زندگی گزارتے ہیں نیز جس کے وہ معتقد ہیں اس سے ان کا ہٹانا دشوار ہے اس لئے لوگوں کو آپ ان ہی کے حال پر چھوڑیں اور ہر اقلیم والوں نے جو کچھ اپنے لئے پسند کر رکھا ہے اس کو رہنے دیجئے۔

منصور: اپنی قسم اگر آپ میرا کہنا مان جاتے تو میں یہی کرتا۔ (تزیین الممالک ص: ۴۶)

صنعہ فما أحد الیوم أعلم منك

آپ کتاب تصنیف فرمائیں، آج آپ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں، آخر امام موصوف نے مؤطأ کی تصنیف شروع کی لیکن کتاب کے ختم ہونے سے پہلے منصور کی وفات ہو گئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ مؤطا کی تصنیف منصور کی فرمائش پر خود اس کے عہد میں شروع ہوئی اور اس کی وفات کے بعد پایہ تکمیل کو پہنچی۔ منصور نے ۶ ذی الحجہ ۱۵۸ھ میں وفات پائی اور اس کی جگہ اس کا بیٹا محمد المہدی مسند خلافت پر متمکن ہوا اور اسی کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں مؤطا کی تصنیف مکمل ہوئی (۱۳)۔

ضعفاء سے روایت پر اعتراض اور اس کا جواب

ضعفاء سے روایت پر اعتراض ہو سکتا تھا۔ حاکم نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے فرماتے ہیں۔

ممکن ہے کہ کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ آخر اس روایت کی تخریج سے جس کی سند صحیح نہیں، رواۃ عادل نہیں فائدہ کیا اس کے متعدد جواب ہو سکتے ہیں۔

(۱) جرح و تعدیل میں اختلاف کی گنجائش ہے ممکن ہے کہ ایک امام ایک راوی کو عادل سمجھے اور دوسرا امام اسی راوی کو مجروح قرار دے۔ اسی طرح ارسال مختلف فیہ ہے۔ (ایک کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے دوسرے کے نزدیک ضعیف ناقابل احتجاج)

(۲) ائمہ سلف ثقات و غیر ثقات دونوں قسم کے رواۃ سے حدیثیں روایت کرتے اور جب ان سے رواۃ کے متعلق دریافت کیا جاتا تو ان کے حالات بیان کر دیتے۔ امام مالک

حافظ ابن عبد البر، جامع بیان العلم (ج: ۱، ص: ۱۳۲) میں اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں وھذا غایة فی الانصاف لمن فھم (یہ ہر ذی فہم کے نزدیک انتہائی انصاف کی بات ہے) جو لوگ آج کل فروعی اختلافی مسائل میں شدت برتتے ہیں ان کو امام مالک کے اس مشورہ سے سبق لینا چاہئے۔

۱۳۔ تزیین الممالک از سیوطی، ص ۴۳

بن انس اہل حجاز کے مسلم الثبوت امام ہیں انہوں نے عبدالکریم ابو امیہ بصری اور ا
کے علاوہ ان لوگوں سے روایتیں کیں جن پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ مالک کے بعد ا
حجاز کی امامت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کے حصہ میں آئی انہوں نے بھی ابراہیم بن
بن ابی یحیٰ اسلمی اور ابو داؤد سلیمان بن عمرو النخعی اور دیگر مجروحین سے حدیثیں بیا
کیں۔ اسی طرح امام ابو حنیفہؒ نے جابر بن یزید جعفی اور ابو العطوف جراح بن منہا
جزری وغیرہ مجروحین سے روایتیں کیں پھر قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم اور م
بن حسن شیبانی دونوں نے حسن بن عمارۃ اور عبداللہ بن محرر وغیرہ مجروحین سے
روایتیں بیان کیں۔ اسی طرح ائمہ مسلمین قرناً بعد قرن اور عصراً بعد
عصر ہمارے زمانے تک روایتیں کرتے چلے آئے کہ ائمہ فریقین میں سے کسی اما
کی حدیث بھی مطعون فیہ محدثین کی روایات سے خالی نہیں۔ حاکم کہتے ہیں کہ۔

وللائمة في ذلك غرض ظاهر وهو أن يعرفوا الحديث من أين مخرجه والمنفرد به عدل أو مجروح۔

ائمہ کا مقصد اس بارے میں ظاہر ہے یعنی وہ اس لئے ایسا کرتے ہیں کہ یہ معلوم کرلیں کہ یہ حدیث کہاں سے نکلی اور جو شخص اس کی روایت میں منفرد ہے وہ مستند ہے یا مجروح۔ حافظ یحیٰ بن معین فرماتے ہیں کہ:

لو لم نكتب الحديث من ثلاثين وجهاً ما عقلنا۔

اگر ہم حدیث کو تیس طریقہ سے نہ لکھیں تو ہم اس کو جان نہ سکیں۔

ابو بکر اثرم کا بیان ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے یحیٰ بن معین کو صنعاء میں دیکھا کہ ایک گوشہ میں علیحدہ بیٹھے صحیفہ معمر کی نقل میں مشغول ہیں یہ صحیفہ بروایت ابان حضرت انس سے مروی تھا اس اثنا میں جب کوئی شخص ادھر آنکلتا تو یہ اسے چھپا دیتے۔ امام احمدؒ نے ان سے کہا کہ اس امر کے جاننے کے باوجود کہ یہ صحیفہ معمر عن أبان عن أنس سراسر جعلی ہے پھر بھی آپ اس کی نقل میں مصروف ہیں اگر کسی نے آپ پر یہ اعتراض کیا کہ آپ ابان پر کلام

بھی کرتے ہیں اور اس کی حدیثیں بھی اسی طرح پر نقل کرتے ہیں تو آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ بولے کہ ابو عبداللہ! اللہ آپ پر رحم کرے میں اس صحیفہ کو عبدالرزاق سے. بروایت معمر اسلئے لکھ رہا ہوں کہ میں اس کو اول سے آخر تک حفظ کروں گا اور یہ بھی مجھے علم ہے کہ یہ صحیفہ موضوعہ ہے تاکہ بعد میں کوئی شخص آکر ابان کو بدل کر ثابت کا نام نہ لے دے اور روایت کرنے لگے کہ عن معمر عن ثابت عن أنس اس وقت میں اس سے کہوں گا تو جھوٹ کہتا ہے اس روایت کا سلسلہ سند عمر عن أبان عن أنس ہے نہ کہ معمر عن ثابت عن أنس۔

ان ہی امام ابن معین کا یہ بھی مقولہ ہے کہ:

کتبنا عن الکذّابین وسجرنا به التنور وأخرجنا به خبزًا نضجا۔

ہم نے جھوٹوں سے روایتیں لکھیں اور اس سے تنور کو گرم کیا اور پکی پکائی روٹی نکالی۔ (یہاں تک حاکم کی عبارت کا ترجمہ تھا)۔

بلاشبہ ضعفاء سے روایت کرنے کی بڑی وجہ صرف حدیث کا علم حاصل کرنا ہے تاکہ صحیح و ضعیف میں امتیاز قائم رہے اور اس کی شناخت میں چوک نہ ہونے پائے۔ حافظ ابن معین کی تصریحات حاکم کے کلام میں آپ کی نظر سے گزر چکیں۔ ان کے استاد ہیں امام ابو یوسف۔ حافظ الدین محمد بن محمد البزازی الکردری ان کے متعلق رقمطراز ہیں۔

قیل للامام أبی یوسف لم حفظت الأحادیث الموضوعة قال لأعرفها.(۱۱۳)

امام ابو یوسف سے کہا گیا کہ آپ نے احادیث موضوعہ کو کیوں حفظ کیا فرمایا کہ محض ان کے علم کے لئے۔

۱۱۳۔ مناقب الامام الاعظم لکردری، طبع دائرۃ المعارف ج: ۱، ص: ۷۵، طبع دائرۃ المعارف ہند۔

البتہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جرح و تعدیل میں اختلاف واقع ہو جاتا ہے اور ایسا ہونا ضروری تھا کسی شخص کے ان تمام اوصاف وحالات پر اطلاع پانا جن کا اثر روایت کی صحت وضعف پر پڑ سکتا ہے۔ مدتوں کی ملاقات اور تجربہ پر موقوف ہے اور یہ ہر شخص کے لئے ممکن نہ تھا۔ حاکم نے جن لوگوں کے نام مثال کے طور پر بیان کیے ہیں ان میں سے حسن بن عمارہ کو لے لیجئے۔ صدر الائمہ موفق بن احمد مکی ان کے متعلق رقمطراز ہیں۔

قال أبو سعد الصغانی سمعت أبا حنيفة وزفر يقولان جرّبنا الحسن بن عمارة في الحديث فوجدناه يخرج من الحديث كما يخرج الذهب الأحمر من النار۔

ابو سعد صغانی کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ اور امام زفر دونوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم نے حسن بن عمارہ کو حدیث میں پرکھا تو وہ پرکھنے میں ایسے نکلے جیسے سرخ سونا بھٹی میں سے نکلتا ہے۔

قال أبو حنيفة خالطنا الحسن بن عمارة فلم نر إلاّ خيرًا وقال أبو سعد الصغانی هذا عامة ما سمعنا عن الحسن بن عمارة سمعناه في مجلس أبی حنيفة ومسجده وكان يجالس أباحنيفة كثيرًا وكان يمر في خلال الكلام حديث يذكره الحسن بن عماره فكان يقول أباحنيفة أمل عليهم فيملی علينا۔[۱۱۳]

امام ابو حنیفہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہمارا حسن بن عمارہ سے میل جول رہا ہے ہم نے تو ان میں بجز بھلائی کے اور کوئی بات نہیں دیکھی ابو سعد صغانی نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم نے حسن بن عمارہ سے جو حدیثیں سنی ہیں وہ امام ابو حنیفہ کی مجلس درس اور انہی کی مسجد میں سنی ہیں وہ امام صاحب کے پاس بہت زیادہ

۱۱۳۔ مناقب موفق، ج ۲، ص ۷۳، طبع حیدآباد دکن

نشست و برخاست رکھتے تھے۔ سلسلہ کلام میں حسن بن عمارہ کسی حدیث کو ذکر کرتے تو امام صاحب فرماتے یہ حدیث ان کو املا کرادو وہ ہم کو املا کرادیتے۔
بلاشبہ ان کی نسبت کتب رجال میں جرحیں مذکور ہیں لیکن وہ سب ایسے لوگوں سے مروی ہیں جو یا تو ان کی وفات کے بعد پیدا ہوئے یا جن کو ان کے جانچنے اور پرکھنے کا موقع نہ مل سکا امام ابو حنیفہ اور امام زفر نے ان کے متعلق جو رائے قائم کی ہے وہ مدت کے تجربہ اور ملاقات اور بار بار کے امتحان و آزمائش کے بعد قائم کی ہے۔ حافظ ابو محمد حسن بن خلاء رامہرمزی نے المحدث الفاصل (۱۱۵) میں جو اصول حدیث پر سب سے پہلی تصنیف ہے ان جرحوں کا مفصل جواب دیا ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام زفر کے اس بیان کے بعد بھی حسن بن عمارہ کی حدیث قابل استناد نہیں۔
کبھی ضعفاء سے اس بنا پر بھی روایت کی جاتی ہے کہ شواہد و متابعات کی بنا پر وہ ضعف جاتا رہتا ہے اور حدیث صحیح ہوتی ہے۔ اور چونکہ متابعات (۱۱۶) و شواہد معروف و مشہور ہوتے ہیں اس لئے بوجہ اختصار ان کو ذکر نہیں کیا جاتا۔

۱۱۵۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ میری نظر سے گزرا ہے۔
۱۱۶۔ متابعات جمع ہے متابعت کی۔ متابعت اس مسند روایت میں دوسرے کے شریک ہونے کو کہتے ہیں مثلاً ایک حدیث رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلہ سے مروی ہے۔ عن ایوب عن ابن سیرین عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ۔ پس اگر ایوب کے علاوہ ابن سیرین سے یا ابن سیرین کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ سے یا حضرت ابو ہریرۃ کے علاوہ کوئی دوسرا راوی اس حدیث کو روایت کرے تو اس کو متابعت کہا جائے گا پھر اگر ابن سیرین سے ایوب کے علاوہ کوئی دوسرا راوی ہو گا تو اسے ایوب کا متابع کہا جائے گا اور اگر حضرت ابو ہریرۃ سے ابن سیرین کے علاوہ دوسرا راوی موجود ہے تو اسے ابن سیرین کا متابع کہا جائے گا اور اگر حضرت رسول اللہ ﷺ سے حضرت ابو ہریرہؓ کے سوا کوئی اور صحابی بھی اس روایت کو بیان کرتے ہیں تو ان کو حضرت ابو ہریرہ کا متابع کہا جائے گا۔ شواہد جمع ہے شاہد کی ایک حدیث کے ہم معنی دوسری حدیث جو مروی ہو اس کو حدیث اول کا شاہد کہتے ہیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث کی اسناد مصنف کے پاس ثقات کی روایت سے نازل ہوتی ہے اور ایک دوسری سند سے جس میں کوئی ضعیف راوی ہوتا ہے عالی (۱۱۷) اس لئے وہ اسناد عالی کے ذکر پر اکتفا کرتا ہے اور طوالت کے خیال سے سند نازل بیان نہیں کرتا۔ کیونکہ اہل فن اس سے باخبر ہوتے ہیں (۱۱۸)۔

غرض یہ ہیں وہ اسباب جن کی بناء پر کبھی کبھی ضعفاء سے احادیث کی روایت کی جاتی ہے۔ ہمارے بعض معاصرین جو منصب رسالت سے ناآشنا اور جن کو علم حدیث کی بصیرت نہیں وہ غلطی سے ان وجوہ کو تو نہیں سمجھتے اور شبہ میں پڑ کر سرے سے حدیث شریف کے حجت شرعی ہونے ہی سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔

هدا هم الله إلى سواء السبيل.

انواع صحیح:

حاکم نے حدیث صحیح کی دس قسمیں قرار دی ہیں۔ پانچ متفق علیہ اور پانچ مختلف فیہ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

فالقسم الأول من المتفق عليها إختيار البخاری ومسلم وهوالدرجة الأولى من الصحيح ومثاله الحديث الذی يرويه الصحابی المشهور بالرواية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وله راويان ثقتان ثم يرويه التابعی المشهور عن الصحابة وله راويان ثقتان ثم يرويه من أتباع التابعين الحافظ المتقن المشهور وله رواة من الطبقة الرابعة

۱۱۷۔ حدیث کے جتنے وسائط ہوں گے اسی قدر عالی اور جتنے زیادہ ہوں گے اسی قدر نازل۔

۱۱۸۔ مقدمہ شرح مسلم للنووی ج:۱ص:۲۵، طبع مصر والروض الباسم للوزیر الیمانی ج:۱ص: ۸۳ طبع مصر۔

ثم یکون شیخ البخاری أو مسلم حافظا متقنا مشہوراً بالعدالة في روایته فهذه الدرجة الأولی من الصحیح (ص: ۷)

صحیح متفق علیہ کی پہلی قسم وہ ہے جس کو بخاری و مسلم نے اختیار کیا ہے اور وہی اول درجہ کی صحیح ہے یعنی وہ حدیث جس کو ایسا صحابی جو رسول اللہ ﷺ سے روایت میں مشہور ہو بیان کرے اور اس صحابی سے اس حدیث کے دو ثقہ راوی ہوں پھر اس حدیث کو وہ تابعی بیان کرے جو صحابہ سے روایت کرنے میں مشہور ہو اور اس کے بھی دو ثقہ راوی ہوں پھر تبع تابعین میں سے حافظ متقن مشہور اسے روایت کرے اور چوتھے طبقہ میں اس حدیث کے دو سے زیادہ راوی ہوں پھر بخاری یا مسلم کا شیخ حافظ و متقن ہو اور عدالت فی الروایت میں شہرت رکھتا ہو۔ پس یہ صحیح کا اول درجہ ہے۔

اس لحاظ سے ان کے نزدیک حدیث صحیح کی پہلی قسم میں تین باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) صحابی اور تابعی سے اس حدیث کے دو ثقہ راوی ہوں۔ اور طبقہ رابعہ میں اس کے دو سے زائد رواۃ ہوں غرض ہر طبقہ میں کم از کم دو راوی ہونے ضروری ہیں۔

(۲) امام بخاری و مسلم کے شیخ سے لے کر صحابی تک ہر ایک راوی ثقہ اور روایت حدیث میں مشہور ہوں۔

(۳) شیوخ شیخین اور اتباع تابعین میں سے جو بھی اس حدیث کو روایت کرے وہ علاوہ ثقہ اور مشہور ہونے کے حافظ و متقن بھی ہو۔

جو حدیث ان سب صفات پر مشتمل ہو وہ ان کے خیال میں اول درجہ کی شرائط صحیح کی حامل ہے جس کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ امام بخاری و مسلم نے اسی قسم کو اختیار کیا ہے اور اسی قسم کی تخریج ان کے نزدیک مشروط ہے۔

جس حدیث کے ہر طبقہ میں کم سے کم دو راوی ہوں اسے اصول حدیث میں عزیز کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ چونکہ عزیز حدیثیں عزیز الوجود یعنی بہت کم پائی جاتی ہیں

۔اس لیے بعض علماء نے حاکم کے کلام کی ایک دوسری توجیہ کی ہے۔ جو کہ بعد الوقوع سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی چنانچہ قاضی عیاض حافظ ابو علی غسانی سے ناقل ہیں۔

ليس المراد أن يكون كل خبر روياه يجتمع فيه راويان عن صحابيه ثم عن تابعيه فمن بعده فان ذلك يعز وجوده وإنما المراد أن هذا الصحابي وهذا التابعي قد روي عنه رجلان خرج بهما عن حد الجهالة.[١١٩]

حاکم کے کلام کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شیخین نے جس حدیث کو روایت کیا ہے اس حدیث کو اس صحابی سے دو شخص روایت کریں اور پھر تابعی سے دو اور اسی طرح بعد میں کیونکہ اس کا وجود نادر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس صحابی اور اس تابعی سے دو شخص (کچھ بھی) روایت کریں تاکہ وہ مجہول کی تعریف سے نکل جائے۔

لیکن حاکم کے کلام کا یہ مطلب بیان کرنا خود حاکم کی تصریحات کے خلاف اور توجیہ القول بما لا یرضی به قائله کا مصداق ہے۔ ان کی تصریحات تو حدیث صحیح کی دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچویں قسم کی بحث کے ذیل میں آپ کی نظر سے گزریں گی۔ قطع نظر ان تصریحات کے خود عبارت اس توجیہ کا ساتھ نہیں دیتی کیونکہ تعریف جو کی جارہی ہے وہ حدیث کی کی جارہی ہے اس لئے له راویان ثقتان میں له کا مرجع حدیث ہی کو قرار دینا چاہئے نہ کہ صحابی کو اسی لئے علامہ ابو عبد اللہ بن المواق رقمطراز ہیں۔

---

[١١٩] ۔تدریب الراوی ص: ٢٩ و توجیہ النظر ص: ١٧۔

ما حمل الغسانی علیه کلام الحاکم وتبعه علیه عیاض وغیره لیس بالبیّن.[۱۳۰]

غسانی اور ان کی اتباع میں قاضی عیاض وغیرہ نے حاکم کے کلام کو جس پر محمول کیا ہے وہ ظاہر نہیں۔

شرط شیخین:

حقیقت یہ ہے کہ شرط شیخین کے تعین کا مسئلہ بڑا معرکۃ الآراء مسئلہ ہے۔ اور اصول حدیث کی کتابوں میں اس پر بڑی بڑی بحثیں قائم ہو گئی ہیں۔ بلاشبہ ایک جماعت کو اس پر اصرار ہے کہ امام بخاری و مسلم نے صحیحین میں حدیث صحیح کی ان عام شروط کے علاوہ جو عموماً علماء کے نزدیک مسلم ہیں مزید احتیاط کے لئے کچھ خاص شرائط کا اضافہ کیا ہے لیکن وہ شرائط کیا ہیں اور آیا وہ دونوں کی متحد ہیں یا امام بخاری کی علیحدہ اور امام مسلم کی علیحدہ اس میں بڑا اختلاف رائے ہے۔

حاکم کا بیان آپ کے سامنے ہے جس کا پہلا جزء یہ ہے کہ اس حدیث کے صحابی کے علاوہ ہر طبقہ میں کم از کم دو راوی ہونا ضروری ہیں اور ابو حفص میانجی نے اس سے بھی بڑھ کر دعویٰ کیا ہے چنانچہ کتاب ما لا یسع المحدث جهله میں رقمطراز ہیں:

شرط الشیخین فی صحیحهما أن لا یدخلا فیه إلا ما صح عندهما وذلك ما رواه عن النبی صلی الله علیه وسلم إثنان فصاعداً وما

---

[۱۳۰] تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی للسیوطی، ص: ۲۹ طبع مصر ۱۳۰۷ھ وتوجیه النظر للجزائری ص: ۱۷ طبع مصر۔

نقله عن كل واحدٍ من الصحابة أربعةٌ من التابعين فأكثروا أن يكون عن كل واحدٍ من التابعين أكثر من أربعة۔ (۳۱)

صحیحین میں شیخین کی شرط یہ ہے کہ صرف وہ حدیث ان میں درج کریں جو ان کے نزدیک صحیح ہو یعنی جس کو رسول اللہ ﷺ سے دو یا دو سے زیادہ صحابی روایت کریں اور ہر صحابی سے چار یا چار سے زیادہ تابعین اور ہر تابعی سے چار سے زیادہ تبع تابعین راوی ہوں۔

حاکم نے تو ہر طبقہ میں بجز صحابی کے کم از کم دو راوی ہونا بیان کیا تھا لیکن ابو حفص میانجی نے ان سے بھی دو زائد ہی بتائے۔ حاکم کی رائے میں صرف ایک صحابی مشہور کی روایت کافی ہے مگر ان کے نزدیک صحابی بھی دو ہونے چاہئیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی، میانجی ابو حفص کے اس بیان کے متعلق فرماتے ہیں:

وهو كلام من لم يمارس الصحيحين أدنىٰ ممارسة فلو قال قائل ليس في الكتابين حديث واحد بهذه الصفة لما ابعد۔ (۳۲)

یہ اس شخص کی بات ہے جس کو صحیحین کی معمولی مزاولت بھی نہ ہو۔ اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ صحیحین میں اس صفت کی ایک حدیث بھی نہیں پائی جاتی تو یہ بات بعید نہیں۔

ابو حفص تو اپنے دعوے میں تنہا ہیں لیکن حاکم کی رائے سے بہت سے علماء نے اتفاق کیا ہے۔ جن میں امام بیہقی، حافظ ابو بکر بن العربی اور علامہ ابو السعادات ابن الاثیر جزری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ چنانچہ علامہ محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی فتح المغیث میں رقمطراز ہیں۔

وافقه عليها صاحبه البيهقي (۳۳)۔

۳۱۔ تدریب الراوی ص: ۱۷، وتوجیہ النظر ص: ۷۲
۳۲۔ توضیح الافکار قلمی ص: ۶۶۔

حاکم کے دعوی کی ان کے شاگرد بیہقی نے موافقت کی ہے۔

... علاوہ امیر یمانی حاکم کے بیان کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

ورجحه ابن الأثير وذهب إليه ابن العربي المالكي. (۳۳)

... کو ابن اثیر نے ترجیح دی ہے اور اسی طرف ابن العربی مالکی گئے ہیں۔

...شیخین کے بارے میں حاکم، بیہقی وغیرہ کے بیان کی تحقیق:

...ان بزرگوں نے شرط شیخین کے بارے میں جو دعویٰ کیا ہے وہ سراسر بے بنیاد ... نہ امام بخاری و مسلم سے یہ شرطیں منقول ہیں اور نہ صحیحین ان شروط پر پوری ... ہیں، اور جب حاکم کا بیان ہی درجہ صحت پر نہیں پہنچ سکتا تو ابو حفص کے دعوے کا ... کر ہی کیا کہ

ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا

...ابو علی غسانی اور قاضی عیاض کے سابقہ بیان میں اس دعوے کی تردید اشارۃً آپ ... نظر سے گزر چکی ہے۔ بعد کے مصنفین نے نہایت صراحت کے ساتھ اس خیال کی ...الفت کی ہے چنانچہ حافظ محمد بن طاہر حاکم کا بیان نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ...ں۔

الجواب أن البخاری ومسلما لم يشترطا هذ الشرط ولا نقل عن واحد منهما أنه قال ذلك والحاكم قدّر التقدير وشرط لهما هذا الشرط على ما ظن ولعمری أنه شرط حسن لو كان موجوداً في كتابيهما إلا انا وجدنا هذه القاعدة التى أسّسها الحاكم منتقضة في الكتابين جميعاً. (۳۵)

...تدریب الراوی ص: ۷۱۔

...توضیح الافکار قلمی ص: ۶۶۔

...شروط الائمۃ الستۃ طبع اعظمیہ حیدرآباد دکن ص: ۷

جواب یہ ہے کہ بخاری و مسلم نے یقیناً نہ تو یہ شرط کی اور نہ ان میں سے کسی سے منقول ہے کہ اس نے ایسا کہا ہو۔ حاکم نے ایک اندازہ لگایا اور اپنے خیال کے مطابق شیخین کی یہ شرط قرار دیدی۔ بجان من یہ شرط تو اچھی ہے کاش ان کی کتاب میں موجود بھی ہوتی مگر ہم نے تو اس اصول کو جس کی حاکم نے بنیاد رکھی ہے دونوں کتابوں میں ٹوٹتا ہوا پایا۔

پھر سات مثالیں حاکم کے دعوے کے خلاف پیش کر کے جو صحیحین میں موجود ہیں اور جن میں صحابی سے اس حدیث کا صرف ایک راوی ہے لکھتے ہیں۔

اقتصرنا منها على هذا القدر ليعلم أن هذه القاعدة التى أسّسها منتقضة لا أصل لها ولو اشتغلنا بنقض هذا الفصل الواحد في التابعين و أتباعهم ومن روى عنهم إلى عصر الشيخين لأربى على كتابه المدخل أجمع إلاّ أن الاشتغال بنقض كلام الحاكم لا يجدى فائدة وله فى سائر كتبه مثل هذا كثير عفى الله عنه.

ہم نے صرف اتنے ہی پر اکتفا کی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ حاکم نے جس قاعدہ کی بنیاد رکھی ہے وہ لغو اور بے اصل ہے اور اگر ہم اس کی صرف اس ہی قسم کے توڑنے میں مشغول ہوں تابعین اور تبع تابعین کے بارے میں اور جنہوں نے تبع تابعین سے روایت کی ہے شیخین کے زمانہ تک تو پوری مدخل سے زیادہ بڑی تصنیف ہو مگر حاکم کے کلام کی تردید کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ حاکم کی تصنیفات میں اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں اللہ اس کو معاف کرے۔

اور حافظ ابو بکر حازمی شروط الأئمة الخمسة میں رقمطراز ہیں۔

ان هذا قول من يستطرف أطراف الآثار ولم يلج تيار الأخبار وجهل مخارج الحديث ولم يعثر على مذاهبه أهل الحديث ومن عرف مذاهب الفقهاء في إنقسام الأخبار إلى المتواتر والأحاد وأتقن إصطلاح العلماء في كيفية تحرير الإسناد لم يذهب هذا

المذهب وسهل عليه المطلب ولعمرى هذا قول قد قيل ودعوى قد تقدمت حتى ذكره بعض أئمة الحديث في مدخل الكتابين. (ص:2)

یہ وہ کہہ سکتا ہے جو اطراف آثار کو اعجوبہ سمجھتا ہو اور احادیث کی امنڈتی ہوئی موجوں میں نہ گھسا ہو مخارج حدیث سے ناواقف اور محدثین کے مذاہب سے نابلد ہو جس کو متواتر وآحاد کی تقسیم سے متعلق فقہا کے مسلک معلوم ہیں اور جو تحریر اسناد کے متعلق علماء کی اصطلاح سے اچھی طرح باخبر ہے۔ اس کی یہ رائے نہیں ہو سکتی اور اس کے لئے معاملہ سہل رہے گا۔ بجان من یہ بات کہی جاچکی اور سابق میں ایسا دعویٰ ہو چکا یہاں تک کہ ایک امام حدیث نے مدخل الکتابین میں اس کو ذکر بھی کر ڈالا۔

[حاز]می نے صرف اس پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ انہوں نے اس کتاب میں ایک مستقل باب [اس] خیال کی تردید میں قائم کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

باب في إبطال قول من زعم أن من شرط البخاري إخراج الحديث عن عدلين وهلم جرًا إلى أن يتصل الخبر بالنبي صلى الله عليه وسلم.[٣٦]

[اس] کے بعد لکھتے ہیں۔

إن هذا حكم من لم يمعن الغوص في خبايا الصحيح ولو استقرأ الكتاب حق إستقرائه لوجد جملة من الكتاب ناقضة عليه دعواه.

[شرو]ط الائمة الخمسہ طبع اعظمیہ حیدر آباد دکن ص: ٣۔

یہ اس شخص کا حکم لگایا ہوا ہے جو صحیح بخاری کی پوشیدگیوں میں گہری نظر سے غوطہ زن نہیں ہوا اور اگر وہ جزئیات کتاب کا جس طرح پتہ لگانے کا حق ہے پتہ لگاتا تو کتاب کے بڑے حصہ کو اپنے دعوے کے خلاف پاتا۔

حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی اور حافظ ابوبکر محمد بن موسی حازمی نے ارباب صحاح کی شروط پر مستقل تصنیفیں کی ہیں۔ ابن طاہر کی کتاب کا نام شروط الائمة الستة ہے اور حازمی کی تصنیف شروط الائمة الخمسة کے نام سے موسوم ہے۔ ان دونوں بزرگوں نے حاکم کے خیال کی جس سختی سے مخالفت کی ہے اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے شیخین کی جو شرط متعین کی ہوگی وہ بڑی تحقیق وتلاش کا نتیجہ ہوگی جس کا صحیح ہونا یقینی ہے۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ اس سلسلہ میں ان دونوں حافظوں کی تحقیق پر بھی ایک اجمالی نگاہ ڈال لی جائے۔ افسوس ہے کہ ان دونوں کی رائے بھی اس بارے میں متحد نہ ہو سکی۔

شرط شیخین کے متعلق حافظ ابن طاہر کا بیان اور اس کی تحقیق:

حافظ ابن طاہر کو اس کا تو اقرار ہے کہ ائمہ ستہ میں کسی سے بھی اس بارے میں کچھ منقول نہیں ہے کہ ہماری کتاب میں جو روایت درج کی جائیں گی وہ فلاں شرط پر ہوگی چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

اعلم أن البخاری و مسلماً ومن ذکرنا بعدھم لم ینقل عن واحد منھم أنه قال شرطت أن أخرج في کتابی ما یکون علی الشرط الفلانی وإنما یعرف ذلك من سبر. کتبھم فیعلم بذلك شرط کل رجل منھم.

اس کا علم رہے کہ بخاری و مسلم اور ان لوگوں میں سے کسی سے بھی جن کا ہم نے بعد میں ذکر کیا ہے (یعنی بقیہ ارباب صحاح) یہ منقول نہیں ہے کہ اس نے

بیان کیا ہو کہ میں اپنی کتاب میں اس حدیث کو روایت کروں گا جو فلانی شرط پر ہو البتہ جو شخص ان کی کتابوں کو پرکھتا ہے وہ اس پرکھ سے ان میں سے ہر ایک کی شرط معلوم کرلیتا ہے۔

چنانچہ شرط شیخین کے متعلق اپنی پرکھ کا نتیجہ ان لفظوں میں ظاہر کیا ہے۔

إن شرط البخاری و مسلم أن یخرجا الحدیث المتفق علی ثقة نقلته إلی الصحابی المشهور من غیر إختلاف بین الثقات الاثبات ویکون إسناده متصلاً غیر مقطوع فإن کان للصحابی راویان فحسن وإن لم یکن له إلا راوٍ واحدٍ إذا صح الطریق إلی ذلک الراوی أخرجاه.

بخاری و مسلم کی شرط یہ ہے کہ وہ اس حدیث کی تخریج کریں کہ اول سند سے لے کر صحابی مشہور تک جس کے ناقلین کی ثقاہت متفق علیہ ہو اور ثقات اثبات میں کوئی اختلاف نہ ہو اس کی سند متصل اور غیر منقطع ہو پھر اگر اس صحابی سے دو راوی ہوں تو فبہا ورنہ اگر اس حدیث کا صرف ایک ہی راوی ہو اور اس راوی تک روایت کا طریقہ صحیح ہو تو اس حدیث کی بھی دونوں تخریج کرلیتے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ابن طاہر کی پرکھ کا نتیجہ کھرا ہے یا کھوٹا۔ حافظ زین الدین عراقی فرماتے ہیں۔

ولیس ما قاله بجیّد لأن النسائی ضعّف جماعة أخرج لهم الشیخان أو أحدهما. (۳۷)

ابن طاہر نے جو کہا ہے درست نہیں کیونکہ امام نسائی نے بخاری و مسلم کے رواۃ میں سے ایک جماعت کی تضعیف کی ہے۔

حافظ محمد بن ابراہیم وزیر یمانی عراقی کا بیان نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں۔

---

(۳۷) شرح شرح نخبۃ الفکر لوجیہ الدین العلوی ص: ۲۲ طبع جمالی ۱۲۷۲ھ۔

قلت ماهذا مما اختص به النسائی بل شارکه فی ذلك غیر واحد من أئمة الجرح والتعدیل كما هو معروف في كتب هذا الشان۔[۱۳۸]

میں کہتا ہوں کہ صرف نسائی کی اس بارے میں خصوصیت نہیں بلکہ بہت سے ائمہ جرح و تعدیل اس میں ان کے شریک ہیں چنانچہ کتب رجال میں مشہور ہے۔

ساری جرحیں مبہم بھی نہیں بلکہ بہت سی مفسر ہیں چنانچہ محدث محمد امیر یمانی فرماتے ہیں۔

لا يخفى أنه ليس كل من جرح من رجال الصحيحين جرحه مطلق بل فيه جماعة جرحوا جرحا مبين السبب۔[۱۳۹]

مخفی نہ رہے کہ رجال صحیحین میں سے جس پر جرح کی گئی ہے وہ جرح مطلق ہے بلکہ ان رواۃ میں ایک جماعت پر مفسر جرح موجود ہے جس کے اسباب بھی بیان کئے گئے ہیں۔

صرف صحیح بخاری کے ان رواۃ کی تعداد جن پر جرح کی گئی چار سو کے قریب ہیں جن میں سے تقریبًا تین سو کے حق میں جرح کو دفع کیا گیا ہے اور تقریبًا سو رواۃ کے حق میں اسے تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اگر صحیح مسلم کے راویوں کو بھی جمع کیا جائے تو تعداد اور زیادہ بڑھ جائے گی۔ حافظ ابن حجر نے صحیح بخاری کی بڑی خدمت کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلہ میں انہوں نے بہت بڑا کام انجام دیا ہے۔ مقدمہ فتح الباری میں حافظ موصوف نے ان جروح کا جواب دینے کی پوری کوشش کی ہے اور اپنی دانست میں جہاں

۱۳۸۔ تنقیح الانظار قلمی ص: ۱۷۔

۱۳۹۔ توضیح الافکار قلمی ص: ۶۱۔

تک ہوسکا کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اس پر بھی بعض جگہ بالکل سپر ڈال دینی پڑی چنانچہ اسحٰق بن محمد فروی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

قال الدار قطني والحاكم عيب على البخاري إخراج حديثه۔ (۱۳۰)

دار قطنی وحاکم نے کہا ہے کہ اس کی حدیث کی تخریج نے بخاری پر عیب لگا دیا۔
یہ وہی حاکم ہیں جو رواۃ شیخین کے لئے ثقاہت کو شرط بتاتے ہیں۔

كأنه لا يدري ما يخرج من رأسه۔

اسید بن زید جمال کے تذکرہ میں نسائی، ابن معین، دار قطنی، ابن عدی، ابن حبان، بزار اور ابو حاتم سے اس کے حق میں جرح نقل کرنے کے بعد صاف اقرار کیا۔

قلت لم أر لأحد فيه توثيقًا۔ (۱۳۱)

میں نے اس کے حق میں کسی کی توثیق نہیں دیکھی۔
یہی حال یحیٰ بن ابی زکریا غسانی واسطی کا ہے کہ ابن حبان نے اس کے بارے میں تصریح کی ہے لا تجوز الرواية عنه۔ (۱۳۲)

اور صرف دو ایک پر کیا منحصر ہے۔ صحیحین کے بہت سے رواۃ کی توثیق کا سرے سے وجود ہی نہیں چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی نے جن کے حق میں حافظ ابن حجر کے یہ الفاظ ہیں۔

وهو من أهل الإستقراء التام في نقد الرجال۔

مالک بن بجیر رماوی کے تذکرہ میں کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔

وفي رواة الصحيح عدد كثير ما علمنا أن أحدًا وثقه۔

۱۳۰۔ ج: ۲، ص: ۱۱۶

۱۳۱۔ ج: ۲، ص: ۱۱۷

۱۳۲۔ ج: ۲، ص: ۱۷۱

صحیح بخاری کے رواۃ میں ایک بڑی جماعت ہے جن کے متعلق کسی کی توثیق ہم کو معلوم نہ ہو سکی۔

اور حافظ صالح بن مہدی مقبلی کو کبانی نے تو نہایت ہی صراحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔

وأعجب من هذا أن في رجال لهما من لم يثبت تعديله وإنما هو في درجة المجهول أو المستور قال الذهبي في ترجمة حفص بن نفيل قال ابن القطان لا يعرف له حال ولا يعرف يعني فهو مجهول العدالة ومجهول العين مجمع الجهالتين۔(١٣٣)

اس سے بھی زیادہ تعجب خیز یہ بات ہے کہ رجال صحیحین میں بعض ایسے اشخاص بھی موجود ہیں کہ جن کی تعدیل ثابت نہیں اور وہ مجہول یا مستور کے درجہ میں ہیں ذہبی نے حفص بن نفیل کے ترجمہ میں ابن القطان کا قول اس کے حق میں بیان کیا ہے کہ نہ خود اس کا پتہ ہے نہ اس کے حالات کا پس وہ مجہول العدالت و مجہول العین یعنی مجمع الجہالتین ہے۔

لطف تو یہ ہے کہ بعض ان رواۃ سے بھی صحیح بخاری میں روایتیں موجود ہیں جن کو خود امام بخاری نے ضعفا میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ مقسم مولی ابن عباس کے بارے میں امام ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں۔

والعجب من البخاری أخرج له فی صحیحه وقد ذكره في كتاب الضعفاء.

بخاری پر تعجب ہے کہ اس نے اپنی صحیح میں اس سے روایت کی ہے حالانکہ خود ہی نے اس کو کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے۔

١٣٣۔ العلم الشامخ للمقبلی، ص: ٣٠٩، طبع مصر، ١٣٢٨ھ

اسی طرح ثابت بن محمد، زہیر بن محمد بن تمیمی، زیاد بن ربیع ابو خداش بصری، سعید بن عبید اللہ بن جبیر ثقفی، عباد بن راشد تمیمی، محمد بن یزید کوفی پر خود امام بخاری نے کلام کیا۔ اور صحیح بخاری میں ان سے حدیثیں بیان کی ہیں۔

ہمارے اس بیان سے ابن طاہر کے دعوی کی حقیقت تو پوری طرح واضح ہو جاتی ہے اور حاکم نے جو رواۃ شیخین کیلئے ثقاہت و حفظ واتقان کی جو شرط بیان کی تھی اس کا بھی اچھی طرح حال معلوم ہو جاتا ہے۔ اب ذرا حازمی کے بیان کی بھی تحقیق کرلی جائے تو بہتر ہے۔

شرط شیخین کے متعلق حافظ حازمی کا بیان اور اس کی تحقیق:

در حقیقت حافظ حازمی نے ارباب صحاح کی شروط خاص طور پر علیحدہ ذکر نہیں کیں بلکہ حدیث صحیح کی وہی عام شروط جو عموماً محدثین کے نزدیک مسلم ہیں یعنی یہ کہ راوی مسلم، عاقل، غیر مدلس اور عادل ہو طلب حدیث میں معروف ہو، ضابط، متیقظ، سلیم الذہن، باوقار، اور غیر مبتدع ہو۔ اگر مبتدع ہو تو کم از کم داعی نہ ہو۔ ان کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"مخرجین صحیح کا یہ مسلک ہے کہ راوی عادل اور اس کے مشائخ کے حالات پر اچھی طرح غور کیا جائے (غور کرنے کے بعد) اس کی حدیثیں بعض شیوخ سے تو بالکل صحیح اور ثابت ہوں گی ان کا اخراج لازمی ہے اور بعض شیوخ کی حدیثوں میں اعتراض کی گنجائش ہوگی ایسی احادیث کا اخراج صرف شواہد و متابعات میں صحیح ہو سکتا ہے۔ در حقیقت یہ ایک بہت دقیق شے ہے (اور اس کے علم کا) یہ طریقہ ہے کہ اصل راوی سے جتنے رواۃ ہیں ان کے طبقات کی معرفت حاصل کی جائے اور ہر ایک کے درجہ و مرتبہ سے واقفیت ہو۔ اس کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں مثلاً امام زہری کے اصحاب و تلامذہ کے پانچ طبقے ہیں اور ہر طبقے کو اپنے بعد والے طبقہ پر فوقیت حاصل ہے

پہلا طبقہ صحت کے نہایت اعلیٰ معیار پر ہے جس میں امام مالک، ابن عیینہ، یونس، عقیل وغیرہ داخل ہیں۔ اس طبقہ کی روایات کا اخراج بخاری کا مقصد ہے۔

دوسرا طبقہ جہاں تک عدالت کا سوال ہے پہلے طبقے کا برابر کا شریک ہے مگر پہلے طبقے کو علاوہ بریں کہ وہ ضبط و اتقان کا جامع ہے زہری کی خدمت میں عرصہ دراز تک رہنے کا بھی موقع ملا ہے چنانچہ ان میں سے بعض تو ایسے تھے جن کا سفر و حضر میں کسی وقت ساتھ نہیں چھوٹتا تھا جیسے لیث بن سعد اوزاعی اور نعمان بن راشد لیکن دوسرے طبقے کو زہری کی خدمت میں حاضری کا موقع کم ملا اس لئے ان میں حدیث زہری کی ممارست پیدا نہ ہو سکی اور پھر اتقان میں بھی وہ پہلے طبقے سے کم تھے جیسے جعفر بن زرقان، سفیان بن حسین سلمی، زمعہ بن صالح مکی یہ لوگ مسلم کی شرط پر ہیں۔

تیسرے طبقے کو زہری کی خدمت میں طویل عرصہ تک رہنے کا موقع تو اسی طرح ملا جس طرح پہلے طبقے کو حاصل تھا مگر وہ لوگ جرح کی آمیزش سے پاک نہ ہو سکے اس لئے ان کی حدیث رد و قبول کے درمیان ہے جیسے معاویہ بن یحیٰ صدفی، اسحٰق بن یحیٰ کلبی اور مثنیٰ بن صباح، ابو داؤد و نسائی کی شرط پر ان سے بھی روایت کی جا سکتی ہے۔

چوتھا طبقہ جرح و تعدیل میں تو تیسرے طبقہ کا برابر کا شریک ہے مگر چونکہ اس طبقہ کو زہری کی خدمت میں حاضری کا موقع زیادہ نہ مل سکا اس لئے زہری کی حدیث کی ممارست بھی ان میں کم رہی۔ ترمذی کی شرط میں ان کی روایت بھی داخل کی جا سکتی ہے۔

پانچواں طبقہ ضعفاء و مجہولین کی جماعت کا ہے کہ مخرجین ابواب کو ان کی حدیث کی تخریج جائز ہی نہیں البتہ اعتباراً و استشہاداً ان سے روایت کی جا سکتی

ہے۔ (۱۳۳) چنانچہ باستثناء شیخین ابو داؤد وغیرہ نے ایسا کیا بھی ہے اس طبقہ کے لوگوں میں بحر بن کنیز سقا اور حکم بن عبداللہ ایلی داخل ہیں۔

کبھی کبھی خاص اسباب کی بنا پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ بخاری دوسرے طبقے کے اعلی اشخاص سے اور مسلم تیسرے طبقے کے اکابر سے اور ابو داؤد چوتھے طبقے کے مشاہیر سے روایت کرلیتے ہیں۔

بلاشبہ اس بیان میں حازمی نے شرط مسلم، شرط ابی داؤد، شرط ترمذی کے الفاظ استعمال کئے ہیں لیکن یہ شرط مطرد نہیں ہے۔ اور حازمی خود اس شرط کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار نہیں چنانچہ مذکورۂ بالا بیان کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

وليس غرضي في هذا الباب ترتيبهم على وزن ما قد خرجوا في الصحاح وانما قصدي التنبيه والتعريف. ص:۱۹

میرا مقصد اس بارے میں یہ نہیں کہ صحاح میں جو ان بزرگوں نے تخریج کی ہے وہ اسی ترتیب کے موافق ہے بلکہ میرا مقصد تو اس سلسلہ میں صرف آگاہ کرنا اور بتلا دینا ہے۔

دیکھا آپ نے کس طرح دو لفظوں میں ذمہ داری قبول کرنے سے صاف نکل گئے جس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہوئے کہ مذکورہ بالا بیان میں جو شرط کا لفظ آیا ہے وہ لفظا شرط ہے حقیقت نہیں۔ حازمی بڑے باخبر اور وسیع العلم تھے حاکم کی جس تختی سے انہوں نے تردید کی ہے آپ کی نظر سے گزر چکی بھلا وہ اس ذمہ داری کو قبول کرکے دوسروں کو اپنے متعلق زبان کھولنے کا کیوں موقع دیتے۔ چنانچہ امام مسلم کی شرط کے متعلق آگے چل کر صاف کہہ دیا

أما شرط مسلم فقد صرح به فى خطبة كتابه۔ ص:۲۱

۱۳۳۔ حاکم نے ابتدائے کتاب میں مخرجین ابواب کی جو شرط بیان کی ہے اس کی صحت پر حازمی اس بیان سے بھی روشنی پڑتی ہے۔

اگرچہ امام مسلم کے بیان کو ان کی شرط قرار دینا بھی محض برائے نام ہے۔
رہی مسلم کی شرط تو مسلم نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں اس کی تصریح کر دی ہے۔
اسی طرح امام ابو داود کا بیان ان کے مشہور رسالہ **إلی أهل مكة** سے نقل کر کے اور امام ترمذی کا بیان ان کی کتاب **العلل** سے نقل کر کے اپنی بیان کردہ شرط سے بھی بری ہو گئے۔

غرض حازمی کا بیان پوری تفصیل سے آپ کے سامنے ہے اس سے شرط شیخین کے متعلق ان کے خیالات کا آپ اچھی [illegible] اندازہ لگا سکتے ہیں۔ تاہم بعض مصنفین یعنی زین الدین عراقی و سخاوی وغیرہ نے ان کے کلام کا خلاصہ ان لفظوں میں پیش کیا ہے۔

إن شرط البخاری أن يخرج ما اتصل اسناده بالثقات المتقنين الملازمين لمن اخذوا عنه ملازمة طويلة وانه قد يخرج احيانا عن اعيان الطبقة التی تلی هذه فی الاتقان والملازمة لمن رووا عنه فلم يلازموه الا ملازمة يسيرة وان شرط مسلم صح وقد يخرج احاديث من لم يسلم من غوائل الجرح اذا كان طويل الملازمة لمن اخذ عنه لحماد بن سلمة فی ثابت البنانی۔[۱۳۵]

بخاری کی شرط یہ ہے کہ اس حدیث کی تخریج کریں جس کی سند متصل اور رواۃ ثقات و متقن ہوں اور یہ لوگ جس سے روایت کریں اس کی طویل رفاقت ان کو حاصل ہو البتہ کبھی کبھی وہ دوسرے طبقہ کے ان اکابر سے بھی روایت کر لیتے ہیں۔ جو اس طبقہ سے اتقان اور مروی عنہ کی رفاقت میں متصل ہو اور مسلم کی شرط اسی دوسرے طبقہ کی احادیث کی تخریج ہے البتہ وہ کبھی کبھی ان لوگوں سے بھی روایت کرتے ہیں جو جرحی آمیزش سے سالم نہیں بشرطیکہ ان کو مروی عنہ سے طویل ملازمت حاصل ہو جیسے ثابت بنانی سے حماد بن سلمہ کی روایت۔

۱۳۵۔ فتح المغیث للسخاوی

حافظ محمد بن ابراہیم وزیر یمانی اس عبارت کو نقل کرکے لکھتے ہیں۔

قال زین الدین ھذا حاصل کلام الحازمی۔[۱۳۶]

زین الدین کا بیان ہے کہ یہ حازمی کے کلام کا خلاصہ ہے۔

اگر حازمی کے بیان کا یہ خلاصہ صحیح تسلیم کرلیا جائے تو پھر حازمی کے نزدیک بخاری کی شرط ابن طاہر کی بیان کردہ شرط سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ ابن طاہر کے نزدیک اتصال سند کے ساتھ رواۃ کا باتفاق ثقہ ہونا کافی ہے۔ حازمی کے کلام میں صرف ایک شرط "باتفاق ثقہ ہونا" تو نہیں اتصال سند کے ساتھ رواۃ کا نہ صرف ثقہ بلکہ متقن ہونا بھی ضروری ہے اور اسی پر اکتفاء نہیں بلکہ شیوخ واساتذہ کی خدمت میں عرصہ تک حاضر رہنا بھی لازمی ہے اور اس اصول پر صحیح بخاری میں تو یقیناً کسی مجروح راوی کا سرے سے وجود ہی نہیں البتہ صحیح مسلم میں اس قسم کی روایات ضرور موجود ہیں لیکن وہ صرف ایسے رواۃ سے ہیں جو اپنے شیوخ کی خدمت میں عرصہ تک رہ چکے ہیں۔

ابن طاہر کے بیان پر سب سے پہلے جس نے اعتراض کیا ہے وہ یہی حافظ زین الدین عرقی ہیں مگر حازمی کے کلام کا خلاصہ بیان کرکے ایسے خاموش ہوگئے کہ گویا اس میں غلطی کا شائبہ تک موجود نہیں۔ اس لئے درحقیقت اس بیان کے متعلق کچھ کہنا حازمی کی تردید نہیں بلکہ خلاصہ نگاروں کے بیان پر روشنی ڈالنا ہے۔

رواۃ صحیحین کی توثیق واتقان کا جو حال ہے وہ ابن طاہر کی بیان کردہ شرط کی بحث میں آپ کی نظر سے گزر چکا۔ اس پر اساتذہ کی خدمت میں حاضری اور ضروری قرار دیدی گئی تو اب اس کے سوا کیا کہا جائے کہ:

ع وھذا لعمری فی القیاس بدیع

---

[۱۳۶] تنقیح الانظار، قلمی، ص: ۱۸

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ بعض رواۃ کا سماع اپنے شیوخ سے محدثانہ طریق سے ثابت نہیں مگر صحاح ستہ میں ان کی روایت انہی شیوخ سے موجود ہے چنانچہ ابن حجر عسقلانی هدي الساري میں تحریر فرماتے ہیں۔

وهب بن جرير بن حازم البصرى أحد الثقات ذكره ابن عدى في الكامل وأورد قول عفان فيه إنه لم يسمع من شعبة وقال أحمد عن ابن مهدى ما كنا نراه عند شعبة إحتج به الأئمة وأوردوا له من حديثه عن شعبة۔[۱۳۷]

وہب بن جریر بن حازم بصری ثقات میں سے ہیں ابن عدی نے کامل میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے متعلق عفان کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے شعبہ سے سماع حدیث نہیں کیا اور امام احمد ابن مہدی سے ناقل ہیں کہ ہم تو ان کو شعبہ کے پاس نہیں دیکھتے تھے۔ ائمہ ستہ نے ان سے احتجاج کیا ہے اور شعبہ کی روایت سے ان کی حدیثیں نقل کی ہیں۔

اسی طرح ہشام بن حسان کے حسن بصری سے لقاء اور روایت میں کلام ہے اور بخاری نے حسن بصری سے اس کی حدیث روایت کی ہے۔ یحیٰ بن عبداللہ بن بکیر کے متعلق امام مسلم نے فرمایا ہے کہ امام مالک سے ان کا سماع متکلم فیہ ہے خود امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ اہل حجاز سے جو تاریخ میں روایت کرتے ہیں میں اس سے اجتناب کرتا ہوں۔ اس کے باوجود صحیح بخاری میں امام مالک سے ان کی روایت موجود ہے۔

علامہ محدث محمد امیر یمانی نے توضیح الافکار میں زین الدین عراقی کے اس بیان کردہ خلاصہ کی پوست کندہ تردید کردی ہے۔ چنانچہ ملازمت طویلہ کی شرط بخاری نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

۱۳۷۔ ج: ۲ ص: ۱۷۱

هذا لا يوافق ما نقل عن البخاری من أنه يشترط اللقاء ولو مرة.[۱۳۸]

یہ موافق نہیں ہے بخاری کے اس بیان سے جو ان سے منقول ہے کہ ان کے نزدیک صحت روایت کیلئے صرف ایک بار ملاقات مشروط ہے۔

اور مسلم کی شرط ملازمة يسيرة کو ذکر کرکے فرماتے ہیں۔

لايخفى أن مسلما لا يشترط اللقاء أصلاً كما صرح به فى مقدمة صحيحه.[۱۳۹]

مخفی نہیں ہے کہ مسلم کے نزدیک بقاء سرے سے مشروط نہیں. چنانچہ مقدمہ صحیح میں اس کی تصریح کی ہے۔

کہ حازمی کے کلام کا جو خلاصہ زین الدین وغیرہ نے پیش کیا ہے وہ خود بخاری و مسلم کی تصریحات کے خلاف ہے۔

شرط شیخین کے متعلق ابن حجر وغیرہ کا بیان اور اس کی تحقیق:

حافظ ابن حجر وغیرہ نے جب دیکھا کہ صحیحین کے لئے کوئی خاص شرط مقرر نہیں کی جا سکی اور شیخین سے اس بارے میں کچھ منقول ہے نہیں تو فرمادیا کہ:

المراد به رواته ما مع باقى شروط الصحيح.[۱۴۰]

یعنی شرط شیخین سے مراد حدیث صحیح کی عام شروط کے ساتھ صرف رواۃ صحیحین ہیں۔

۱۳۸۔ ص: ۲۶

۱۳۹۔ ص: ۲۶

۱۴۰۔ دیکھو: شرح نخبہ

حافظ عراقی نے تصریح کی ہے کہ حافظ ابن صلاح، علامہ ابن دقیق العید، محدث نووی اور حافظ ذہبی کا بھی یہی خیال ہے۔[131]

سبحان اللہ جب اور کچھ شرط نہ مل سکی تو اسی کو شرط قرار دیدیا۔ بخاری و مسلم نے کہاں تصریح کی ہے کہ ہمارے نزدیک صرف ان ہی رواۃ سے حدیث کی تخریج مشروط ہے جن سے ہم صحیحین میں روایت کرچکے ہیں اور دوسرے رواۃ گو وہ ثقہ، صدوق، متقن، ضابط، غرض خواہ کتنے ہی اعلیٰ درجہ کے اوصاف قبول سے متصف ہوں مگر ہم ان سے ہرگز روایت نہیں کریں گے کیونکہ ان سے روایت ہماری شرط میں داخل نہیں۔

اگر ایسا ہی ہے تو سوال پیدا ہوگا کہ آخر شیخین نے کیوں خاص ضعفاء و مجاہیل تک کی روایت اپنی شرط قرار دیدی اور صحیح الحدیث غیر مجروح رواۃ کو اپنی شرط سے خارج کردیا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ بخاری و مسلم نے ہر ثقہ شخص سے روایت نہیں کی ہے بلکہ ہزارہا ثقات و متقنین ہیں کہ جن سے صحیحین میں ایک حرف منقول نہیں۔

حافظ ابو بکر حازمی شروط الائمۃ الخمسۃ میں لکھتے ہیں:

إنه لم يخرج عن كل من صح حديثه ولم ينسب إلى شئ من جهات الجرح وهم خلق كثير يبلغ عدد هم نيفا وثلاثين ألفا لأن تاريخه يشتمل على نحو من أربعين ألفا وزياده وكتابه فى الضعفاء دون السبع مائة ومن خرجهم في جامعه دون ألفين.[132]

امام بخاری نے یہ نہیں کیا ہے کہ ہر اس شخص سے روایت کی ہو جو صحیح الحدیث ہو اور جس کے متعلق کسی قسم کی بھی کوئی جرح منسوب نہ ہو اور ایسی جماعت اتنی بڑی ہے کہ جس کی تعداد تیس ہزار سے اوپر پہنچتی ہے کیونکہ امام بخاری کی تاریخ میں چالیس ہزار کے قریب اشخاص کا ذکر ہے اور ان کی کتاب الضعفاء

---

[131]۔ دیکھو التقیید الایضاح ص: ۱۷ طبع حلب اور شرح شرح النخبہ لعلی القاری ص: ۶۷، طبع استنبول

[132]۔ ص: ۲۱

میں سات سو سے بھی کم مذکور ہیں۔ اور جن سے صحیح بخاری میں روایت کی ہے وہ دو ہزار سے بھی کم ہیں۔

اور حاکم نے المدخل میں کہا ہے کہ میں نے صحیحین کے تمام رواۃ کو جمع کیا تو دو ہزار مرد و عورت سے بھی کم نکلے۔

اب اگر صرف یہی رواۃ صحیحین بشرط الشیخین ہیں تو آخر یہ ترجیح بلا مرجح کیوں؟ کیا صحیحین کے رواۃ ضعفاء و مجاہیل کو بھی دیگر ارباب سنن و جوامع کے ثقات و متقنین پر فضیلت حاصل ہے۔

إنّ هذا لشيء عجاب۔

سچ بات یہ ہے کہ:

ع چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

حافظ محمد امیر یمانی نے توضیح الأفکار میں ابو حفص میانجی کی بیان کردہ شروط کے علاوہ سب کے بیانات پر تفصیل سے بحث کی ہے چنانچہ اس اخیر قول شرطهما رواتهما کو نقل کرکے فرماتے ہیں۔

ولكنه لا يخفى بعد هذا كله وإن جعل شرطهما ماذكر من أحد الأربعة الأقوال إنما هو تظنين وتخمين من العلماء انه شرط لهما إذ لم يأت عنهما تصريح بما شرطاه نعم مسلم قد أبان فى مقدمة صحيحه من يخرج عنهم حديثه۔[۱۳۳]

لیکن اس کا پورے طور پر بعید از تحقیق ہونا مخفی نہیں ہے یقیناً ان ہر چار اقوال (قول حاکم و ابن طاہر و حازمی و ابن حجر وغیرہ) میں سے کسی ایک کو شرط شیخین قرار دینا محض علماء کا ظن و تخمین ہے کہ یہ ان کی شرط ہے کیونکہ ان دونوں سے اس کے متعلق کچھ تصریح موجود نہیں کہ انہوں نے کیا شرائط ملحوظ

۱۳۳۔ ص: ٦٧

رکھی ہیں۔ البتہ امام مسلم نے مقدمہ صحیح میں ظاہر کر دیا ہے کہ وہ کن اشخاص کی احادیث کی تخریج کریں گے۔

ابن العربی اور شرط شیخین:

حافظ ابو بکر بن العربی نے تو اس سلسلہ میں شیخین کے متعلق ایک عام دعویٰ کیا ہے یعنی نہ صرف یہ کہ شیخین نے اس شرط کو صحیحین میں ملحوظ رکھا ہے بلکہ ان کے خیال میں امام بخاری و مسلم کے نزدیک کوئی حدیث اس وقت تک ثابت ہی نہیں ہوتی جب تک کہ اس کو دو شخص روایت نہ کریں اور لطف یہ کہ اپنے اس مزعومہ خیال کو شیخین کا مذہب قرار دے کر پھر خود ہی اس کو مذہب باطل فرماتے ہیں۔ چنانچہ شرح مؤطا میں رقمطراز ہیں۔

کان مذهب الشيخين أن الحديث لايثبت حتى يرويه إثنان وهو مذهب باطل بل رواية الواحد عن الواحد صحيحة إلى النبي صلى الله عليه وسلم.[۱۳۲]

امام بخاری و مسلم کا مذہب ہے کہ کوئی حدیث اس وقت تک ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ دو شخص اس کو بیان نہ کریں لیکن یہ مذہب باطل ہے بلکہ ایک شخص کی روایت دوسرے ایک شخص سے رسول اللہ ﷺ تک صحیح ہے۔

کیا خوب خود ہی مدعی خود ہی شاہد اور خود ہی قاضی، بھلا فرمایئے کہ امام بخاری یا امام مسلم نے کب کہاں، کس کتاب میں یا کس شخص کے سامنے اپنا یہ مذہب بتایا ہے جو اس کی تردید کی ضرورت پیش آئی اور اسے مذہب باطل قرار دیا گیا۔

ع اے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست

محدث ابن رشید نے قاضی ابن العربی کے اس بیان پر بڑی حیرت کا اظہار کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

۱۳۲۔ تدریب الراوی ص: ۱۷

والعجب منه كيف يدعي عليهما ذلك ثم يزعم أنه مذهب باطل فليت شعري من أعلمه بأنهما إشترطا ذلك إن كان منقولا فليبين طريقه لننظر فيهما وإن كان عرفه بالإستقراء فقد وهم في ذلك۔ (۱۳۵)

ابن العربی پر تعجب ہے کہ انہوں نے کیوں شیخین کے متعلق ایسا دعویٰ کیا اور پھر اسے مذہب باطل سمجھا۔ کاش مجھے پتہ چلتا کہ کس نے ان کو یہ بتایا کہ شیخین اس کو مشروط قرار دیتے ہیں اگر یہ شیخین سے منقول ہے تو اس کی سند بیان کی جائے تاکہ ہم اس پر غور کر سکیں اور اگر تتبع صحیحین سے یہ چیز انہوں نے معلوم کی ہے تو یقیناً انکو اس بارے میں وہم ہوا۔

اس خیال کی تردید کہ صحیحین میں عزیز حدیثیں موجود نہیں:

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ عزیز حدیثوں کا وجود ہی نہیں یعنی سرے سے کوئی ایسی روایت پائی ہی نہیں جاتی کہ جس کے ہر طبقہ میں دو راوی ہوں یا صحیحین میں اس قسم کی کوئی روایت موجود نہیں۔ بلکہ بحث صرف یہ ہے کہ کیا امام بخاری و مسلم نے صحیحین میں تخریج حدیث کے لئے یہ شرط لازمی قرار دی ہے یعنی کیا صحیحین کی ہر حدیث ایسی ہے کہ اس کے ہر طبقہ میں دو دو راوی ہیں تو اس کا جواب نفی میں ہے کہ امام بخاری و مسلم نے کسی ایسی شرط کی پابندی اپنے اوپر لازمی نہیں قرار دی۔ اگرچہ صحیحین میں ایسی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں یہ صفت موجود ہے۔ تاہم ان میں ایسی بھی روایات موجود ہیں جو اس شرط پر پوری نہیں اترتیں۔ ظاہر ہے کہ اگر ایسی صورت میں اس کو شرط قرار دیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ امام بخاری و مسلم نے اس شرط کا

---

(۱۳۵) ایضاً

ایفاء نہیں کیا۔ حالانکہ ان بزرگوں نے کبھی بھی اس قسم کا کوئی دعویٰ نہیں کیا کہ اس التزام کی ضرورت داعی ہو۔

حافظ ابو عبداللہ بن المواق رقم فرما ہیں:

لا أعلم أحدًا روى عنهما أن هما صرّحا بذلك ولا وجود له في كتابيهما ولا خارجًا عنهما فان كان قائل ذلك عرفه من مذهبهما بالتصفح لتصرفهما في كتابيهما فلم يصب لأن الأمرين معًا في كتابيهما وإن كان أخذه من كون ذلك أكثريا في كتابيهما فلا دليل فيه على كونهما إشترطاه ولعل وجود ذلك أكثريا إنما هو لأن من روى عنه غير واحد أكثر ممن لم يرو عنه إلا واحد في الرواة مطلقا لا بالنسبة إلى من خرج له من هم في الصحيحين وليس من الإنصاف التزام هماهذا الشرط من غير أن يثبت عنهما ذلك مع وجود إخلا لهما به لأنهما إذ صح عنهما إشتراط ذلك كان في اخلا لهما به درك عليهما۔[۱۳۶]

میں نہیں جانتا کہ کسی ایک شخص نے بھی شیخین سے یہ روایت کی ہو کہ انہوں نے اس کی تصریح کی ہے نہ اس کا صحیحین میں پتہ ہے نہ صحیحین کے علاوہ اور کہیں۔ اگر اس کے قائل نے صحیحین میں شیخین کے طرز عمل کو دیکھ کر ان کا یہ مذہب سمجھا ہے تو اس نے غلطی کی کیونکہ صحیحین میں تو دونوں قسم کی حدیثیں موجود ہیں اور اگر اس نے صحیحین میں اس قسم کی حدیثوں کو اکثر دیکھ کر یہ خیال کیا ہے تو یہ شیخین کے نزدیک اس کے مشروط ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی ۔اور غالبًا اس کا وجود اکثر اسی لئے ہے کہ عام طور پر رواۃ میں ایسے اشخاص زیادہ ہیں جن سے ایک سے زیادہ اشخاص نے روایت کی ہے۔ صحیحین کے رواۃ کی اس

۱۳۶۔ تدریب الراوی ص: ۳۹

بارے میں کچھ خصوصیت نہیں اور یہ انصاف سے بالکل بعید ہے کہ ان سے ثابت ہوئے بغیر اس شرط کو ان پر لازم کر دیا جائے۔ حالانکہ انہوں نے صحیحین کو اس شرط سے خالی رکھا ہے۔ کیونکہ جب ان کے متعلق اس کا اشتراط ثابت ہوگا تو اس کے چھوڑ دینے سے ان پر اعتراض عائد ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی ابن المواق کے اس بیان کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

هذا كلام مقبول وبحث قوى.(۱۴۷)

دوسرے امر کی بحث:

دوسری چیز جو حاکم کے کلام میں پائی جاتی ہے یہ ہے کہ امام بخاری اور مسلم کے شیخ سے لے کر صحابی تک ہر ایک راوی ثقہ اور روایت حدیث میں مشہور ہو، علامہ ابن الجوزی بھی اس بارے میں حاکم کے ہم زبان ہیں. محدث سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں.

وقال ابن الجوزي اشترط البخاري ومسلم الثقة والاشتهار. (ص ۱۷)

ابن جوزی کا بیان ہے کہ امام بخاری اور مسلم نے ثقاہت اور شہرت کو مشروط قرار دیا ہے۔

حافظ ابن طاہر نے اس سے بھی بڑھ کر دعوی کیا ہے فرماتے ہیں:

ان شرط البخارى ومسلم أن يخرجا الحديث المتفق على ثقة نقلته إلى الصحابي المشهور من غير اختلاف بين الثقات الأثبات ويكون اسناده متصلا غير مقطوع فإن كان للصحابي راويان فحسن وان لم يكن له إلا راو واحد صح الطريق إلى ذلك الراوي أخرجاه.۱۴۸

۱۴۷ـ تدریب الراوی ص: ۳۹

۱۴۸ـ شروط الائمۃ الستہ، ص ۲

امام بخاری اور مسلم کی شرط یہ ہے کہ وہ اس حدیث کی تخریج کریں کہ اول سند سے لے کر صحابی مشہور تک جس کے ناقلین کی ثقاہت متفق علیہ ہو اور ثقات اثبات میں ان کے بارے میں کوئی اختلاف نہ ہو، نیز اس کی سند متصل غیر منقطع ہو پھر اگر اس صحابی سے دو راوی ہوں تو فبہا ورنہ اگر اس حدیث کا صرف ایک راوی ہو اور اس راوی تک روایت کا طریقہ صحیح ہو تو اس حدیث کی بھی دونوں تخریج کر لیتے ہیں۔

لیکن اس کو بھی صحیحین کی ہر روایت کے لیے شرط قرار دینا کسی طرح درست نہیں۔

حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں:

لیس ما قاله بجید لان النسائی ضعف جماعة اخرج لهم الشیخان او احدهما۔[149]

ابن طاہر نے جو کہا ہے درست نہیں کیوں کہ نسائی نے بخاری اور مسلم کے رواۃ میں سے ایک جماعت کی تضعیف کی ہے۔

حافظ محمد بن ابراہیم وزیر یمانی عراقی کا بیان نقل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں۔

قلت لیس هذا مما اختص به النسائي بل قد شارکه في ذلك غیر واحد من أئمة الجرح والتعدیل کما هو معروف في کتب هذا الشأن۔[150]

میں کہتا ہوں کہ نسائی کی ہی اس بارے میں خصوصیت نہیں ہے بلکہ بہت سے ائمہ جرح وتعدیل اس سلسلے میں ان کے شریک ہیں جیسا کہ کتب رجال میں مشہور ہے۔

ساری جرحیں مبہم بھی نہیں بلکہ بہت سی مفسر ہیں چنانچہ محدث محمد امیر الیمانی فرماتے ہیں:

قلت إلا أنه لا یخفی أنه لیس کل من جرح من رجال الصحیحین جرحه مطلق بل فیهم جماعة جرحوا جرحا مبین السبب۔[151]

---

[149] تدریب الراوی، ص ۳۸

[150] تنقیح الانظار، قلمی، ص ۱۷

[151] توضیح الافکار، قلمی، ص ۶۱

مخفی نہ رہے کہ رجال صحیحین میں سے جس پر جرح کی گئی ہے وہ جرح مطلق ہی نہیں ہے بلکہ ان رواۃ میں ایک جماعت پر جرح مفسر ہے جس کہ اسباب بتائے گئے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:

لیکن اس سے یہ وہم نہ ہونا چاہئے کہ صحیحین میں جعلی یا موضوع حدیثیں موجود ہیں جیسا کہ بعض دشمنان اسلام منکرین حدیث کا خیال ہے۔ بلکہ لفظ شرط مد نظر رہے کیونکہ اس کے ماننے کا یہ مطلب ہے کہ صحیحین میں ایک بھی روایت ایسی موجود نہیں جو کسی متکلم فیہ یا مجروح راوی سے بیان کی گئی ہو۔

حالانکہ ان میں بعض روایات ایسی پائی جاتی ہیں جن کے سلسلہ سند میں کوئی متکلم فیہ یا مجروح راوی موجود ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اس کو ہر روایت کے لئے شرط نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ شیخین سے اس بارے میں ایک حرف منقول نہیں خصوصاً جبکہ بعض رواۃ کی تضعیف کا خود ان کو بھی اقرار ہے۔ البتہ ضعفاء سے روایت کے متعلق سوال ہو سکتا ہے جس کے متعلق ہم سابق میں تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔ یہاں مزید اطمینان کے لئے صرف اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ بلاشبہ امام بخاری و مسلم کے نزدیک صحیح حدیث کی تخریج مشروط ہے۔ اس لئے رواۃ صحیحین کے لئے ثقاہت و شہرت کو بنیاد و اساس تو کہا جاسکتا ہے لیکن شرط نہیں کہا جاسکتا۔ پس اگر ضعف راوی متابعات و شواہد سے جاتا رہے تو اس کی روایت صحیح ہو گی اور ایسی ہی صورت میں امام بخاریؒ یا امام مسلم اس روایت کو اپنی صحیح میں داخل کر لیتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی تصریح فرماتے ہیں۔

إن ما قاله ابن طاهر هو الأصل الذي بنيا عليه وقد يخرجان عنه لمرجح يقوم مقامه۔ (۱۵۲)

۱۵۲۔ تدریب الراوی ص: ۳۸۔

بلاشبہ ابن طاہر کا جو بیان ہے شیخین نے اسی اصول پر بنیاد رکھی ہے البتہ کبھی کبھی اس اصول کو اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ کوئی وجہ ترجیح اس اصول کی قائم مقام ہوتی ہے۔

اور علامہ حافظ محمد بن ابراہیم وزیر یمانی الروض الباسم میں یہ بیان کرنے کے بعد کہ امام بخاری نے ایک جماعت کی تضعیف کی صراحت کی ہے اور ان سے صحیح میں تخریج بھی کی ہے فرماتے ہیں۔

إن صاحبي الصحيح قد يخرجان من الطريق التي فيها ضعف لوجود متابعات وشواهد تجبر ذلك الضعف وإن لم تورد تلك المتابعات والشواهد في الصحيحين قصداً للاختصار والتقريب على طلبة العلم مع أن تلك المتابعات والشواهد معروفة في الكتب البسيطة والمسانيد الواسعة وربما أشار بعض شراح الصحيحين إلى شئ منها۔[۱۵۳]

امام بخاری و مسلم کبھی کبھی طریق ضعیف سے حدیث کی تخریج کرتے ہیں کیونکہ اس حدیث کے متابعات و شواہد موجود ہوتے ہیں جن سے وہ ضعف جاتا رہتا ہے اگرچہ وہ متابعات و شواہد صحیحین میں اختصار اور طلبۃ العلم کی آسانی کے لئے مذکور نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ متابعات و شواہد بڑی بڑی کتابوں اور ضخیم مسندوں میں مشہور و معروف ہوتے ہیں اور بسا اوقات شارحین صحیحین ان کی طرف اشارے کرتے جاتے ہیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہوتی ہے مگر ایک سلسلہ سند دراز اور لمبا ہوتا ہے اور دوسرا چھوٹا اور مختصر لیکن اس میں کوئی متکلم فیہ راوی پایا جاتا ہے۔ شیخین حدیث کو دوسرے سلسلہ سے روایت کرتے ہیں کیونکہ سند جتنی مختصر ہوگی اتنی ہی عالی کہلائے گی اور اول طریقہ کو اس کے نازل ہونے اور نیز تکرار سے

---

[۱۵۳] ج:۱، ص:۸۳۔

پہنے کے خیال سے ذکر نہیں کرتے۔ چنانچہ حافظ ابو بکر حازمی شروط الائمۃ الخمسۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ثم قد يكون الحديث عند البخارى عالياً وله طرق بعضها أرفع من بعض غيرأنه يجيد أحيانًا عن الطريق الأصح لتروله أويسام تكرار الحديث إلىٰ غير ذلك وقد صرح مسلم بنحو ذلك[۱۵۴]۔

علاوہ بریں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بخاری کی حدیث باعتبار سند عالی ہوتی ہے اور اس حدیث کے متعدد طرق ہوتے ہیں جن میں بعض بعض سے اچھے ہوتے ہیں اور امام بخاری زیادہ صحیح سلسلہ سند کی طرف نازل ہونے یا تکرار حدیث یا دیگر اسباب کی بنا پر متوجہ نہیں ہوتے اور امام مسلم سے تو اس قسم کی تصریح بھی موجود ہے۔

شیوخ شیخین و تبع تابعین کے لئے حفظ و اتقان کی شرط:

مذکورۂ بالا بحث سے یہ بھی اچھی طرح واضح ہوگیا کہ جب صحیحین کے ہر راوی کے لئے ثقاہت شرط لازم نہیں تو پھر شیوخ شیخین اور تبع تابعین کے لئے حفظ و اتقان کیونکر لازم ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے هدي الساري مقدمة فتح البارى میں اتباع تابعین اور شیوخ شیخین میں سے متعدد اشخاص کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ وہ حافظ یا متقن نہیں تھے۔ اسی طرح حافظ علائی نے صاف لفظوں میں تحریر کیا ہے۔

وليس كونه حافظًا شرطا.[۱۵۵]

اور ہر راوی کا حافظ ہونا شرط نہیں۔

۱۵۴۔ ص: ۲۳۔

۱۵۵۔ تدریب الراوی ص: ۳۶۔

اصطلاح سلف میں حافظ اس کو کہا جاتا تھا جو کم از کم بیس ہزار حدیثیں املا کرادے.[156]
ظاہر ہے کہ یہ شرط رواۃ صحیحین میں سے ہر تبع تابعی یا شیوخ شیخین میں سے ہر ایک
میں کہاں موجود ہے۔

شرط شیخین کے بارے میں قول فیصل:

ہماری رائے میں امام بخاری یا امام مسلم کے نزدیک بجز اس کے کوئی امر مشروط نہیں کہ
وہ صحیحین میں جو حدیث نقل کریں گے وہ ان کے نزدیک صحیح ہوگی۔ اس ایک شرط کے
علاوہ کسی شرط کی پابندی انہوں نے اپنے پر لازم نہیں قرار دی۔ حاکم بیہقی اور بعد کے
علماء نے اس بارے میں جو کچھ داد تحقیق دی ہے اس کی بنیاد سراسر حسن ظن اور قلت
تتبع پر ہے چنانچہ حافظ ابو بکر حازمی تحریر فرماتے ہیں۔

ومنشا ذلك إما ايثار الدعة وترك الدأب وإما حسن الظن بالمتقدم.[157]

اس کا منشا یا آرام طلبی اور ترک مشقت ہے یا متقدمین کے متعلق حسن ظن۔

شیخین سے اس بارے میں کچھ منقول نہیں:

طرفہ یہ کہ ان بزرگوں میں سے بعض کو اقرار بھی ہے کہ امام بخاری و مسلم سے اس
بارے میں ایک حرف منقول نہیں مگر پھر بھی اصرار ہے کہ بلاشبہ شیخین نے ان کی
بیان کردہ فلاں فلاں شرائط کی پابندی کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن طاہر کا یہ قول سابق میں
گزر چکا ہے۔

---

[156] ۔تدریب الراوی ص:۶۔

[157] ۔تدریب الراوی، ص:۶۔

إعلم أن البخاری ومسلماً ومن ذكرنا بعدهم لم ينقل عن واحد من هم أنه قال شرطت أن أخرج فی كتابی ما يكون علی الشرط الفلانی وإنما يعرف ذلك من سبر كتب هم فيعلم بذلك شرط كل رجل منهم.(۱۵۸)

اس کا علم رہے کہ بخاری و مسلم اور ان لوگوں میں سے کسی ایک نے بھی جن کا ہم نے بعد میں ذکر کیا ہے (یعنی بقیہ ارباب صحاح) یہ منقول نہیں ہے کہ اس نے بیان کیا ہو کہ میں اپنی کتاب میں اس حدیث کو روایت کروں گا جو فلانی شرط پر ہوگی۔ البتہ جو شخص ان کی کتابوں کو پرکھتا ہے وہ ان میں سے ہر ایک کی شرط معلوم کر لیتا ہے۔

لیکن اس پرکھ کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے کہ اس کی حیثیت ظن و تخمین سے زیادہ نہیں۔

علامہ محمد امیر یمانی توضیح الأفکار میں رقمطراز ہیں۔

إنما هو تظنين وتخمين من العلماء أنه شرط لهما إذ لم يأت عنهما تصريح بما شرطاه نعم مسلم قد أبان في مقدمة صحيحه من يخرج عنهم حديثهم.(۱۵۹)

یقیناً یہ محض علماء کا ظن و تخمین ہے کہ ان کی شرط یہ ہے اور یہ ہے کیونکہ اس بارے میں شیخین سے کوئی تصریح منقول نہیں۔ ہاں امام مسلم نے مقدمہ صحیح میں ظاہر کردیا ہے کہ وہ کن اشخاص سے احادیث روایت کریں گے۔

اور نواب صدیق حسن خان منہج الوصول إلی اصطلاح أحادیث الرسول میں تحریر فرماتے ہیں۔

۱۵۸۔ تدریب الراوی، ص:۲۔

۱۵۹۔ ص:۶۷۔

"محقق شدہ کہ شرط شیخین معلوم نیست و نہ شیخین بداں در کتاب ہائے خود تصریح کردہ اند و نہ در غیر آں بلکہ حفاظ تتبع کردہ از صنیع ایشاں استخراج شروط کردہ اند و ضرور نیست کہ آنچہ ایشاں آنرا شرط فہمیدہ اند ہماں شرط بخاری و مسلم باشند لہذا انظار ایشاں دریں شرط مختلف واقع شدہ اند و بعض بر بعض رد کردہ اند چنانچہ حازمی و ابن طاہر بر حاکم در آنچہ آنرا شرط شیخین زعم کردہ رد نمودہ اند و ایں معنی معروف است حافظ در اوائل مقدمہ فتح الباری مسمّٰی بھدی الساری بذکرش پرداختہ۔" (۱۶۰)

حافظ ابو بکر محمد بن موسیٰ حازمی نے ائمہ خمسہ امام بخاری و مسلم ونسائی وابو داؤد وترمذی کی شروط پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے جو شروط الائمۃ الخمسۃ کے نام سے موسوم ہے یہ کتاب مصر اور ہندوستان دونوں جگہ طبع ہو چکی ہے انہوں نے اس موضوع پر اس کتاب میں نہایت تفصیل سے بحث کی ہے اور آخر میں اپنی تحقیق کا نتیجہ ان لفظوں میں پیش کیا ہے۔

إن قصد البخاری كان وضع مختصر في الصحيح ولم يقصد الاستيعاب لا في الرجال ولا في الحديث وإن شرط أن يخرج ما صح عنده لأنه قال لم أخرج في هذا الكتاب إلا صحيحاً ولم يتعرض لشئ أخر (۱۶۱)۔

امام بخاری کا مقصد صحیح احادیث کی ایک مختصر کتاب کا تالیف کرنا تھا استیعاب ان کا مقصود نہیں تھا نہ رجال میں نہ حدیث میں اگرچہ انہوں نے یہ شرط کی ہے کہ وہ جس حدیث کی بھی تخریج کریں گے وہ ان کے نزدیک صحیح ہو گی۔

۱۶۰۔ ص: ۲۹، طبع شاہجہانی۔

۱۶۱۔ ص: ۲۱۔

کیونکہ انہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے اس کتاب میں جس حدیث کی بھی روایت کی ہے وہ میرے نزدیک صحیح ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی چیز کے وہ درپے نہیں۔
امام مسلمؒ کی شرط کے متعلق ارشاد ہے۔

وأما شرط مسلم فقد صرّح به في خطبة كتابه. (۱۶۳)

امام مسلمؒ نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں اپنی شرط کو واضح کر دیا ہے۔
سب جانتے ہیں کہ دیباچہ صحیح مسلم میں حاکم بیہقی، ابن طاہر وغیرہ نے شرط شیخین کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اس کا ایک حرف منقول نہیں۔
غرض یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ امام بخاری و مسلم نے صحیحین میں بجز اس کے کہ "ان میں جو حدیثیں درج کی جائیں وہ ان کے نزدیک صحیح ہوں" اور کسی شرط کی پابندی اپنے اوپر لازمی نہیں قرار دی۔ اور اس بارے میں ان کو دیگر مخرجین صحاح مثلاً امام ابو حنیفہؒ یا امام مالکؒ پر کسی قسم کی کوئی فضیلت حاصل نہیں۔

ومن ادعى خلاف ذلك فعليه البيان.

قسم اول کی حدیثوں کی تعداد ۱۰ ہزار تک نہیں پہنچتی:

قسم اول کی احادیث کی تعداد کے متعلق حاکم کا بیان ہے۔
"جو حدیثیں کہ اس شرط کے مطابق مروی ہیں ان کی تعداد دس ہزار تک نہیں پہنچتی"۔

لیکن اس بیان کی بنیاد بھی اسی پر ہے کہ مرویات صحیحین دس ہزار سے کم ہیں ورنہ ان کی تعداد اتنی کثیر نہیں کہ دس ہزار تک پہنچ سکے۔ حافظ ابو بکر حازمی شروط الائمۃ الخمسۃ میں حاکم کا بیان نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

---

(۱۶۳) ... ص: ۲۹۔

فهذا ظنا منه بانهما لم يخرجا إلا على مار سم وليس كذلك فإن أقصى ما يمكن إعتباره في الصحة هو شرط البخاری ولايوجد في كتابه من النحو الذی أشار اليه إلا القدر اليسير۔(۱۶۳)

یہ حاکم کے اس خیال کی بناء پر ہے کہ شیخین نے ان کی بیان کردہ شرائط ہی کے موافق روایات کی تخریج کی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوا کیونکہ صحت کے لئے زیادہ سے زیادہ جس کا اعتبار کیا جاسکتا ہے وہ شرط بخاری ہے اور خود بخاری کی کتاب میں ہی تھوڑی تعداد میں ایسی روایات پائی جاتی ہیں جو حاکم کی بیان کردہ شرط کے مطابق ہوں۔

کیا مسلم نے تین قسم کے رواۃ سے تخریج صحیح کا ارادہ کیا تھا؟

حاکم نے اسی سلسلہ میں یہ بھی تصریح کی ہے کہ

"مسلم بن الحجاج کا یہ ارادہ تھا کہ صحیح کی تخریج تین قسم کے رواۃ سے کی جائے۔ لیکن جب وہ اس پہلی قسم کی احادیث کی تدوین سے فارغ ہوئے تو گو ابھی سن کہولت ہی میں تھے کہ داعی اجل کو لبیک کہا اور اس دار فانی سے رحلت کی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ"۔

امام مسلمؒ نے مقدمہ صحیح کے اوائل میں بیان فرمایا ہے کہ وہ احادیث کی تین قسمیں کریں گے۔

(۱) وہ حدیثیں جن کو حفاظ و متقنین نے روایت کیا ہے۔

(۲) وہ احادیث جو ایسے لوگوں سے مروی ہیں جن کا حفظ واتقان تو متوسط درجہ کا تھا صدق وستر سے موصوف تھے اور علم میں ممتاز۔

۱۶۳۔ ص: ۸

(۳) وہ روایات جن کو صرف ضعفاء ومتروکین ہی نے بیان کیا ہے۔
اور یہ بھی صراحت کی ہے کہ پہلی قسم کی احادیث کے ساتھ ساتھ وہ دوسری قسم کی حدیثیں بھی ذکر کرتے جائیں گے۔ البتہ تیسری قسم کی روایات کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوں گے۔
امام مسلمؒ کے اس بیان سے ان کی مراد کے سمجھنے میں علماء باہم مختلف الرائے ہیں۔ حاکم کا بیان اس سلسلہ میں آپ کی نظر سے گزر چکا۔ ان کے مشہور شاگرد محدث بیہقی بھی اس بارے میں ان کے ہم زبان ہیں۔ (۱۶۴) قاضی عیاض نے اس سلسلہ میں حاکم پر سخت نکتہ چینی کی ہے تاہم بہت سے لوگ ان کے ہم خیال ہیں خود قاضی صاحب کو اقرار ہے۔

وهذا مما قبله الشيوخ والنّاس من الحاكم أبي عبد الله وتابعوه عليه. (۱۶۵)

ابو عبد اللہ حاکم کے اس بیان کو شیوخ اور سب لوگوں نے قبول کر لیا ہے اور اس سلسلہ میں ان ہی کی پیروی کی ہے۔
لیکن حاکم کا یہ بیان امام مسلم کی تصریح کے بالکل برخلاف ہے لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مقدمہ صحیح سے اصل عبارت نقل کرنے کے بعد اس کی روشنی میں اس بیان کو جانچا جائے۔ امام مسلمؒ فرماتے ہیں۔

إنا نعمد إلىٰ جملة ما أسند من الأخبار عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فنقسمها على ثلاثة أقسام وثلاث طبقات من الناس۔ (۱۶۶)

---

(۱۶۴) مقدمہ شرح مسلم للنووی، ج:۱، ص: ۲۳، طبع مصر۔
(۱۶۵) ایضاً۔
(۱۶۶) صحیح مسلم، ج:۱، ص: ۴۸، طبع مصر۔

ہم رسول اللہ ﷺ کی احادیث مسندہ کے بیشتر حصہ سے اعتنا کریں گے اور ان کی تین قسمیں کر کے رجال کے بھی تین طبقات قرار دیں گے۔

چنانچہ قسم اول کے متعلق ارشاد ہے۔

أما القسم الأول فإنا نتوخى أن نقدم الأخبار التى هى أسلم من العيوب من غيرها وأنقى من أن يكون ناقلوها أهل إستقامة في الحديث وإتقان لما نقلوا لم يوجد في روايتهم إختلاف شديدٌ ولا تخليط فاحشٌ۔ (۱۶۷)

قسم اول کی نسبت ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ان تمام احادیث کو مقدم رکھیں گے جو دیگر روایات کی بہ نسبت عیوب سے پاک صاف ہوں گی ان کے ناقلین حدیث میں پکے اور نقل میں متقن ہوں گے جن کی روایات میں نہ سخت اختلاف ہوگا نہ کھلی گڑبڑ۔

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

فاذا نحن تقصينا أخبار هذا الصنف من الناس اتبعناها أخبارًا يقع في أسانيدها بعض من ليس بالموصوف بالحفظ والإتقان كالصنف المقدم قبلهم على أنهم وإن كانوا فيما وصفنا دونهم فإن إسم الستر والصدق وتعاطى العلم يشملهم. (۱۶۸)

پھر جب ہم اس قسم کے لوگوں سے پورے طور پر حدیثیں بیان کر چکیں گے تو ان کے متصل ہی ایسی احادیث بھی لائیں گے جن کی اسانید میں بعض ایسے لوگ ہوں گے جو حفظ و اتقان میں تو اتنے نہیں جتنا کہ پہلا طبقہ تاہم باوجود ان سے

۱۶۷۔ صحیح مسلم، ج:۱، ص:۵۰، طبع مصر۔

۱۶۸۔ مقدمہ صحیح مسلم، ج:۱، ص:۵۰-۵۱۔

حفظ و اتقان میں کم ہونے کے ستر و صدق سے متصف ہیں اور علماء کے زمرہ میں شامل۔

تیسری قسم کے متعلق رقمطراز ہیں۔

فأما ما كان عن قوم هم عند أهل الحديث متهمون أو عند الأكثر منهم فلسنا نتشاغل بتخريج حديثهم...

لیکن ان لوگوں کی روایات جو محدثین یا ان کی اکثریت کے نزدیک متہم ہیں تو ہم ان کی حدیث کی تخریج میں مشغول نہیں ہوں گے۔

وكذلك من الغالب على حديثهم المنكر أو الغلط أمسكنا أيضا عن حديثهم.(۱۶۹)

اور اسی طرح وہ لوگ کہ جن کی حدیث پر نکارت غالب ہے یا بیشتر غلطی کرتے ہیں ان کی حدیث کے بیان کرنے سے بھی باز رہیں گے۔

امام مسلمؒ کا بیان آپ کے سامنے ہے اب حاکم کا یہ کہنا کہ

"مسلم بن الحجاج کا یہ ارادہ تھا کہ صحیح کی تخریج تین قسم کے رواۃ سے کی جائے"۔

کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ جبکہ تیسری قسم کے متعلق خود ان کی تصریح موجود ہے کہ وہ اس کی تخریج سے باز رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ متہمین اور منکر الحدیث رواۃ سے صحیح کی تخریج کسی طرح نہیں کی جا سکتی۔ علاوہ امیر یمانی توضیح الأفکار میں رقمطراز ہیں۔

إن تاويل الحاكم بأنه إنما يأتي بالطبقة الأولى غير صحيح لأنه صرح أنه بعد تقصي أخبار أهل الطبقة الأولى يأتي بأهل الطبقة الثانية والظاهر أنه يأتي بهم في كتابه هذا لا غير.(۱۷۰)

۱۶۹۔ مقدمہ صحیح مسلم، ج:۱، ص: ۵۵-۵۶۔
۱۷۰۔ توضیح الافکار، قلمی، ص: ۲۴۔

حاکم کا یہ مراد لینا کہ مسلم صرف طبقہ اولی ہی کی حدیثیں بیان کریں گے۔ یقیناً صحیح نہیں کیونکہ خود مسلم نے تصریح کی ہے کہ وہ پہلے طبقہ کی احادیث روایت کرنے کے بعد دوسرے طبقہ سے روایتیں بیان کریں گے اور ظاہر ہے کہ وہ اسی صحیح میں بیان کرتے ہیں نہ کسی اور کتاب میں۔

قاضی عیاض نے اس سلسلہ میں بڑی تحقیقی بحث کی ہے جو ہدیہ ناظرین ہے فرماتے ہیں۔

"ایک محقق کی نظر میں جو بے دلیل بات کے ماننے کا پابند نہیں حاکم کا بیان غیر صحیح ہے۔ کیونکہ جب حسب بیان مسلم کتابت حدیث کے متعلق ان کی طبقات سہ گانہ کی تقسیم پر غور کیا جائے تو ان کا بیان یہ ہے کہ پہلی قسم میں حفاظ کی حدیثیں داخل ہیں اور جب وہ اس سے فارغ ہوں گے ان لوگوں کی روایتیں ذکر کریں گے جو حذق واتقان سے موصوف نہیں تاہم اہل ستر وصدق میں سے ہیں اور زمرہ علماء میں داخل۔ پھر ان لوگوں کی روایت کے ترک کرنے کے متعلق کہا ہے جن کے متہم ہونے پر علماء کا اجماع ہے یا ان کی اکثریت کا اتفاق ہے۔ اور اس طبقہ کا ذکر نہین کیا جو بعض کے نزدیک متہم ہے اور بعض نے ان کی حدیث کی تصحیح کی ہے۔ میں نے صحیح مسلم کے ابواب میں اول کے دونوں طبقوں کی روایات کو پایا ہے۔ دوسرے طبقہ کی اسانید کو پہلے طبقے کی متابعت یا استشہاد کے لئے ذکر کیا ہے یا جہاں پہلے طبقہ کی احادیث نہ مل سکیں تو دوسرے طبقے سے حدیثیں ذکر کی ہین۔ نیز ان لوگوں سے بھی روایتیں کی ہیں جن پر ایک جماعت نے کلام کیا ہے اور دوسری جماعت نے ان کی توثیق کی ہے اور ان لوگوں سے بھی روایات موجود ہیں جن کی تضعیف کی گئی ہے یا جن پر بدعت کا اتہام ہے۔ بخاری نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ پس میرے نزدیک مسلم نے اپنے کہنے کے مطابق تینوں طبقات کی روایات درج کی ہیں اور کتاب کی ترتیب میں اپنی بیان کردہ تقسیم کا لحاظ رکھا ہے۔ چوتھے طبقے کو حسب تصریح نظر انداز

کردیا۔ حاکم یہ سمجھ بیٹھے کہ وہ ہر طبقے کے لئے علیحدہ مستقل کتاب تصنیف کریں گے اور ہر ایک کی حدیثیں جداگانہ روایت کریں گے حالانکہ مسلم کا یہ مقصد بالکل نہیں بلکہ ان کی مراد جیسا کہ ان کی تالیف سے ظاہر اور ان کے مقصود سے واضح ہے یہ ہے کہ وہ ابواب کتاب میں اس کا لحاظ رکھتے ہیں اور دونوں طبقوں کی احادیث کو بیان کرتے ہیں پہلے طبقے کی روایات کو اول میں اور دوسری قسم کی حدیثوں کو بطور متابعت و استشہاد بعد میں یہاں تک کہ تینوں قسم کی احادیث کا بیان ہوجائے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ طبقات سہ گانہ سے حفاظ پھر ان سے نیچے درجے کے رواۃ اور پھر ان سے بھی نیچے تیسرے درجے کے جن کو مسلم نے نظر انداز کردیا ہے مراد ہوں۔

اس کا بھی خیال رہے کہ مسلم نے علل حدیث کے ذکر کا جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کیا چنانچہ متعدد مواقع پر ابواب کتاب میں اس کو بیان کیا اور اختلاف اسناد مثلاً ارسال، رفع، زیادت و نقص کو واضح کیا۔ نیز تصحیفات محدثین کو بھی بتایا۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تالیف کتاب سے جو ان کا مقصد تھا اس کا انہوں نے بجا طور پر لحاظ رکھا اور کتاب میں جن چیزوں کے بیان کرنے کا وعدہ کیا تھا ان کو پورا کیا"۔(۱۷۱)

اس بحث کے متعلق قاضی عیاض لکھتے ہیں۔

"اپنی اس بحث اور اس رائے کو میں نے اہل فن کے سامنے پیش کیا تو میں نے دیکھا کہ ہر انصاف پسند نے اس کو درست بتایا اور میرا بیان اس پر واضح ہوگیا۔

---

(۱۷۱) مقدمہ شرح مسلم للنووی، ج:۱، ص: ۲۳-۲۴۔

اور جو شخص بھی کتاب پر غور کرے اور تمام ابواب کا مطالعہ کرے اس پر یہ بات ظاہر ہے۔"(۱۷۲)

محدث نووی قاضی عیاض کے بیان کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

وهذا الذي اختاره ظاهر جداً.(۱۷۳)

قاضی عیاض نے جو پسند کیا ہے بالکل ظاہر ہے۔

کیا باور کیا جا سکتا ہے کہ احادیث نبویہ کی تعداد ۱۰ ہزار سے بھی کم ہے:

اس سلسلہ میں حاکم نے بڑی عمدہ بحث کی ہے جو ممکن ہے کہ کوتاہ نظر منکرین حدیث کے لئے شمع بصیرت کا کام دے، فرماتے ہیں۔

"یہ کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ احادیث نبویہ کی تعداد دس ہزار تک نہیں پہنچتی جبکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ میں سے چار ہزار مرد اور عورتوں نے روایتیں بیان کی ہیں جو ہجرت سے پہلے مکہ میں اور ہجرت کے بعد مدینہ میں ۲۳ سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت سے شرف اندوز رہے۔ جنہوں نے آپ کے اقوال وافعال، خواب اور بیداری، حرکت اور سکون، نشست و برخاست، مجاہدہ و عبادت، سیرت و شمائل، سرایا و مغازی، مزاح اور زجر، خطبات و مواعظ، اکل و شرب، رفتار و گفتار، خاموشی اور سکوت، ازواج مطہرات سے خوش طبعی، گھوڑوں کا سدھانا، مسلمانوں اور مشرکوں کے نام آپ کے نامے، عہود و مواثیق، غرض ہر لحظہ و ہر منٹ کے تمام حالات کو یاد رکھا ہے اور یہ سب ان احکام شریعت، عبادات اور حلال و حرام کے علاوہ ہے جس کی ہر چیز کو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا اور حفظ کیا ہے۔ اور ان تمام قضایا اور

۱۷۲۔ مقدمہ شرح مسلم للنووی ج:۱ص: ۲۴۔

۱۷۳۔ ایضاً

فیصلوں کے علاوہ یہ جس کو حضور سرور عالم ﷺ نے بحیثیت امیر و حاکم کے فیصل فرمایا"۔

چنانچہ اس سلسلہ میں حاکم نے ان متعدد روایات کو پیش کیا ہے جن میں آنحضرت ﷺ کے متعلق بعض معمولی معمولی باتیں تک مذکور ہیں۔ جیسے آپ کی سواری کی رفتار، حضور ﷺ کا مزاح، بچوں کو کھلانا، کھڑے ہو کر پانی نوش فرمانا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد رقمطراز ہیں کہ:

"کیا ان حالات میں ذرا دیر کے لئے بھی یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ ہزاروں صحابہ جو میدان جہاد میں صف در صف نظر آتے ہیں بغیر کسی روایت اور حدیث کے بیان کئے ہوئے اللہ کے گھر سدھار گئے۔ عام الفتح میں جب حضور انور ﷺ مکہ میں فروکش ہوئے ہیں تو پندرہ ہزار سوار کی جمعیت ہمرکاب تھی۔ حدیث کے متعدد حافظ ایسے گزرے ہیں کہ پانچ لاکھ حدیثیں جن کی نوک زبان پر تھیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے کہ صحیح حدیثوں کی تعداد سات لاکھ ہے۔ (۱۷۴)۔ امام اسحٰق بن راہویہ اپنے حافظہ سے ستر ہزار احادیث کا املا

۱۷۴۔ واضح رہے کہ اس تعداد میں اقوال صحابہ و تابعین بھی داخل ہیں۔ امام بیہقی فرماتے ہیں۔ اراد ما صح من الاحادیث واقاویل الصحابۃ والتابعین (تدریب الراوی، ص: ۸) امام احمد کی مراد احادیث اور ان اقوال صحابہ و تابعین سے ہے جو صحیح ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ محدثین کے نزدیک جہاں حدیث کے صحابی مختلف ہوئے۔ متعدد حدیثیں شمار کی گئیں گو الفاظ معانی اور واقعہ ایک ہی ہو لیکن فقہاء کے نزدیک معنی کا اعتبار ہے جب تک معنی ایک ہوں گے حدیث بھی ایک ہی سمجھی جائے گی پس اگر کسی حدیث کو مثلاً دس صحابہ نے بیان کیا تو محدثین کے نزدیک وہ دس حدیثیں کہلائیں گی اور فقہاء کے نزدیک ایک۔ شاہ عبدالعزیز صاحب بستان المحدثین میں فرماتے ہیں: "باید دانست کہ نزد محدثین ہرگاہ کہ صحابی مختلف شد حدیث دیگر گشت گو الفاظ و معنی و قصد متحد باشد برخلاف عرف فقہا کہ نزد ایشاں اعتبار معنی ست فقط تا وقتیکہ اصل معنی واحد ست حدیث واحد ست بلکہ خصوصیات زائدہ بر اصل معنی نیز نزد ایشاں دخل ندارد و محو فائدہ و ماخذ حکم رامی بینند و الحق نظر ایشاں کہ استنباط ست ہمیں را تقاضا میکند"۔

کراتے تھے۔ حافظ ابو کریب نے کوفہ میں تین لاکھ حدیثیں بیان کیں۔ محدث ابو بکر بن ابی دارم سے میں نے سنا ہے فرماتے تھے کہ میں نے اپنی ان انگلیوں سے ابو جعفر حضرمی مطین سے ایک لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔ محمد بن مسیب کا بیان ہے کہ جب میں مصر میں قطع مسافت کر رہا تھا تو میرے پاس ایک سو جزو تھے اور ہر جزو میں ایک ہزار حدیثیں۔

حاکم فرماتے ہیں کہ خود ہمارے زمانے میں ایک جماعت محدثین نے جو مسندیں تراجم رجال پر تصنیف کی ہیں ان میں سے ہر تصنیف ایک ایک ہزار جزو کی ہے۔ چنانچہ ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن حمزہ اصفہانی اور ابو علی حسین بن محمد بن احمد الماسرجسی بھی ان ہی لوگوں میں ہیں"۔

صحیح متفق علیہ کی دوسری قسم:

حدیث صحیح کی دوسری قسم کے متعلق حاکم کا بیان ہے۔

" صحیح کی دوسری قسم وہ حدیث ہے جس کو ایک ثقہ نے دوسرے ثقہ سے روایت کیا ہو اور اسی طرح بروایت ثقات حفاظ سلسلہ سند صحابی تک متصل ہو۔ لیکن اس صحابی سے اس حدیث کا ایک شخص کے سوا کوئی دوسرا راوی نہ ہو جیسے حضرت عروۃ بن مضرس طائی کی حدیث کہ میں رسالت مآب ﷺ سے مزدلفہ میں آکر ملا اور میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ بنی طے کی دونوں پہاڑیوں (سلمی وأجا) کو طے کر کے آرہا ہوں۔ مجھے بڑی مشقت اٹھانی پڑی۔ میری سواری تھک گئی۔ خدا کی قسم راستے میں کوئی پہاڑ ایسا نہیں آیا جہاں مجھے اترنا نہ پڑا ہو۔ تو کیا اب بھی میرا حج نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا جس نے ہمارے

ص: ۲۹، طبع مجتبائی دہلی۔ امام احمد نے یہ تعداد محدثین ہی کی اصطلاح کے مطابق بیان کی ہے۔

ساتھ یہ نماز ادا کی اور ایک دن یا ایک رات پہلے عرفہ میں آ گیا اس کا حج پورا ہوا اور احرام کھل گیا۔

حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث اصول شریعت میں داخل اور فقہاء فریقین میں مقبول و متداول ہے لیکن بخاری و مسلم نے اس بناء پر صحیحین میں اس کی تخریج نہیں کی کہ اس حدیث کو حضرت عروۃ بن مضرس سے بجز شعبی کے اور کوئی روایت نہیں کرتا۔ عروۃ کے علاوہ بھی ایسے بہت سے صحابہ ہیں جیسے عمیر بن قتادہ لیثی کہ ان سے بجز ان کے بیٹے عبید کے اور کوئی روایت نہیں کرتا۔ اسی طرح ابو لیلیٰ انصاری سے ان کے بیٹے عبدالرحمٰن کے سوا دوسرا راوی نہیں۔ قیس بن ابی غرزہ غفاری نے باوجود یہ کہ رسول اللہ ﷺ سے کثرت سے روایتیں کی ہیں لیکن ان سے صرف ایک ہی راوی ہیں ابو وائل شقیق بن سلمہ (ابو وائل کوفہ کے اجلہ تابعین میں سے ہیں، حضرت عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ اور دیگر صحابہ سے ملے ہیں) اسامہ بن شریک اور قطبہ بن مالک دونوں مشہور صحابی ہیں مگر زیاد بن علاقہ کے سوا جو کبار تابعین میں سے ہیں ان سے کوئی راوی نہیں۔ اسی طرح مرداس بن مالک اسلمی، مستورد بن شداد فہری، دکین بن سعید مزنی سب کے سب صحابی ہیں لیکن قیس بن ابی حازم کے علاوہ ان تینوں بزرگوں سے کوئی اور روایت بیان نہیں کرتا۔ (قیس کبار تابعین میں سے ہیں۔ عہد نبوی ﷺ میں ان کی ولادت ہوئی اور خلفاء اربعہ کی صحبت سے شرف اندوز ہوئے)۔

غرض ایسی مثالیں بہت ہیں۔ بخاری و مسلم نے اس قسم کی صحیح میں تخریج نہیں کی ہے لیکن یہ حدیثیں فریقین میں متداول ہیں اور ان اسانید سے سب احتجاج کرتے ہیں۔"

حاکم کی حیرت انگیز اختلاف بیانی:

صحیحین میں اس قسم کی تخریج کے متعلق سابق میں مفصل بحث سپرد قلم کی جاچکی ہے۔ جس سے حاکم کے اس بیان کی حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ مستدرك علی الصحیحین حاکم نے المدخل کے بعد تصنیف کی ہے۔ (۱۷۵)

لیکن اس میں بھی اس مسئلہ پر ان کی تحریر میں سخت تضاد ہے چنانچہ جہاں انہوں نے متعدد مواقع پر اپنے اس بیان کی موافقت کی ہے کئی مقامات پر خود ہی اس کی مخالفت بھی کی ہے۔ مثلاً عبداللہ بن شقیق کی حدیث ليدخلن الجنة بشفاعة رجل من أمتي. (۱۷۶) اور حدیث عبدالرحمٰن بن ازہر إنما مثل العبد المؤمن حين يصيبه الرعد والحمى. (۱۷۷) اور حدیث إذا توضأت نخلل الأصابع (۱۷۸) نیز حدیث سماسرہ (۱۷۹) اور عمرو بن تغلب کی أشراط الساعة (۱۸۰) والی روایت کو ذکر کرنے کے بعد شیخین کے ان روایات کے نقل نہ کرنے کی یہی وجہ بتائی ہے۔ لیکن متعدد مواقع پر اس کے بالکل برخلاف یہی تصریح کی ہے۔ چنانچہ حدیث ما جعل الله أجل رجل بأرض إلا جعلت له فيها حاجة کو روایت کرکے فرماتے ہیں۔

هذا حديث صحيح على شرط الشيخين فقد اتفقا جميعا على إخراج جماعة من الصحابة ليس لكل واحد من هم إلا راوٍ واحد. (۱۸۱)

۱۷۵۔ دیکھو المستدرک علی الصحیحین، ج:۱، ص:۲، طبع دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن۔
۱۷۶۔ ایضاً
۱۷۷۔ ایضاً
۱۷۸۔ ایضاً
۱۷۹۔ ایضاً
۱۸۰۔ ایضاً
۱۸۱۔ ج:۱، ص:۳۲۔

یہ حدیث شرط شیخین پر صحیح ہے کیونکہ دونوں نے صحابہ کی ایک جماعت سے ایسی حدیث کی تخریج پر اتفاق کیا ہے جس کا ان سے صرف ایک ہی راوی ہے۔

میرے خیال میں اس بارے میں ان کا حال بالکل قاضی ابو بکر ابن العربی کا سا ہے کہ پہلے تو شیخین کے متعلق اپنے دل میں یہ باور کرلیا کہ انہوں نے ان کی مزعومہ شرط کی پابندی کی ہے، چنانچہ جابجا اپنے اس خیال کو نہایت ہی وثوق کے ساتھ پیش کرتے رہے۔ پھر جب دیکھا کہ صحیحین میں بعض روایات ایسی بھی موجود ہیں جن سے ان کے اس دعوی کی تردید ہوتی ہے اور اس قسم کی روایات کے بیان کرتے وقت اس کا خیال بھی رہا تو الٹا شیخین ہی کو الزام دیدیا کہ ان کو بھی اس سے احتجاج لازم تھا۔ کیونکہ یہ ان کی شرط کے مطابق ہے ورنہ اپنے پہلے ہی دعوی کا اعادہ فرمادیا کہ چونکہ اس روایت میں تابعی صحابی سے منفرد ہے اس لئے شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی۔

چنانچہ شریح بن ہانی کی حدیث: "یا رسول الله أي شئ یوجب الجنة قال علیك بحسن الکلام وبذل الطعام" کو بیان کرنے کے بعد رقمطراز ہیں۔

"یہ حدیث مستقیم ہے جس میں کوئی علت موجود نہیں۔ شیخین کے نزدیک اس میں علت یہ ہے کہ ہانی بن زید سے ان کے بیٹے شریح کے علاوہ کوئی اور راوی نہیں اور میں اس کتاب کی ابتداء میں یہ شرط بیان کرچکا ہوں کہ ایک معروف صحابی سے جب ایک مشہور تابعی کے علاوہ کوئی دوسرا راوی ہم کو نہ مل سکے تو ہم اس کی حدیث سے احتجاج کرلیں گے اور اس کو صحیح قرار دیں گے کیونکہ وہ بخاری و مسلم دونوں کی شرط پر صحیح ہے۔ اس لئے کہ بخاری نے مرداس اسلمی سے قیس بن ابی حازم کی حدیث یذھب الصالحون ۔ سے احتجاج کیا ہے۔ اسی طرح عدی بن عمیرہ سے قیس کی روایت من استعملناہ علی عمل کو بطور حجت بیان کیا ہے حالانکہ ان دونوں سے بجز قیس کے اور کوئی راوی نہیں۔ اسی طرح مسلم نے ان احادیث سے جن کو ابو مالک اشجعی اور مجزاۃ بن زاہر اسلمی اپنے

اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں احتجاج کیا ہے۔ لہٰذا بخاری و مسلم دونوں کو اپنی اس شرط کی بنا پر شریح کی حدیث سے احتجاج کرنا لازم ہے۔" (۱۸۲)

کیا خوب خود ہی تو اپنے خیال کے مطابق شیخین کی طرف سے اس حدیث میں ایک علت پیش کی اور پھر خود ہی ان کو الزام دینے لگے۔

ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

لطف یہ کہ مسامحت سے ان کا یہ بیان بھی خالی نہیں کیونکہ عدی بن عمیرہ کی اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے نہ بخاری نے اور زاہر اسلمی کی روایت بخاری میں ہے نہ کہ مسلم میں۔

المدخل میں تصریح کی تھی کہ مرداس اسلمی سے صحیحین میں روایت نہیں کی گئی مستدرک میں خود انہوں نے بخاری میں ان کی روایت کو مان لیا۔ اسی طرح مستورد بن شداد فہری اور قطبہ بن مالک کے متعلق جو کہا ہے کہ شیخین ان سے روایت نہیں کرتے وہ بھی غلط ہے کیونکہ مسلم میں مستورد کی بواسطہ قیس بن ابی حازم اور قطبہ کی بواسطہ زیاد بن علاقہ روایتیں موجود ہیں۔ (۱۸۳)

صحیح متفق علیہ کی تیسری قسم:

اس کے متعلق ارشاد ہے کہ:

" صحیح کی تیسری قسم تابعین کی وہ احادیث ہیں جن کو انہوں نے صحابہؓ سے روایت کیا ہے اور وہ تابعین سب ثقات ہیں لیکن ہر تابعی سے صرف ایک ہی اس حدیث کا راوی ہے جیسے محمود بن حنین، (۱۸۴) عبدالرحمٰن بن فروخ،

۱۸۲۔ مستدرک، ج:۱، ص:۲۳۔

۱۸۳۔ شروط الائمۃ الخمسۃ للحازمی، ص:۸۔۱۰۔

۱۸۴۔ تدریب الراوی میں ان کا نام محمد بن جبیر مذکور ہے۔ ص:۴۵۔

عبد الرحمٰن بن سعید، اور زیاد بن الحرد وغیرہم کہ ان سب سے بجز عمرو بن دینار کے جو اہل مکہ کے امام ہیں اور کوئی راوی نہیں۔ اسی طرح ایک جماعت تابعین سے جن میں عمرو بن ابان بن عثمان، محمد بن عروہ بن زبیر، عقبہ بن سوید انصاری، سنان بن ابی سنان دولی وغیرہ داخل ہیں۔ امام زہری روایت میں متفرد ہیں ایسے ہی یحیٰی بن سعید انصاری تابعین کی ایک جماعت سے جیسے یوسف بن مسعود زرقی، عبداللہ بن انیس انصاری، عبدالرحمٰن بن مغیرہ سے اکیلے راوی ہیں۔ صحیحین میں ایسی کوئی روایت موجود نہیں۔ حالانکہ یہ سب روایات صحیح ہیں۔ کیونکہ ان کو ایک عدل دوسرے عدل سے روایت کرتا ہے۔ اور فریقین میں متداول ہیں جن سے احتجاج کیا جاتا ہے"۔

لیکن اس تیسری قسم کے متعلق بھی یہ کہنا کہ: "صحیحین میں ایسی کوئی روایت موجود نہیں" صحیح نہیں ہے۔ علامہ سیوطیؒ تدریب الراوی میں رقمطراز ہیں۔

قال شيخ الإسلام في نكته بل فيهما القليل من ذلك كعبد الله بن وديعه وعمر بن محمد بن جبير بن مطعم وربيعة بن عطاء.[185]

شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب نکت میں تصریح کی ہے کہ صحیحین میں کچھ ایسی حدیثیں بھی موجود ہیں جیسے عبداللہ بن ودیعہ، عمر بن محمد بن جبیر بن مطعم اور ربیعہ بن عطا کی روایات۔

سید امیر یمانی نے بھی توضیح الافکار شرح تنقیح الانظار میں حاکم کے اس قول کی تردید کی ہے۔[186]

---

[185] ص: ۴۵۔

[186] کتاب مذکور، ص: ۵۴ قلمی۔

صحیح متفق علیہ کی چوتھی قسم:

فرماتے ہیں:

"صحیح کی چوتھی قسم وہ احادیث افراد و غرائب ہیں جن کو ثقات عدول نے بیان کیا ہے لیکن ثقات میں سے ایک شخص اس کی روایت میں متفرد ہے۔ اور کتب حدیث میں وہ حدیث دوسرے طرق سے مروی نہیں جیسے علاء بن عبدالرحمن کی اپنے باپ کے ذریعہ سے حضرت ابو ہریرہ سے یہ روایت: إذا انتصف شعبان فلا تصوموا حتی یجئ رمضان۔ مسلم نے علاء کی اکثر احادیث کی صحیح میں تخریج کی ہے۔ لیکن اس قسم کی روایات کو اس لئے نہیں بیان کیا کہ علاء اس کے بیان کرنے میں اپنے باپ سے متفرد ہے اسی طرح ایمن بن نابل مکی کی بواسطہ ابو الزبیر حضرت جابرؓ سے یہ روایت کہ آنحضرت ﷺ تشہد میں بسم اللہ و باللہ فرماتے تھے۔ گو ایمن بن نابل ثقہ ہے اور اس کی روایت صحیح بخاری میں موجود ہے لیکن بخاری نے اس حدیث کو اس لئے روایت نہیں کیا کہ ابو الزبیر کا صحیح سند سے کوئی متابع موجود نہیں"۔

"غرض اس طرح کی بہت سی حدیثیں ہیں جو سب کی سب صحیح الاسناد ہیں لیکن صحیحین میں ان کی تخریج نہیں کی گئی"۔

یہاں بھی صحیحین میں عدم تخریج کے متعلق جو بیان کیا گیا ہے صحیح نہیں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔

بل فیھما کثیر منه لعله یزید علی مائتی حدیث وقد أفردھا الحافظ ضیاء الدین المقدسی وھی المعروفة بغرائب الصحیح۔[۱۸۷]

بلکہ صحیحین میں ایسی حدیثیں بہت ہیں، غالباً دو سو سے بھی زیادہ حافظ ضیاء الدین مقدسی نے ان سب کو علیحدہ جمع کیا ہے یہ غرائب صحیح کے نام سے مشہور ہیں۔

۱۸۷۔ تدریب الراوی، ص: ۴۵، و توضیح الافکار، قلمی، ص: ۵۲۔

صحیح متفق علیہ کی پانچویں قسم

کے متعلق ارشاد ہے:

صحیح کی پانچویں قسم ائمہ کی ایک جماعت کی اپنے آباؤ اجداد سے روایت کردہ وہ احادیث ہیں جن کی روایت ان کے آباؤ اجداد سے صرف ان ہی کے ذریعہ سے متواتر ہے جیسے عمرو بن شعیب کا وہ صحیفہ جس کو وہ اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح بہز بن حکیم بن معاویہ اور ایاس بن معاویہ بن قرہ کا صحیفہ کہ دادا تو صحابی ہیں اور پوتے ثقات ایسی سب حدیثیں نہایت کثرت سے علماء کی کتابوں میں احتجاج کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔

حاکم کا بیان ہے کہ یہ پانچوں اقسام کی احادیث ائمہ کی کتابوں میں موجود ہیں جن سے احتجاج کیا جاتا ہے اگرچہ (بجز قسم اول کے) ایک حدیث بھی ان میں سے صحیحین میں موجود نہیں۔

ان تینوں صحیفوں سے صحیحین میں روایت نہ ہونے کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کا بیان ہے۔

"صحیحین میں اس قسم کی تخریج سے یہ امر مانع نہ تھا کہ وہ احادیث باپ سے بواسطہ دادا کے منقول ہیں بلکہ اس سبب سے روایت کو نہیں بیان کیا کہ وہ راوی یا اس کا باپ شیخین کی شرط پر نہ تھا، ورنہ صحیحین میں یا صرف صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں علی بن حسین بن علی، محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر، ابی بن عباس بن سہل، اسحٰق بن عبداللہ بن ابی طلحہ، حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب نیز ان کے بھائی عبداللہ اور حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب وغیرہم سے وہ روایات

موجود ہیں جو ان لوگوں نے اپنے دادا سے اپنے باپ کے واسطہ سے بیان کی ہیں"۔ (۱۸۸)

صحیح مختلف فیہ کی اقسام

پہلی قسم:

فرماتے ہیں: "جن احادیث کی صحت میں اختلاف ہے ان کی پہلی قسم احادیث مرا[سیل] ہیں یعنی وہ احادیث جن میں امام تابعی یا تبع تابعی خود قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے [اور] رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کے سماع میں جو ایک یا دو واسطے ہیں ان کو ذکر نہ کرے۔ ایسی احادیث ائمہ اہل کوفہ کی ایک جماعت جیسے ابراہیم بن یزید نخعی، حماد بن سلیمان، ابو حنیفہ نعمان بن ثابت، ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم قاضی، محمد بن حسن [اور] بعد کے ائمہ کے نزدیک صحیح ہیں جن سے یہ جماعت احتجاج کرتی ہے بلکہ بعض ائمہ (۱۸۹) نے تو یہاں تک تصریح کی ہے کہ وہ متصل مسند سے بھی اصح ہے کیونکہ جب تا[بعی] نے جس سے حدیث سنی تھی اسی سے روایت کردی تو روایت کو اسی راوی پر ڈال[دیا]

۱۸۸۔ تدریب الراوی، ص: ۴۵۔

۱۸۹۔ حاکم کی مراد مشہور حافظ الحدیث امام عیسیٰ بن ابان ہے جو فقہاء حنفیہ میں ممتاز حیثیت [کے] مالک ہیں اور امام محمد کے مخصوص تلامذہ میں سے شمار کئے جاتے ہیں۔ بعد کے فقہاء میں اما[م] فخر الاسلام بزدوی بھی اس بارے میں ان ہی کے ہم خیال ہیں۔ چنانچہ اپنی مشہور کتاب اصول ال[بزدوی] میں رقمطراز ہیں۔

واما ارسال القرن الثانی والثالث فهو حجة عندنا وهو فوق المسند كذلك ذكره عيسى بن ابان۔ (ج: [ ] ص: ۲)

تابعی یا تبع تابعی کا ارسال ہمارے نزدیک حجت ہے اور وہ مسند پر فوقیت رکھتا ہے۔ عیسیٰ بن ابان [نے] یہی تصریح ہے۔

کہ قال رسول اللہ ﷺ اسی وقت کہے گا جبکہ اس کی صحت کے معلوم کرنے کی پوری طرح کوشش کرلی ہو۔

فقہاء حجاز میں سے محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک مراسیل احادیث واہیہ میں شامل ہیں، جو احتجاج کے قابل نہیں۔ سعید بن المسیب، محمد بن مسلم زہری، مالک بن انس اصبحی، عبدالرحمٰن اوزاعی، محمد بن ادریس شافعی، احمد بن حنبل اور بعد کے فقہاء مدینہ کا یہی قول ہے"۔

مرسل کے بارے میں مذاہب ائمہ کی تحقیق:

حاکم نے مرسل سے عدم احتجاج کے بارے میں جن بزرگوں کا نام لیا ہے ان میں بجز امام شافعیؒ کے باقی سب ائمہ مرسل کو قابل استناد واحتجاج سمجھتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ ان میں سے کسی ایک نے کسی خاص مرسل کی تضعیف کی ہو اور اس کو ناقابل اعتبار بتایا ہو جس سے حاکم نے یہ خیال کرلیا کہ وہ سرے سے حدیث مرسل کو حجت نہیں مانتے۔ ورنہ ان بزرگوں سے حدیث مرسل کے ناقابل احتجاج ہونے کے متعلق کوئی تصریح موجود نہیں بلکہ یہ سب حضرات خود احادیث مراسیل روایت کرتے تھے اور ان کو صحیح قرار دیتے تھے۔ امام مالکؒ کے متعلق سابق میں حافظ ابن حجر اور علامہ سیوطی کے بیان میں تصریح گزر چکی ہے کہ مؤطا میں انہوں نے کثرت سے مرسل حدیثیں بیان کی ہیں اور وہ مراسیل کو صحیح اور قابل عمل سمجھتے تھے۔ ہاں البتہ امام احمد سے اس بارے میں دو قول مروی ہیں لیکن مشہور قول یہی ہے کہ احادیث مراسیل ان کے نزدیک بھی صحیح ہیں۔ قبول مراسیل کے بارے میں کچھ ان ائمہ ہی کی تخصیص نہیں بلکہ سارے صحابہ و تابعین ان کو بالاتفاق حجت مانتے تھے۔ امام ابو داؤد سجستانی، امام ابن جریر طبری نے مرسل کی قبولیت پر علماء سلف کا اجماع نقل کیا ہے اور تصریح کی ہے کہ امام شافعیؒ سے پہلے کسی شخص نے بھی ان کے ماننے سے انکار نہیں کیا۔

چنانچہ امام ابوداؤدؒ اپنے مشہور رسالہ إلی أهل مکه میں رقمطراز ہیں۔

وأما المراسيل فقد كان يحتج به العلماء فيما مضى مثل سفيان الثوري ومالك والأوزاعي حتى جاء الشافعي وتكلم فيه وتابعه على ذلك أحمد بن حنبل وغيره.(۱۹۰)

مراسیل سے سارے اگلے علماء احتجاج کرتے تھے جیسے سفیان ثوری، مالک، اور اوزاعی، یہاں تک کہ شافعیؒ آئے اور انہوں نے اس میں کلام کیا اور احمد بن حنبلؒ وغیرہ نے اس بارے میں ان کی اتباع کی۔

اور امام ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں۔

إن التابعين كلهم أجمعوا على قبول المراسيل ولم يأت عنهم إنكاره ولا عن واحد من الأئمة بعدهم إلى رأس المائتين الذين هم من القرون الفاضلة المشهود لها من الشارع صلى الله عليه وسلم بالخيرية. ﴿۱۹۱﴾

"تمام تابعین کا مراسیل کے قبول کرنے پر اجماع ہے نہ ان میں سے کسی سے اور نہ دو سو برس تک ان کے بعد کے کسی امام سے مراسیل کا انکار مروی ہے یہ دونوں صدیاں اس مبارک عہد میں داخل ہیں جس کی برکت کی خود آنحضرت ﷺ نے شہادت دی ہے"۔

حافظ ابن عبد البرؒ نے تصریح کی ہے۔

كان ابن جرير يعني أن الشافعي أول من أبى قبول المراسيل.(۱۹۲)

۱۹۰۔ توضیح الافکار، قلمی، ص: ۱۹۵۔

۱۹۱۔ تنقیح الانظار، قلمی، ص: ۹۳، تدریب الراوی، ص: ۶۷، شرح شرح النخبہ لوجیہ العلوی، ص: ۳۹، وایضاً لعلی القاری ص: ۱۱۲، تنقیح و تدریب میں الی راس المائتین تک منقول ہے الذین ہم من القرون الخ اخیر کی دونوں کتابوں سے لیا گیا ہے۔

غالباً ابن جریر کی مراد شافعی سے ہے کہ سب سے پہلے انہوں نے مراسیل کے ماننے سے انکار کیا۔

امام شافعیؒ کی رائے

یوں تو امام شافعیؒ بھی قطعی طور پر مرسل کو ناقابل احتجاج قرار نہ دے سکے تاہم انہوں نے اس کو صحیح تسلیم کرنے کیلئے حسب ذیل شرائط کا اضافہ کیا۔

(۱) وہ یا اس کے ہم معنی دوسری روایت مسنداً موجود ہو۔

(۲) یا دوسرے تابعی کی مرسل اس کے موافق مروی ہو۔

(۳) یا صحابہ کا فتوی اس کے مطابق پایا جائے۔

(۴) یا عام علماء اسی مضمون پر فتوی دیں۔

پھر اگر راوی سند بیان کرے تو کسی مجہول یا ضعیف کا نام نہ لے اور جب رواۃ حفاظ کے ساتھ شریک روایت ہو تو ان کی مخالفت نہ کرتا ہو۔

اگر ان شرطوں سے روایت خالی ہے تو وہ صحیح نہیں پھر ان کی صحت کے مدارج بھی ان کی ترتیب پر ہیں۔ یعنی جس میں پہلی شرط پائی جائے وہ زیادہ قوی پھر علی الترتیب بعد کی تینوں قسم کی مراسیل۔ (۱۹۳)

امام احمدؒ کا مذہب

حافظ ابو الفرج بن الجوزی نے اپنی مشہور کتاب تحقیق میں امام احمد بن حنبل سے روایت کی ہے کہ مرسل حجت ہے اور محدث خطیب بغدادیؒ نے جامع میں امام موصوف کا یہ قول نقل کیا ہے۔

۱۹۳۔ تنقیح الانظار قلمی، ص: ۹۳، تدریب الراوی، ص: ۶۷ میں بھی اسی کے قریب قریب منقول ہے۔

۔ اصول الفقہ لمحمد الخضری، ص: ۳۸۸ طبع مصر۔

ربما كان المرسل أقوى من المسند۔ (۱۹۴)
کبھی کبھی مرسل مسند سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے۔
فضل بن زیاد کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے ابراہیم نخعی کے مراسیل کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ لا بأس بها (ان میں کوئی خرابی نہیں)۔ (۱۹۵) سعید بن المسیب کی مراسیل کو امام موصوف نے اصح المراسیل فرمایا ہے۔ (۱۹۶) مراسیل کو صحیح ماننے کے متعلق امام موصوف کا مذہب اس درجہ مشہور ہے کہ نواب صدیق حسن خاں تک اس کی شہرت سے انکار نہ کرکے فرماتے ہیں۔
"وابو حنیفہ و در طائفہ کہ احمد در قول مشہور از ایشان است گفتہ کہ صحیح است"۔ (۱۹۷)

یہ خیال رہے کہ اس بارے میں ابن الجوزی کے بیان کی جو اہمیت ہو سکتی ہے وہ دوسرے کی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ خود حنبلی ہیں۔ وصاحب البيت أدرى بما فيه (اور گھر کا حال کچھ گھر والا ہی زیادہ جانتا ہے)۔

اہل مدینہ کا عمل:

حاکم کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ: "فقہاء اہل مدینہ مرسل کو حجت نہیں گردانتے"، حافظ خطیب بغدادی الكفاية فى علم الرواية میں لکھتے ہیں۔
قد اختلف العلماء في وجوب العمل بما هذه حاله فقال بعضهم إنهم مقبول ويجب العمل به إذا كان المرسل ثقة عدلا وهذا قول مالك وأهل المدينة وأبى حنيفة وأهل العراق۔ (۱۹۸)

۱۹۴۔ ان دونوں حوالوں کے لئے دیکھو: شرح نقایہ لملا علی القاری، ج:۱، ص:۱۰۲۔
۱۹۵۔ الکفایہ، طبع دائرۃ المعارف، ص: ۳۸۶۔
۱۹۶۔ ایضاً، ص: ۴۰۴۔
۱۹۷۔ منہج الوصول، ص: ۷۷۔

مرسل کے واجب العمل ہونے میں علماء باہم مختلف ہیں بعض کا قول ہے کہ وہ مقبول ہے اور اس پر عمل واجب ہے جبکہ ارسال کنندہ ثقہ اور عادل ہو اور یہی قول ہے مالکؒ اور اہل مدینہ کا اور ابو حنیفہؒ اور اہل عراق کا۔

سلف کے زمانہ میں علم کے دو ہی بڑے مرکز تھے مدینہ اور عراق، سعید بن المسیب اور زہری دونوں اہل مدینہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ خطیب کی تصریح کے مطابق سارے اہل مدینہ اور اہل عراق حدیث مرسل کو مقبول سمجھتے اور اس پر عمل واجب جانتے تھے۔

مرسل کے ناقابل احتجاج ہونے کے دلائل:

حاکم نے مرسل سے عدم احتجاج پر یہ آیت پیش کی ہے

فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين.

اور استدلال میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔

فقرن الله تعالى الرواية بالسماع من نبيه صلى الله عليه وسلم.

اللہ تعالیٰ نے روایت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سننے سے ملا دیا۔

حاکم کے دعوے اور دلیل میں مطابقت تو دور کی بھی نہیں اور پھر استدلال میں جو الفاظ تحریر کئے ہیں ان سے بھی استدلال تشنہ اور غیر واضح ہی رہتا ہے۔ غالباً منشا یہ ہے کہ چونکہ آیت مذکورہ میں یہ حکم ہے کہ ہر قوم کے کچھ لوگ سفر کرکے دین میں تفقہ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو خبر دیں اس سے یہ معلوم ہوا کہ بغیر سنے روایت نہیں کرنا چاہئے اور چونکہ مرسل میں سماع مذکور نہیں ہوتا اس لئے وہ حجت نہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ امام تابعی یا تبع تابعی جب کوئی حدیث روایت کرتا ہے تو اس کے سماع متصل کو معلوم کرکے ہی تو روایت کرتا ہے نہ کہ کسی شیخ سے اور اس کے سلسلہ سند کو

---

[۱۹۸] ۔الکفایہ، طبع دائرۃ المعارف، ص: ۳۸۴۔

معلوم کئے بغیر بلا تحقیق قال رسول اللہ ﷺ کہہ دیتا ہے اگر ایسا ہے تو وہ امام تو کیا سراسر وضاع وکذاب ہے۔ حالانکہ مرسل کی تعریف میں خود حاکم نے تصریح کی ہے کہ امام تابعی یا تبع تابعی کے قال رسول اللہ ﷺ کہنے کو کہتے ہیں نہ کہ کسی غیر ثقہ شخص کے قول کو۔

پھر یہ تین حدیثیں دلیل میں بیان کی ہیں۔

(۱) نضّر اللہ امرأ سمع مقالتی فوعاها حتی یؤدیها إلی من یسمعها۔

"اور اللہ تعالیٰ اس شخص کو شاداب رکھے جس نے میرے قول کو سنا اور یاد رکھا یہاں تک کہ اس کے سننے والے تک پہنچادیا"۔

(۲) تسمعون ویسمع منکم ویسمع من الذین یسمعون منکم ثم یأتی بعد ذلک قوم سمان یحبون السمن ویشهدون قبل أن یسئلوا۔

"تم سنتے ہو اور تم سے سنا جائے گا اور ان لوگوں سے سنا جائے گا جو سنیں گے ان لوگوں سے جو تم سے سنیں گے پھر اس کے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو موٹی ہوگی اور موٹاپے کو پسند کرے گی وہ لوگ سوال کرنے سے پہلے شہادت دینے لگیں گے"۔

(۳) حدثوا عنی کما سمعتم۔

"تم نے جس طرح مجھ سے سنا ہے اسی طرح بیان کرو"۔

حاکم نے ان حدیثوں سے وجہ استدلال بیان نہیں کی اور ہماری ناقص رائے میں بھی ان روایات سے مرسل کے صحیح نہ ماننے کا تعلق سمجھ میں نہیں آسکا۔ پہلی اور تیسری حدیث میں الفاظ روایت میں احتیاط بلیغ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ دوسری حدیث خبر ہے نہ کہ حکم۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق ظہور میں آیا اور احادیث کا ذخیرہ مدون ہو کر تیار ہوگیا۔ مرسل صحیح بھی اسی طرح سماع متصل ہی سے تابعی تک اور تابعی سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے۔ سماع کے ذکر کرنے کا ان میں سے کسی روایت میں حکم نہیں کہ اگر سماع روایت میں مذکور نہ ہو تو روایت ناقابل قبول

تفسیر ے۔ غرض بغیر وجہ استدلال بتائے ہوئے ان احادیث کو روایت کر کے یہ کہہ دینا کہ ان سب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرسل احادیث واہی ہیں صحیح نہیں۔

پھر حاکم نے ابو اسحاق طالقانی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ

"میں نے ابن مبارک سے پوچھا کہ روایت من صلی علی ابویہ کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں دریافت کیا اس کا راوی کون ہے۔ میں نے کہا شہاب بن خراش، فرمایا ثقہ ہیں۔ میں نے کہا وہ حجاج بن دینار سے روایت کرتے ہیں، کہنے لگے وہ بھی ثقہ، وہ کس سے بیان کرتے ہیں، میں نے کہا رسول اللہ ﷺ سے، فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے درمیان تو اتنا بڑا جنگل ہے کہ اس میں اونٹنیوں کی گردنیں قطع ہو کر رہ جائیں"۔

اول تو ابن مبارک کا یہ بیان مرسل سے متعلق نہیں بلکہ منقطع سے ہے اور پھر اس سے یہ کب لازم آیا کہ ان کے نزدیک ہر مرسل حدیث حجت نہ ہو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوا کہ وہ حجاج کی اس حدیث کو صحیح نہیں سمجھتے ورنہ مراسیل کی صحت ان کا مذہب تھا چنانچہ خود حاکم نے معرفة علوم الحديث میں حسن بن عیسیٰ سے روایت کی ہے کہ میں نے ابن مبارک سے ایک حدیث بیان کی جس کی سند یہ تھی عن أبي بكر بن عياش عن عاصم عن النبي صلى الله عليه وسلم انہوں نے کہا ٹھیک ہے میں نے کہا اس کی عاصم سے آگے سند نہیں۔ فرمانے لگے بھلا عاصم یوں ہی بیان کر سکتے ہیں (۱۹۹)۔

مرسل سے احتجاج کے دلائل

علامہ حافظ محمد بن ابراہیم وزیر نے تنقيح الانظار میں جو اصول حدیث پر ان کی بیش بہا کتاب ہے مرسل کے قابل قبول ہونے پر تین دلیلیں دی ہیں جو ہدیہ ناظرین ہیں۔

۱۹۹۔ معرفة علوم الحدیث، ص: ۲۶، طبع مصر

(۱) اجماع صحابہ و تابعین۔ صحابہ میں عام طور پر حدیث مرسل کی روایت شائع و ذائع تھی وہ برابر اس کو مانتے اور اس پر عمل کرتے رہے۔ ان میں سے کسی نے اس کے ماننے سے انکار نہیں کیا۔ حضرت براء بن عازب نے صحابہؓ کے ایک مجمع میں بیان کیا کہ میں جو کچھ تم سے کہتا ہوں وہ سب میں نے رسول اللہ ﷺ ہی سے نہیں سنا لیکن ہم لوگ جھوٹ نہیں بولتے۔ تابعین کا اجماع ابن جریر کے بیان سابق میں گزر چکا۔

(۲) خبر واحد کے واجب العمل ہونے کے متعلق جتنے دلائل ہیں ان میں مسند اور مرسل کی کوئی تفریق نہیں۔

(۳) ثقہ جب جزم اور یقین کے ساتھ اپنی ذمہ داری پر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے اور یہ جانتے ہوئے کہے کہ اس کا راوی مجروح العدالت ہے تو اس نے خیانت کی جو کسی ثقہ سے نہیں ہو سکتی اسی بناء پر محدثین بخاری کی ان تمام تعلیقات کو قبول کرتے ہیں جس کو انہوں نے جزم کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

مرسل کی چار قسمیں

ائمہ اصول نے مرسل کی چار قسمیں قرار دی ہیں۔

(۱) مراسیل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

(۲) مراسیل قرن ثانی وثالث یعنی امام تابعی یا تبع تابعی کا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا۔ عام طور پر محدثین کے نزدیک اسی دوسری قسم پر مرسل کا اطلاق ہوتا ہے۔

(۳) ہر عہد کے ثقہ راوی کی مرسل۔ اس کو محدثین کی اصطلاح میں معضل کہتے ہیں۔

(۴) وہ حدیث جو ایک طریقہ سے مرسل مروی ہے اور دوسرے سے مسند۔[۲۰۰]

پہلی قسم بالاتفاق مقبول ہے اور اس بارے میں کسی مخالف کا اعتبار نہیں۔ دوسری قسم تمام ائمہ سلف کے نزدیک مقبول اور واجب العمل تھی۔ سب سے پہلے امام شافعیؒ نے

---

[۲۰۰]۔ اصول بزدوی، ج: ۲، ص: ۲۔

اس کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ اور اس کے قبول کرنے کے لئے کچھ نئی شرطیں
لگائیں۔ بعد میں محدثین کی ایک جماعت نے اس بارے میں ان سے اتفاق رائے کیا اور
اس نے سرے سے ان کو ناقابل قبول قرار دیا۔

مراسیل تابعین کے نہ ماننے کی عقلی دلیل

حافظ ابن حجرؒ نے شرح النخبة میں لکھا ہے کہ:

"جہالت راوی کے سبب مرسل قسم مردود میں داخل ہے کیونکہ جب تابعی نے
راوی کا نام نہیں بیان کیا تو ممکن ہے کہ وہ راوی صحابی ہو اور ممکن ہے کہ تابعی،
اخیر صورت میں وہ ضعیف بھی ہو سکتا ہے اور ثقہ بھی، ثقہ ہونے کی شکل میں
پھر وہی پہلا احتمال باقی ہے جس کا سلسلہ عقلاً تو غیر متناہی ہے تاہم تتبع اور تلاش
سے پتہ چلا ہے کہ یہ سلسلہ زیادہ سے زیادہ چھ یا سات اشخاص پر جا کر ختم
ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے زیادہ تابعین کی روایات میں پایا نہیں گیا"۔ (۲۰۱)

اس دلیل کا ابطال

یہ ہے وہ دلیل جس کو حافظ صاحب موصوف نے بڑے زور کے ساتھ پیش کیا ہے لیکن
سوال یہ ہے کہ کیا یہ احتمالات صحابہ کی مراسیل میں پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس اصول پر تو
حدیث وسنت کا بیشتر حصہ ناقابل عمل ہو کر رہ جائے گا کیونکہ جب تک صحابی کا خود
رسول اللہ ﷺ سے روایت میں سماع مذکور نہ ہو گا روایت قابل قبول نہیں ہو گی۔
صحابہ کی ایک جماعت کثیر نے تابعین سے احادیث روایت کی ہیں۔ محدثین نے اس
موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ حافظ خطیب بغدادی نے اس موضوع پر جو کتاب
تصنیف کی ہے اس کا نام ہے روایة الصحابة عن التابعین حافظ زین الدین عراقی کو

---

(۲۰۱) شرح نخبہ، ص: ۱۱۱، طبع مصر۔

جب یہ معلوم ہوا کہ بعض علماء اس کو نہیں مانتے کہ کسی صحابی نے کسی تابعی سے کوئی روایت بیان کی ہے تو انہوں نے بیس حدیثیں التقیید والإیضاح میں ایسی بیان کیں جن کو صحابہ نے تابعین سے روایت کیا ہے۔ ان صحابہ کرام کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں سہل بن سعد، سائب بن یزید، جابر بن عبداللہ، عمرو بن حارث مصطلقی، یعلی بن امیہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، سلیمان بن صرد، ابوہریرہ، انس، ابو امامہ، ابو الطفیل۔ (۲۰۲)

اب سوال یہ ہے کہ وہ عقلی احتمال جہالت راوی کا جو حافظ صاحب نے تابعین کی احادیث میں بیان کیا تھا وہ یہاں بھی موجود ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہ تابعین کی مراسیل میں وسائط زیادہ ہوں گے اور یہاں کم۔ مگر یہ احتمال بالکلیہ مرتفع نہیں ہو سکتا۔

غور کیجئے جب ان ائمہ تابعین کی روایات میں جن پر روایت وفتوی کا دار ومدار تھا جو جرح ونقد کے امام تھے جن کی ساری عمر احادیث نبویہ کی تحقیق وتلاش میں بسر ہوئی، جو فیضان نبوت سے بیک واسطہ مستنیر ہوئے جنہوں نے صحابہ کی آنکھیں دیکھیں اور مدتوں شرف ملازمت سے بہرہ اندوز رہے جن کو صیرفي فی الحدیث (۲۰۳) کہا گیا، جن کے متعلق ائمہ حفاظ نے تصریح کی ہے کہ جب وہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں تو ہمیں اس کی اصل مل جاتی ہے (۲۰۴)۔ جن سے جب اسناد کا مطالبہ ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کہ جب ہم سند بیان کرتے ہیں تو ہمارے پاس صرف وہی اسناد ہوتی ہیں

۲۰۲۔ التقیید والایضاح، ص: ۵۹ - ۶۳۔

۲۰۳۔ حدیث میں "صراف" یہ امام اعمش نے حضرت ابراہیم نخعی کے متعلق کہا ہے دیکھو، تذکرۃ الحفاظ، ج: ۱، ص: ۶۹

۲۰۴۔ امام ترمذی کتاب العلل میں فرماتے ہیں۔ حدثنا عبداللہ بن سوار العنبری قال سمعت یحیی بن سعید القطان یقول ما قال الحسن فی حدیثہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إلا وجدنا لہ اصلا إلا حدیثا او حدیثین۔ ج: ۲، ص: ۲۳۹۔ یحیی بن سعید قطان کا بیان ہے کہ بجز ایک یا دو حدیثوں کے حسن نے جب بھی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا تو ہم کو اس کی اصل مل گئی

لیکن جب ہم بغیر سند ذکر کئے روایت بیان کرتے ہیں تو ہم اس کو ایک جماعت کثیر سے روایت کرتے ہیں۔ امام ترمذی کتاب العلل میں رقمطراز ہیں۔

عن سلیمان الأعمش قال قلت لإبراهيم النخعي أسند لی عن عبد الله بن مسعود فقال إبراهيم إذا حدثتكم عن عبد الله فهو الذی سمعت وإذا قلت قال عبد الله فهو عن غير واحد عن عبد الله۔ (۲۰۵)

"سلیمان اعمش کا بیان ہے کہ میں نے ابراہیم نخعی سے کہا کہ عبداللہ بن مسعود کی روایت کی مجھ سے سند بیان کرو، تو ابراہیم نے کہا کہ جب عبداللہ کی حدیث کی سند میں تم سے بیان کرتا ہوں تو وہی میرا سماع ہوتا ہے لیکن جب قال عبد اللہ کہتا ہوں تو وہ عبد اللہ سے بہت سے رواۃ کے ذریعہ مروی ہوتا ہے"۔

ایک دفعہ حضرت حسن بصری سے کسی نے کہا کہ جب آپ ہم سے حدیث بیان کرتے ہیں تو قال رسول اللہ ﷺ سے شروع کرتے ہیں اگر اس کی سند بھی بیان فرمادیا کریں تو کیا اچھا ہو۔ جواب دیا اے شخص نہ ہم نے جھوٹ بولا نہ بولیں گے۔ خراسان کی جنگ میں ہمارے ساتھ تین سو صحابہ تھے (کس کس کے نام بتائیں)۔ (۲۰۶)

غرض جب امام ابراہیم نخعی اور حضرت حسن بصری جیسے جلیل المرتبت تابعین کی مراسیل میں جہالت راوی کی احتمال آفرینی چل سکتی ہے تو آخر صحابہؓ کی مراسیل میں کیوں نہیں چل سکتی خصوصًا ان صحابہؓ کی روایات میں جن کے متعلق بالیقین معلوم ہے کہ وہ تابعین سے روایت کرتے تھے۔

جو شخص ثقہ اور غیر ثقہ دونوں سے ارسال کرے اس کی مرسل بالاتفاق مقبول نہیں۔

پھر ائمہ نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ جو شخص ثقات اور غیر ثقات دونوں سے ارسال کرے اس کی روایات بالاتفاق مقبول نہیں۔ خود حافظ صاحب فرماتے ہیں۔

۲۰۵۔ ج: ۲ص: ۲۳۹۔

۲۰۶۔ تدریب الراوی، ص: ۶۹۔

ونقل أبو بكر الرازی من الحنفية وأبو الوليد الباجی من المالكية أن الراوی إذا كان يرسل عن الثقات وغيرهم لايقبل مرسله إتفاقاً۔(۲۰۷)

"حنفیہ میں سے ابو بکر رازی اور مالکیہ میں سے ابو الولید باجی نے تصریح کی ہے کہ راوی جب ثقات اور غیر ثقات دونوں سے ارسال کرے تو اس کی مرسل بالاتفاق مقبول نہیں"۔

غور فرمایئے جب یہ بالاتفاق مسلم ہے کہ اس شخص کی مراسیل جو ضعفاء سے ارسال کرے قابل قبول نہیں تو پھر حافظ صاحب کے اس احتمال کی گنجائش ہی کہاں ہے۔

تعلیقات بخاری اور مراسیل تابعین:

پھر یہ بھی خیال رہے کہ محدثین ایک طرف بخاری کی ان تعلیقات تک کو جن کو وہ بالجزم بیان کریں جن میں راوی اور مروی عنہ تک ایک جگہ نہیں متعدد جگہوں پر بقول ابن مبارک مفازة تنقطع فيها اعناق الإبل موجود ہوتا ہے صحیح سمجھتے ہیں اور دوسری طرف کبار ائمہ تابعین کے قال رسول الله صلى الله عليه وسلم کہنے پر بھی اعتبار نہیں جن کی فضیلت پر آیت وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِإِحْسَانٍ شاہد ہے۔ کیا امام ابراہیم نخعی، امام حسن بصری، کا جزم امام بخاری کے جزم سے بھی نیچے درجہ کا ہے؟ کیا ان ائمہ کی مراسیل صحت میں تعلیقات بخاری سے بھی کم ہیں؟

مرسل کے بارے میں امام ابو داؤد کا فیصلہ:

یہی وجہ ہے کہ امام ابو داؤد سجستانی صاحب السنن نے اپنی مشہور تصنیف رسالة إلىٰ اهل مكة میں عام محدثین کے خلاف صاف طور پر فیصلہ صادر فرمادیا۔

فإذا لم يكن مسند غير المراسيل ولم يوجد المسند فالمرسل يحتج به۔(۲۰۸)

۲۰۷۔ شرح نخبۃ الفکر، ص: ۱۱۳، طبع مصر۔

"جب مراسیل ہی ہوں اور مسند نہ ہو تو مرسل سے احتجاج کیا جائے گا"۔
مرسل کی تیسری قسم یعنی زمانہ تابعین و تبع تابعین کے بعد کے فقہاء یا محدثین کا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا جسے محدثین کی اصطلاح میں معلق یا معضل کہتے ہیں۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجرؒ ابن صلاح سے ناقل ہیں۔

إن وقع الحذف في كتاب التزمت صحة كالبخاری فما أتی فيه بالجزم دلّ علی أنه ثبت إسناده عنده وإنما حذف لغرض من الأغراض.(۲۰۹)

"اگر حذف اسناد ایسی کتاب میں واقع ہوا جس میں صحت کا التزام ہے جیسے بخاری تو جو روایات انہوں نے اس میں بصیغہ جزم بیان کی ہیں وہ اس بات کو بتلاتی ہیں کہ اس کی اسناد مصنف کے نزدیک ثابت ہے اور اسے کسی وجہ سے ذکر نہیں کیا ہے"۔

ائمہ حنفیہ میں سے امام عیسی بن ابان نے اس تیسری قسم کے متعلق تصریح کی ہے کہ صرف ان ائمہ نقل و روایت ہی کے مراسیل قبول کئے جائیں گے جو علم و روایت میں مشہور ہوں گے جن سے علم کے حاصل کرنے کا لوگوں میں شہرہ ہوگا۔(۲۱۰)

اس عہد میں بے سند حدیث بیان کرنے کا حکم:

علامہ عبدالعزیز بخاری نے کشف الأسرار شرح أصول بزدوی میں جو اصول فقہ کی بینظیر کتاب ہے تصریح کی ہے کہ:

"ہمارے زمانے میں جب کوئی شخص قال رسول اللہ ﷺ کہے تو اگر وہ روایت احادیث میں معروف ہوگی تو قبول کی جائے گی ورنہ نہیں یہ اس لئے نہیں کہ وہ مرسل ہے بلکہ اس سبب سے کہ اب احادیث منضبط اور مدون ہو گئی

۲۰۸۔ مقدمہ سنن ابی داود، ص: ۱۔
۲۰۹۔ شرح نخبۃ الفکر، ص: ۱۰۸۔ ۱۰۹۔
۲۱۰۔ کشف الاسرار، ج: ۳، ص: ۷۲۷۔

ہیں لہذا ہمارے زمانہ میں جس حدیث کی معرفت سے علماء حدیث انکار کریں وہ کذب ہے ہاں اگر یہ زمانہ وہ ہوتا جب سنن کی تدوین نہیں ہوئی تھی تو قبول کی جاسکتی تھی۔"(۲۱۱)

چوتھی قسم کے متعلق مفصل بحث حاکم کی تیسری قسم کے بیان میں آگے آتی ہے۔

پرستاران اسناد کی خدمت میں اتنا عرض کرنا اور ضروری ہے کہ ہماری بحث اس ارسال سے متعلق ہے جس کی جب سند بیان کی جائے قابل قبول ہو نیز ایسے شخص کے ارسال سے ہے جس کے متعلق کذب و دروغ بیانی کا گمان تک نہیں کیا جاسکتا ایسا شخص قال رسول اللہ ﷺ کے الفاظ اسی وقت زبان سے نکال سکتا ہے جبکہ اس نے سند کی چھان بین کرلی ہو اور حدیث کی صحت کا یقین حاصل کرچکا ہو ورنہ ظاہر ہے جو شخص قال رسول اللہ ﷺ کے کہنے میں احتیاط نہیں کرتا وہ حدثنی فلان کہنے میں کیا خاک احتیاط کرے گا ایسے شخص کی مسند تو بدرجہ اولی ناقابل قبول ہو گی۔

غور فرمایئے جو شخص رسالت مآب ﷺ کے اقوال وافعال کے متعلق دروغ بیانی میں باک نہیں کرتا اسے اپنے شیوخ واساتذہ کے متعلق اس قسم کی کیوں جرات نہیں ہو سکتی۔ منکرین مراسیل کا بھی عجیب حال ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے متعلق کچھ بیان کیا جائے تو ناقابل قبول اور جب غیر کے متعلق بیان کیا گیا تو واجب التسلیم ایک ہی راوی کی مسند تو صحیح مگر مرسل ناقابل احتجاج۔

ع: هذا لعمري في القياس بديع

امام فخر الاسلام نے سچ فرمایا ہے:

فعمد أصحاب ظاهر الحديث فردوا أقوى الأمرين۔(۲۱۲)

ارباب ظواہر نے دونوں روایتوں میں سے جو زیادہ قوی تھی اس کو ہی چھوڑ دیا۔

۲۱۱۔ کشف الاسرار، ج: ۳، ص: ۷۷۔

۲۱۲۔ اصول بزدوی، ج: ۳، ص: ۴۴۷۔

انکار مرسل کے اصول پر سنت کا ایک حصہ معطل ہو کر رہ جاتا ہے

امام ابو داؤد سجستانی اور امام ابن جریر طبری کا بیان سابق میں آپ کی نظر سے گزر چکا جس سے واضح ہے کہ مراسیل کی قبولیت سے انکار سلف کے تعامل و توارث کے بالکل برخلاف ہے اور نہ صرف اتنا بلکہ بقول امام بزدوی:

وفيه تعطيل كثير من السنن.(۲۱۳)

"اس طرح پر بہت سی سنن معطل ہو کر رہ جاتی ہیں"۔

حافظ دار قطنی اور بیہقی نے مذہب محدثین و شافعیہ کی نصرت میں جو خدمات انجام دی ہیں بیان سے باہر ہیں۔

امام الحرمین کا قول ہے کہ:

"کوئی شافعی ایسا نہیں جس کی گردن پر امام شافعی کا احسان نہ ہو بجز بیہقی کے کہ انہوں نے جس طرح امام شافعیؒ کے اقوال اور ان کے مذہب کی تائید میں خدمات انجام دی ہیں اس سے خود امام شافعیؒ پر ان کا احسان ہے" (۲۱۴)۔

ان دونوں بزرگوں کی یہ کیفیت ہے کہ سند پر سند اور روایت پر روایت ذکر کرتے چلے جاتے ہیں جس کی تضعیف کی ان کے پاس بجز اس کے کوئی اور صورت نہیں ہوتی کہ اس کو یا مرسل کہہ دیں یا موقوف۔

زمانہ کی نیرنگیاں بھی دیکھنے کے قابل ہیں۔ منکرین مراسیل کو اصحاب الحدیث کہا جائے اور جو حدیث مرسل تک کو واجب العمل قرار دیں ان کو اھل الرائے۔

ع:

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں   جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

۲۱۳۔ اصول بزدوی، ج: ۳، ص: ۲۴۷۔

۲۱۴۔ طبقات الشافعیۃ الکبری للسبکی، ج: ۳، ص: ۴، طبع مصر۔

صحیح مختلف فیہ کی دوسری قسم:

فرماتے ہیں:

حدیث صحیح کی دوسری قسم جس کی صحت میں اختلاف ہے مدلسین کی وہ روایات ہیں جن کی روایت میں وہ اپنا سماع بیان نہیں کرتے ایسی سب روایات ان ائمہ اہل مدینہ کے نزدیک جن کا سابق میں ہم ذکر کر چکے ہیں صحیح ہیں۔ مدلسین کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً سفیان بن عیینہ جو ائمہ اہل مکہ میں شمار کئے جاتے ہیں یوں روایت کریں۔

قال الزهری حدثنی سعید بن المسیب.

"زہری نے کہا کہ سعید بن المسیب نے مجھ سے بیان کیا"۔

یا اس طرح کہیں

قال عمرو بن دینار سمعت جابرا.

"عمرو بن دینار نے کہا کہ میں نے جابر سے سنا"۔

سفیان بن عیینہ کا سماع زہری اور عمرو بن دینار دونوں سے مشہور ہے لیکن اس جگہ مذکور نہیں اور ان کے متعلق یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جب کسی روایت میں ان کا سماع فوت ہو جاتا ہے تو وہ تدلیس سے کام لیتے ہیں۔ علی بن خشرم کا بیان ہے کہ میں سفیان بن عیینہ کی مجلس درس میں حاضر تھا انہوں نے قال الزہری کہہ کر حدیث شروع کی۔ اس پر ان سے کہا گیا کہ کیا آپ کے سامنے زہری نے حدیث بیان کی تھی وہ خاموش ہو رہے اور پھر قال الزہری کہہ کر آگے چلنے لگے پھر ان سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ نے زہری سے یہ روایت سنی ہے۔ کہنے لگے نہ تو یہ روایت خود میں نے زہری سے سنی اور نہ کسی اس شخص سے جس نے اس کو زہری سے بلاواسطہ سنا ہو مجھے تو عبدالرزاق نے معمر کے حوالے سے زہری سے یہ روایت بیان کی ہے۔

اسی طرح قتادہ بن دعامہ جو اہل بصرہ کے امام ہیں۔ انس اور حسن سے تدلیس میں مشہور ہیں۔ شعبہ کہتے ہیں میں قتادہ کے منہ کو دیکھتا رہتا جیسے ہی حدثنا کا لفظ ان کی زبان سے نکلتا فوراً لکھ لیتا ورنہ نہیں۔

اہل کوفہ میں سے بعض نے تدلیس کی ہے بعض نے نہیں تاہم اکثر اس میں مبتلا تھے جن میں حماد بن ابی سلیمان اور اسمٰعیل بن ابی خالد وغیرہ داخل ہیں البتہ طبقہ ثانیہ کے لوگ جیسے ابو اسامہ حماد بن اسامہ اور ابو معاویہ محمد بن خازم ضریر وغیرہ تو ان میں سے اکثر نے تدلیس نہیں کی۔

ابو عبیدہ بن ابی سفیان کا بیان ہے کہ ہم ابو سلمہ کے پاس موجود تھے ان کی زبان سے قال یحیی بن سعید نکلا ایک شخص نے ان سے کہا حدیث بیان کیجئے فرمانے لگے کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ تدلیس سے کام لیتا ہوں خدا کی قسم اگر اس مجلس درس سے مجھے معاف رکھا جائے تو وہ مجھے ایک لاکھ حدیث سے زیادہ محبوب ہے پھر یہ سند پڑھ دی حدثنی یحیی بن سعید بن قیس الأنصاری عن سعید بن المسیب بن حزن القرشی۔

مدلسین کے واقعات بہت ہیں ائمہ نے ان کی وہ روایات جن میں انہوں نے تدلیس سے کام لیا منضبط کی ہیں اور احادیث میں جہاں انہوں نے تدلیس نہیں کی ظاہر ہے"۔

حاکم نے حماد بن ابی سلیمان کو تو مدلس کہا مگر ابو اسامہ اور ابو معاویہ ضریر سے تدلیس کی نفی کی ہے حالانکہ ایسا نہیں بلاشبہ حماد کے متعلق امام شافعی کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے اپنے مشہور استاد ابراہیم نخعی سے ایک روایت کے بیان کرتے وقت عن ابراہیم کہ جس کو انہوں نے ابراہیم سے براہ راست نہیں سنا تھا بلکہ مغیرہ کے توسط سے وہ اسے ابراہیم سے روایت کرتے تھے۔ لیکن ابو اسامہ اور ابو معاویہ دونوں کے متعلق ائمہ فن کی تصریح موجود ہے کہ وہ مدلس تھے ابو اسامہ کے متعلق ابن سعد کے الفاظ ہیں۔

کان کثیر الحدیث ویدلس ویبین تدلیسہ۔[۲۱۵]

"وہ کثیر الحدیث اور مدلس تھے اور اپنی تدلیس کو بیان کردیتے تھے"۔

اسی طرح معیطی نے بھی ان کو کثیر التدلیس کہا ہے اور تصریح کی ہے کہ بعد میں انہوں نے یہ عادت چھوڑ دی تھی۔[۲۱۶] ابو معاویہ کے متعلق یعقوب بن شیبہ کا بیان ہے ربما دلس[۲۱۷] (اکثر تدلیس سے کام لیتے ہیں) ابن سعد اور دار قطنی نے بھی ان کے مدلس ہونے کی صراحت کی ہے۔[۲۱۸]

حاکم نے جس تدلیس کا ذکر کیا ہے اسے اصطلاح محدثین میں تدلیس اسناد کہتے ہیں، محدث خطیب بغدادی نے الکفایۃ میں اس کے بارے میں چار اقوال نقل کیے ہیں۔

(۱) فقہاء اور محدثین کے ایک گروہ کے نزدیک ایسے مدلس کی روایات سرے سے مقبول نہیں۔

(۲) اکثر اہل علم کے نزدیک اس قسم کی روایت مطلقاً قابل قبول ہیں۔

(۳) بعض علماء کے نزدیک جب مدلس نے اس سے تدلیس کی جس سے سنا بھی نہیں اور ملاقات بھی نہیں ہوئی تو اگر یہ تدلیس اس کی روایات پر غالب ہے تو قابل قبول نہیں لیکن اگر لقاء اور سماع تو اس سے حاصل تھا مگر وہ روایات اس سے نہیں سنی تھی جس میں تدلیس سے کام لیا تو وہ روایات مقبول ہوں گی بشرطیکہ جس سے وہ روایت کی جائے وہ ثقہ ہو۔

۲۱۵۔ تہذیب التہذیب، ج: ۳، ص: ۳، طبع دائرۃ المعارف وطبقات المدلسین، ص: ۹، طبع مصر۔

۲۱۶۔ میزان الاعتدال للذہبی، ج: ۱، ص: ۲۲۷ وطبقات المدلسین لابن حجر العسقلانی، ص: ۲۔

۲۱۷۔ میزان الاعتدال، ج: ۱، ص: ۳۸۲۔

۲۱۸۔ ابن سعد کا قول تہذیب التہذیب، ج: ۹، ص: ۱۳۹ اور دار قطنی کا بیان طبقات المدلسین، ص: ۱۱ میں مذکور ہے۔

(۴) اگر روایت میں سماع کے الفاظ موجود ہیں تو مقبول ہے ورنہ مردود۔ خطیب اس قول کو بیان کرکے کہتے ہیں: وهذا هو الصحيح عندنا۔[۲۱۹]

"اور یہ ہی ہمارے نزدیک صحیح ہے"۔

حافظ زین الدین عراقی فرماتے ہیں:

والى هذا ذهب الأكثرون وممن رواه عن جمهور أئمة الحديث والفقه والاصول شيخنا أبو سعيد العلائي في كتاب المراسيل وهو قول الشافعي وعلي بن المديني ويحي بن معين وغيرهم۔[۲۲۰]

"اسی طرف بیشتر لوگ گئے ہیں ہمارے شیخ ابو سعید علائی نے کتاب المراسیل میں اس کو جمہور ائمہ حدیث و فقہ واصول سے بیان کیا ہے شافعی، علی بن مدینی، یحیٰ بن معین وغیرہ کا یہی قول ہے"۔

صحیحین میں مدلسین کی روایت:

صحیحین میں اس قسم کی روایات بکثرت موجود ہیں۔ شیخ ابن صلاح مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

وفي الصحيحين وغيرهما من الكتب المعتمدة من حديث هذا الضرب كثير جدًا كقتادة والأعمش وهشيم بن بشير وغيرهم لأن هذا التدليس ليس كذبًا وانما هو ضرب من الابهام بلفظ محتمل۔[۲۲۱]

"صحیحین اور دیگر مستند کتابوں میں اس قسم کی روایات بکثرت ہیں جیسے قتادہ اعمش اور ہشیم بن بشیر وغیرہ کی روایات کیونکہ تدلیس کذب میں داخل نہیں بلکہ محتمل الفاظ میں ایک قسم کا ابہام ہے"۔

۲۱۹۔ کفایہ، ص: ۳۶۱۔

۲۲۰۔ تنقیح الانظار، قلمی، ص: ۱۱۷۔

۲۲۱۔ مقدمہ ابن صلاح، ص: ۸۲، طبع حلب۔

صحیح مختلف فیہ کی تیسری قسم:

فرماتے ہیں:

"صحیح مختلف فیہ کی تیسری قسم وہ حدیث ہے جس کو ایک ثقہ کسی امام سے مسنداً روایت کرے اور ثقات کی ایک جماعت اس کو مرسلاً بیان کرے"۔

ایسی احادیث فقہاء کے مذہب پر صحیح ہیں کیونکہ ان کے نزدیک جب ثقہ اور معتبر راوی اسناد میں زیادہ بیان کرے تو اسی کے قول کا اعتبار ہے لیکن ائمہ حدیث کے نزدیک ان سب لوگوں کا قول ہی معتبر ہوگا جنہوں نے اس کو مرسلاً روایت کیا ہے کیونکہ ایک شخص کے متعلق وہم کا ڈر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: "شیطان اکیلے کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے دور ہی رہتا ہے"۔

سابق میں بحث مرسل میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ مراسیل احادیث صحیحہ میں داخل ہیں اور واجب العمل ہیں سلف صالحین اور امت کی اکثریت اس سے احتجاج کی قائل ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک تو ایسی روایت بدرجہ اولی صحیح ہے۔ اور جب سلف میں ارسال حدیث کا دستور بلانکیر شائع و ذائع تھا تو پھر ایسی حدیث کو صحیح نہ سمجھنا کیا معنی اور ایسی صورت میں مرسل بیان کرنے والوں اور مسند روایت کرنے والوں میں تعارض کیسے ہو سکتا ہے کہ خواہ مخواہ اس صورت میں اختلاف فرض کیا گیا۔ شیخ نے ایک دفعہ مرسل بیان کی تلامذہ نے ویسی ہی روایت کر دی۔ پھر کسی شاگرد نے اسناد پوچھی اس نے مسنداً بیان کر دی یا بلا سوال ہی کسی شاگرد سے حدیث کی اسناد بھی بیان کر دی اس نے حدیث کو مسنداً روایت کیا۔

غور فرمایئے ان دونوں کے بیانات میں تعارض کون سا لازم آیا شیخ کو کیا خبر تھی کہ آنے والے زمانے میں لوگ حدیث مرسل کو صحیح ماننے ہی سے انکار کر دیں گے اول

تو حدیث مرسل خود ہی حجت ہے پھر مزید یہ کہ وہ مسنداً بھی مروی ہے مگر اب بھی اصحاب حدیث اسے صحیح نہ مانیں تو اسے کیا کہیے۔

طرفہ یہ کہ یہی حدیث اگر مرسلاً موجود نہ ہوتی اور بالکل اسی اسناد سے مسنداً روایت کی جاتی تو یہی ائمہ حدیث اسے صحیح سمجھتے اور اس پر عمل ضروری خیال کرتے مگر اب جبکہ وہ مرسلاً موجود ہے تو سرے سے ناقابل قبول۔ دارقطنی اور بیہقی وغیرہ محدثین کے پاس احناف کی احادیث کا بس ایک یہی جواب ہوتا ہے کہ فلاں نے اس کو مرسلاً روایت کیا ہے اور فلاں نے مسنداً اور چونکہ اس میں ارسال ہے اس لئے ضعیف ہے۔ غرض ارسال کا شائبہ بھی برا ہے۔

واعظ ثبوت لائے جوے کے جواز میں
اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا ہی چھوڑ دے

بلاشبہ اکثر اصحاب حدیث کا یہی خیال ہے جس کو حاکم نے بیان کیا تاہم محققین کا فیصلہ اس کے بالکل برخلاف ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں۔

وأما إذا رواه بعض الثقات الضابطين متصلاً وبعضهم مرسلاً أو بعضهم موقوفاً وبعضهم مرفوعاً أو وصله هو أو رفعه في وقت وأرسله أو وقفه في وقت فالصحيح الذى قاله المحققون من المحدثين وقاله الفقهاء وأصحاب الأصول وصححه الخطيب البغدادى أن الحكم لمن وصله أو رفعه سواء كان المخالف له مثله أو أكثر أو أحفظ لأنه زيادة ثقة وهى مقبولة. (۲۲۲)

"اور جبکہ بعض ثقات ضابطین متصل روایت کریں اور بعض مرسلاً یا بعض موقوفاً بیان کریں اور بعض مرفوعاً یا خود ہی ایک وقت مسنداً یا مرفوعاً روایت

---

(۲۲۲) مقدمہ شرح صحیح مسلم، ج:۱، ص: ۳۲، طبع مصر۔

کرے اور دوسرے وقت مرسلاً یا موقوفاً پس وہ صحیح قول جو کہ محققین محدثین کا ہے اور فقہاء اور ارباب اصول جس کے قائل ہیں اور خطیب بغدادی نے جس کی تصحیح کی ہے یہ ہے کہ فیصلہ اسی کے حق میں ہوگا جس نے اس کو مسنداً یا مرفوعاً روایت کیا ہے خواہ اس کی مخالفت کرنے والا اسی جیسا ہو یا اس سے تعداد میں زیادہ یا اس سے بڑا حافظ ہو کیونکہ یہ ثقہ کی زیادتی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے"۔

رہی وہ حدیث جو حاکم نے اس سلسلہ میں استدلال کے طور پر پیش کی ہے کہ

الشيطان مع الواحد وهو من الإثنين أبعد.

"کہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے بہت دور رہتا ہے"۔

تو اس کے بارے میں امام ابو یوسف کا وہ جملہ یاد آتا ہے جو انہوں نے اپنی بینظیر کتاب **الرد على سير الأوزاعي** میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

والحديث رسول الله صلى الله عليه وسلم معان ووجوه وتفسير لا يفهم ولا يبصره إلا من أعانه الله تعالى عليه.[۲۲۳]

"رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے کچھ معنی کچھ توجیہیں اور کچھ تفسیریں ہوتی ہیں جن کو بجز اس کے کہ جس کی اللہ تعالیٰ اعانت فرمائے اور کوئی نہ سمجھ سکتا ہے نہ جان سکتا ہے"۔

اگر حدیث کے وہی معنی ہیں جو حاکم نے لئے ہیں تو اس اصول پر تو کسی تنہا شخص کی کوئی روایت صحیح نہیں ہو سکتی۔ **وهل هي إلا ثلمة تهدم الإسلام.**

۲۲۳۔ الرد علی سیر الاوزاعی، طبع مصر، ص: ۱۴۔ یہ کتاب مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

صحیحین میں ایسی حدیثیں موجود ہیں:

پھر یہ بھی خیال رہے کہ خود صحیحین میں ایسی حدیثیں موجود ہیں جن کے وصل و ارسال میں اختلاف ہے چنانچہ علامہ امیر یمانی حافظ ابن حجر سے ناقل ہیں۔

وأما ما اختلف في وصله وإرساله ففي الصحيحين منه جملة وقد تعقب الدار قطنی بعضه فی التتبع۔[۲۲۴]

"ایسی حدیثیں جن کے وصل وارسال میں اختلاف ہے ان کا ایک حصہ صحیحین میں منقول ہے چنانچہ دارقطنی نے کتاب التتبع میں ان سے بعض روایات پر گرفت کی ہے"

اپنے بیان کے خلاف خود حاکم کا عمل:

یہ بھی واضح رہے کہ خود حاکم نے اپنے اس اصول کی مستدرک میں سختی سے مخالفت کی ہے چنانچہ جابجا اس کے بر خلاف اس میں تصریحات موجود ہیں۔ مثلاً حدیث ابن عباس إذا أصابها في الدم فدينار وإذا أصابها فی إنقطاع الدم فنصف دینار پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

قد أرسل هذا الحديث وأوقف أيضا ونحن على أصلنا الذی أصلناه أن القول قول الذی یسند ویصل اذا کان ثقة۔[۲۲۵]

"یہ حدیث مرسل بھی روایت کی گئی ہے اور موقوف بھی مگر ہم اپنے اسی اصول پر ہیں جو ہم نے قائم کیا ہے کہ اسی کی بات مانی جائے گی جو مسنداً اور متصلاً روایت بیان کرے بشرطیکہ وہ ثقہ ہو"۔

۲۲۴۔ توضیح الافکار، قلمی، ص: ۵۵۔

۲۲۵۔ دیکھو مستدرک علی الصحیحین، ج: ۲، ص: ۱۷۲۔

اسی طرح کتاب الایمان میں مصعب بن زبیر (۲۲۶) کی حدیث اور کتاب العلم میں لا تعلموا العلم لتباهوا به العلماء. (۲۲۷) کے ذیل میں اسی قسم کی تصریح موجود ہے۔

صحیح مختلف فیہ کی چوتھی قسم

کے متعلق حاکم کا بیان ہے:

"صحیح مختلف فیہ کی چوتھی قسم محدث کی وہ روایات ہیں جن کا وہ نہ عارف ہے نہ حافظ جیسا کہ ہمارے زمانے کے بیشتر محدثین کا حال ہے۔ حدیث کی یہ قسم اکثر محدثین کے نزدیک قابل احتجاج ہے لیکن امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ اس کو حجت نہیں سمجھتے امام ابو حنیفہ کی روایت اس بارے میں درج ذیل ہے۔

حدثنا أبو أحمد محمد بن أحمد بن شعيب العدل ثنا أسد بن نوح الفقيه ثنا أبو عبد الله محمد بن مسلمة عن بشر بن الوليد عن أبي يوسف عن أبي حنيفة أنه قال لا يحل للرجل أن يروى الحديث إلاّ إذا سمعه من فم المحدث فيحفظه ثم يحدث به۔

"امام ابو یوسف امام ابو حنیفہ سے راوی ہیں کہ کسی شخص کو اس وقت تک حدیث بیان کرنا روا نہیں جب تک کہ محدث کے منہ سے سن کر اسے یاد نہ کر لے اور بیان کرتے وقت تک اسے حفظ نہ رکھے۔" (۲۲۸)

۲۲۶۔ ایضاً، ج: ۱، ص: ۴۹۔

۲۲۷۔ مستدرک علی الصحیحین، ج: ۱، ص: ۱۰۶

۲۲۸۔ ایک مرتبہ سید الحفاظ یحییٰ بن معین نے (جن کے متعلق امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے کہ جس حدیث کو یحییٰ بن معین نہ جانیں وہ حدیث ہی نہیں) امام صاحب کی توثیق کرتے ہوئے آپ کی اسی خصوصیت کو واضح کیا ہے چنانچہ حافظ خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں بسند متصل ان سے ناقل ہیں۔ کان ابو حنیفہ ثقۃ لا یحدث الا بما یحفظ ولا یحدث بما لا یحفظ (تاریخ بغداد ج: ۱۳ ص: ۴۱۹

اور امام مالک کے متعلق معن بن عیسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے ان کو فرماتے ہوئے سنا اس شخص سے علم نہ لیا جاوے جو اپنی بیان کردہ حدیثوں کا عالم نہ ہو۔ امام موصوف کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ میں بہت سے ارباب صلاح کو پایا لیکن ان میں سے کسی ایک سے بھی حدیث کا ایک حرف بیان نہیں کرتا۔ سوال کیا گیا اے ابو عبد اللہ (یہ امام مالک کی کنیت ہے) ایسا کیوں؟ فرمایا، ''اس لئے کہ وہ جو حدیثیں بیان کرتے تھے ان کو سمجھتے نہ تھے''۔

حافظ سیوطی تدریب الراوی میں امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا مذہب نقل کر کے لکھتے ہیں۔

وهذا مذهب شديد وقد استقر العمل على خلافه فلعل الرواة في الصحيحين ممن يوصف بالحفظ لا يبلغون النصف۔[۲۲۹]

"یہ سخت مذہب ہے اور عمل اس کے خلاف قرار پایا ہے کیونکہ غالبا صحیحین کے ان رواۃ کی تعداد جو حفظ سے موصوف ہیں نصف تک نہیں پہنچتی"۔

صحیح مختلف فیہ کی پانچویں قسم

کے متعلق ارشاد ہے:

"صحیح مختلف فیہ کی پانچویں قسم مبتدعہ اور أصحاب الاھواء کی روایات ہیں جو اکثر محدثین کے نزدیک مقبول ہیں جبکہ یہ لوگ سچے اور راستباز ہوں۔ چنانچہ محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ نے جامع صحیح میں عباد بن یعقوب رواجنی سے حدیث بیان کی ہے اور ابو بکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ کہتے تھے۔

طبع مصر) امام ابو حنیفہ ثقہ ہیں جو حدیث ان کو حفظ ہوتی ہے وہی بیان کرتے ہیں اور جو حفظ نہیں ہوتی، بیان نہیں کرتے۔

۲۲۹۔ تدریب الراوی، ص: ۱۶۰۔

حدثنا الصدوق في روايته المتهم فی دينه عباد بن يعقوب۔

"ہم سے عباد بن یعقوب نے حدیث بیان کی جو اپنی روایت میں سچا اور دین میں متہم تھا"۔

اسی طرح بخاری نے صحیح میں محمد بن زیاد الہانی، حریز بن عثمان رحبی سے احتجاج کیا ہے۔ حالانکہ ان کے متعلق نصب کی شہرت ہے۔ اسی طرح بخاری و مسلم دونوں ابو معاویہ محمد بن حازم، اور عبید اللہ بن موسیٰ سے احتجاج پر متفق ہیں حالانکہ یہ دونوں غالی مشہور تھے۔

لیکن مالک بن انس یہ کہتے تھے کہ اس بدعتی سے حدیث نہیں لی جائے گی جو لوگوں کو اپنی بدعت کی دعوت دیتا ہو اور نہ اس شخص سے جو لوگوں سے گفتگو میں دروغ بیانی سے کام لے، اگرچہ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ پر دروغ گوئی کا الزام نہ ہو۔

احادیث صحیحہ کا انحصار صرف صحیحین ہی میں نہیں

حدیث صحیح کے یہ دہ گانہ اقسام بیان کرنے کے بعد حاکم رقمطراز ہیں:

"ہم نے دس قسموں پر احادیث کی صحت کے وجوہ بیان کر دیئے اور اس سلسلہ میں جو اہل فن کا اختلاف تھا وہ بھی واضح کر دیا تاکہ کوئی وہمی اس وہم میں مبتلا نہ ہو کہ صرف وہی حدیثیں صحیح ہیں جن کی بخاری و مسلم نے تخریج کی ہے۔ کیونکہ جب ہم نے غور و تامل سے کام لیا اور بخاری کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی تاریخ کو ان لوگوں کے اسماء پر جمع کیا ہے جن سے صحابہ کے زمانے سے لے کر ۲۵۵ھ تک حدیث کی روایت کی گئی ہے تو ان کی تعداد چالیس ہزار مردوں اور عورتوں کے قریب پہنچی اور میں نے جب ان لوگوں کے اسماء کا شمار کیا جن سے صحیحین میں یا صرف صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں روایت موجود ہے تو وہ دو ہزار مردوں اور عورتوں سے بھی کم نکلے پھر ان چالیس ہزار میں سے ان لوگوں کو میں نے جمع کیا جن پر جرح ہوئی ہے تو کل دو سو چھبیس مرد ہوئے۔

اس لئے علم حدیث کے طالب کو یہ بات معلوم رہنی چاہئے کہ ناقلین حدیث کی اکثریت ثقات کی ہے اور صحیحین میں ان کے اول درجہ سے احتجاج کیا گیا ہے اور دیگر سارے راویوں کی اکثریت معتبر لوگوں کی ہے جن کی روایتیں صحیحین میں وجوہ سابق کی بنا پر درج نہ ہو سکیں"۔

حاکم نے مدخل اور مستدرك دونوں کتابوں میں اس پر بڑا زور دیا ہے کہ صحیح حدیثیں صرف صحیحین ہی میں منحصر و محدود نہیں ہیں بلکہ ان میں ان کا صرف ایک حصہ منقول ہے چنانچہ مستدرك علی الصحیحین کی تصنیف کی تو غرض وغایت ہی اس خیال کا ابطال تھا۔ اس کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

"امام بخاری و مسلم دونوں نے یا ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ حکم نہیں لگا یا کہ بجز ان حدیثوں کے جن کو وہ روایت کر چکے ہیں اور کوئی حدیث صحیح نہیں ۔ ہمارے اس عہد میں مبتدعین کی ایک جماعت اٹھی ہے جو محدثین کو چھیڑ کر خوش ہوتی ہے کہ جتنی حدیثیں تمہارے نزدیک صحیح ہیں وہ دس ہزار تک بھی نہیں پہنچتیں اور یہ اسانید جو ایک ہزار جزو یا اس سے کم و بیش پر مشتمل ہیں سب کی سب سقیم اور غیر صحیح ہیں۔

مجھ سے اس شہر کے اعیان علماء کی ایک جماعت نے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں ایک ایسی کتاب مدون کردوں جو ان احادیث پر مشتمل ہو جو ایسی اسانید سے مروی ہوں جیسی شیخین کے نزدیک قابل احتجاج ہیں اس لئے کہ جس حدیث میں کوئی علت نہ ہو اسے صحیح سے خارج کرنے کی کوئی سبیل نہیں اور شیخین نے کبھی اپنے متعلق اس قسم کا ادعا نہیں کیا" (۲۳۰)۔

مبتدعین تو ایک طرف رہے تعجب ہے کہ بعض اکابر محدثین تک اس غلط فہمی کا شکار ہوگئے کہ شیخین کے نزدیک صحیح احادیث کی تعداد بس اتنی ہی ہے جتنی کہ صحیحین میں

۲۳۰۔ مستدرک، ج:۱، ص: ۳۔

مذکور ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے شیخین پر نہایت سختی سے اعتراض کیا کہ صحیح حدیثوں کی بڑی تعداد کو نظر انداز کر گئے۔ حالانکہ ان کو یہ بات زیبا نہ تھی۔
محدث نووی لکھتے ہیں:

"امام حافظ ابو الحسن علی بن عمر دار قطنی رحمہ اللہ وغیرہ نے بخاری و مسلم رضی اللہ عنہما کے لئے ان احادیث کی تخریج کو ضروری قرار دیا جن کو وہ ذکر نہ کر کے۔ حالانکہ ان کی اسانید بعینہ وہی ہیں جن سے صحیحین میں روایتیں مذکور ہیں۔ دار قطنی وغیرہ نے یہ بھی کہا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ سے جو حدیثیں بیان کی ہیں وہ بالکل صحیح طریقوں سے مروی ہیں اور ان کے ناقلین پر کسی قسم کا کوئی طعن نہیں تاہم شیخین نے ان کی احادیث میں سے کچھ روایت نہیں کیا حالانکہ ان کے اصول پر ان حدیثوں کی روایت کرنا ان کو لازم تھا۔ بیہقی کا بیان ہے کہ ہمام بن منبہ کے صحیفے سے بہت سی احادیث کی روایت پر دونوں متفق ہیں اور اس کی بعض روایات کو ایک نے بیان کیا ہے اور بعض کو دوسرے نے۔ حالانکہ سند ایک ہی ہے (اس لئے ان سب حدیثوں کا دونوں کو روایت کرنا ضروری تھا) دار قطنی اور ابو ذر ہروی نے اسی موضوع پر مختلف کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں شیخین کو الزام دیا ہے حالانکہ در حقیقت یہ الزام ان پر عائد نہیں ہوتا کیونکہ انہوں نے صحیح کے استیعاب کا قطعاً التزام نہیں کیا بلکہ دونوں سے صحت کے ساتھ تصریح موجود ہے کہ انہوں نے استیعاب سے کام نہیں لیا بلکہ ان کا مقصد صحیح احادیث کے ایک حصہ کو مدون کرنا ہے جس طرح کہ فقہ کے مصنف کا مقصد مسائل کے ایک حصہ کا جمع کرنا ہوتا ہے نہ کہ جمیع مسائل کا حصر" (۲۳۱)۔

۲۳۱۔ مقدمہ شرح مسلم للنووی، ج:۱، ص: ۲۴۔

علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں ابن الجوزی سے اور طاہر جزائری نے توجیہ النظر میں ابن حبان سے شیخین کے متعلق اسی قسم کا الزام نقل کیا ہے۔ (۲۳۲)

درحقیقت اس غلط فہمی کی بنا یہ ہوئی کہ شیخین نے ان دونوں کتابوں کا نام صحیح رکھا اس سے دارقطنی وغیرہ یہ سمجھے کہ ان کے نزدیک اتنی ہی حدیثیں صحیح ہیں جتنی کہ صحیحین میں مذکور ہیں محدث امیر یمانی لکھتے ہیں۔

وکأنه فهم هو ومن تابعه من التسمية بالصحيح انه جميع ما صح وما عداه ضعيف. (۲۳۳)

"غالباً دارقطنی اور ان کے تبعین صحیح نام رکھنے کی وجہ سے یہ سمجھے کہ صحیح جو کچھ ہے تمامتر یہی ہے اور اس کے ماسوا ضعیف ہے"۔

حافظ ابوزرعہ رازی پر خدا کی ہزاروں رحمتیں نازل ہوں ان کی فراست ایمانی نے اس چیز کو پہلے ہی تاڑ لیا تھا۔

حافظ عبد القادر قرشی رقمطراز ہیں:

"حفاظ کا بیان ہے کہ مسلم نے جب اپنی صحیح کی تالیف کی تو ابوزرعہ رازی کے سامنے اس کو پیش کیا ابوزرعہ نے اس پر ناپسندیدگی اور غصہ کا اظہار کیا کہنے لگے کہ تم نے اس کا نام صحیح رکھ کر اہل بدعت اور دوسرے لوگوں کے لئے ایک زینہ تیار کر دیا کہ جب ان کا کوئی مخالف کسی حدیث کو روایت کرے گا تو کہہ دینگے کہ یہ تو صحیح مسلم میں نہیں ہے"

حافظ عبد القادر اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فرحم الله أبا زرعة فقد نطق بالصواب فقد وقع هذا. (۲۳۴)

۲۳۲۔ فتح المغیث، ص: ۱۷۔ توجیہ النظر، ص: ۹۲۔

۲۳۳۔ توضیح الافکار، قلمی، ص: ۳۰۔

۲۳۴۔ الجواہر المضیہ، ج: ۲، ص: ۴۳۰۔

"اللہ ابوزرعہ پر رحم کرے انہوں نے سچ فرمایا کیونکہ ایسا ہی ہوا"۔

مستدرک میں حاکم کا سابقہ بیان آپ کی نظر سے گزرا کہ ان کے عہد میں بدعتیوں کی ایک جماعت ایسی اٹھ کھڑی ہوئی تھی جو صحیحین کے علاوہ دوسری کتابوں کی احادیث کو صحیح ماننے سے انکار کرتی تھی۔ اور اس سلسلہ میں محدثین کی چھیڑ خانی کو انہوں نے اپنا وطیرہ ہی بنالیا تھا۔

واضح رہے کہ حاکم نے اس سلسلہ میں جو دعویٰ کیا ہے نہایت ہی مدلل ہے. ان کے سابقہ بیان میں صاف طور پر تصریح موجود ہے.

ناقلین حدیث کی اکثریت ثقات کی ہے

صرف امام بخاری کی تاریخ میں چالیس ہزار ان اشخاص کا تذکرہ ہے جن سے حدیثیں مروی ہیں اور اتنی بڑی جماعت میں مجروحین کی تعداد اس قدر کم ہے کہ شمار کرنے پر بھی دو سو چھبیس سے زیادہ نہ بڑھ سکے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ ناقلین حدیث کی اکثریت ثقات اور معتبر لوگوں کی ہے"۔

اب صحیحین میں تو صرف دو ہزار راویوں سے حدیثیں منقول ہیں حالانکہ رواۃ ثقات کی تعداد ان سے بیسیوں زیادہ ہے جن کی بیان کردہ حدیثیں بالاتفاق صحیح ہیں پھر یہ دعویٰ کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ صرف وہی حدیثیں صحیح ہیں جن کی بخاری و مسلم نے تخریج کی ہے۔ خصوصاً جبکہ انہوں نے اس قسم کا کبھی کوئی دعویٰ نہیں کیا بلکہ ان سے خود اس کے برخلاف نہایت کھلے لفظوں میں تصریحات موجود ہیں حافظ ابوبکر حازمی نے شروط الائمۃ الخمسۃ میں بسند متصل امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

أحفظ مائة ألف حديث صحيح.[۲۳۵]

"مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں حفظ ہیں"۔

---

[۲۳۵] ص: ۶۰

اور ہے یہ تمام صحیح حدیثوں کی تعداد نہیں بلکہ صرف امام بخاری کی محفوظات کا شمار ہے اور صحیح بخاری میں جتنی حدیثیں مروی ہیں ان سب کی تعداد مکررات، معلقات اور متابعات کو ملا کر بھی نو ہزار بیاسی ہے۔(۲۳۶) حافظ ابن کثیر الباعث الحثیث میں لکھتے ہیں۔

"بلاشبہ بخاری و مسلم نے ان تمام احادیث کی روایت کا التزام نہیں کیا جن پر صحت کا حکم لگایا جاتا ہے، کیونکہ انہوں نے خود بہت سی ان احادیث کو صحیح کہا ہے جو ان کی کتابوں میں موجود نہیں چنانچہ ترمذی وغیرہ بخاری سے ان احادیث کی تصحیح نقل کرتے ہیں جو بخاری میں موجود نہیں بلکہ سنن میں مروی ہیں"۔ (۲۳۷)

در حقیقت جیساکہ محدث نووی نے بیان کیا ہے:
"ان کا مقصد استیعاب نہیں بلکہ صحیح احادیث کے ایک حصہ کو مدون کرنا ہے"۔
علامہ حازمی نے بسند متصل امام بخاری کی تصریح نقل کی ہے:

ما أخرج فی هذا الکتاب إلا صحیحا وما ترکت من الصحیح أکثر.(۲۳۸)
"میں نے اس کتاب میں صحیح حدیثیں ہی نقل کی ہیں اور جس قدر صحیح حدیثوں کو چھوڑ دیا وہ اس سے بہت زیادہ ہیں"۔

علامہ حازمی نے امام بخاری کا یہ بیان بھی بسند متصل نقل کیا ہے۔

کنت عند إسحق بن راهویه فقال لنا بعض أصحابنا لو جمعتم کتابا مختصراً لسنن النبي صلی الله علیه وسلم فوقع ذلك في قلبي فأخذت في جمع هذ الکتاب.(۲۳۹)

---

(۲۳۶) ہدی الساری، ج: ۲، ص: ۱۸۷، طبع مصر۔
(۲۳۷) ...
(۲۳۸) شروط الائمہ / تنقیح الوصول، ص: ۲۷ و ۲۸۔
(۲۳۹) ص: ۲۱۔

"میں اسحٰق بن راہویہ کے پاس تھا کہ ہمارے اصحاب میں سے ایک شخص کی زبان سے نکلا، کاش تم لوگ کوئی مختصر کتاب رسول اللہ ﷺ کی سنن میں مدون کر دیتے۔ یہ بات میرے دل کو لگ گئی اور میں نے اس کتاب کو جمع کرنا شروع کیا"۔

حازمی اس بیان کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

قد ظهر أن قصد البخاری كان وضع مختصر في الصحيح لم يقصد الاستيعاب لا في الرجال ولا في الحديث۔[۲۴۰]

"پس معلوم ہوا کہ بخاری کا مقصد صحیح حدیث کی ایک مختصر کتاب مرتب کرنا تھا اور استیعاب ان کا مقصد نہ تھا نہ رجال میں نہ حدیث میں"۔

یہ تو ہوئیں امام بخاری کی تصریحات۔ امام مسلم کی تصریح خود صحیح میں موجود ہے فرماتے ہیں۔

ليس كل شئ عندي صحيح وضعته ههنا۔[۲۴۱]

"جتنی حدیثیں میرے نزدیک صحیح ہیں وہ سب میں نے یہاں جمع نہیں کیں"۔

اور حافظ حازمی نے بسند متصل روایت کی ہے کہ

"مسلم جب رے میں پہنچے اور حافظ ابو عبداللہ بن وارہ کے یہاں گئے تو وہ ان سے اچھی طرح پیش نہیں آئے۔ صحیح کی تصنیف پر عتاب کا اظہار کیا حافظ ابو زرعہ نے جو کہا تھا اسی کے قریب قریب انہوں نے بھی کہا۔ اس پر مسلم نے معذرت کی اور فرمانے لگے کہ میں نے تو اس کتاب کی تخریج کر کے اس کو صحیح کہا ہے اور یہ نہیں کہا...... کہ جو حدیث اس کتاب میں روایت نہ کروں وہ

۲۳۹۔ ص: ۲۱۔

۲۴۰۔ ص: ۲۱۔

۲۴۱۔ صحیح مسلم، ج: ۴، ص: ۱۲۲، طبع مصر۔

ضعیف ہے لیکن اس کی تدوین اس لئے کی کہ یہ مجموعہ میرے پاس اور نیز ان لوگوں کے پاس موجود رہے جو مجھ سے اس کتاب کو لکھیں اور ان احادیث کی صحت میں شبہ نہ کیا جائے میں نے یہ نہیں کہا کہ اس کے علاوہ اور حدیثیں ضعیف ہیں۔ حافظ ابن وارہ نے ان کی یہ معذرت قبول کی اور پھر ان سے حدیثیں بیان کیں"۔ (۲۴۳)

غرض شیخین کی ان تصریحات کی موجودگی میں نہ مبتدعین کا خیال صحیح ہو سکتا ہے اور نہ ان لوگوں کا وہ الزام جو اس بارے میں وہ شیخین پر عائد کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں دار قطنی، ابن حبان اور بیہقی وغیرہ کو شیخین کی ان تصریحات پر اطلاع نہ ہو سکی ورنہ ان کو نہ اس الزام کے دینے کی ضرورت لاحق ہوتی نہ اس سلسلہ میں کسی تصنیف کی زحمت اٹھانی پڑتی۔

افسوس ہے کہ ان تمام تصریحات کے ہوتے ہوئے بھی بعض علماء نے اس سلسلہ میں اس قسم کا اظہار خیال کیا کہ جو سراسر ان تصریحات کے منافی اور تحقیق کے بالکل خلاف ہے حافظ ابو عبداللہ بن الاخرم سے جو حاکم کے اساتذہ میں سے ہیں مقدمہ ابن صلاح میں منقول ہے۔

قل ما یفوت البخاری ومسلم مما یثبت من الحدیث یعنی فی الصحیحین۔ (۲۴۴)

"بخاری و مسلم سے صحیحین میں بہت ہی کم صحیح حدیثیں چھوٹی ہیں"۔

امام بخاری کا بیان ہے مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد ہیں، جس قدر صحیح حدیثوں کو میں نے ذکر نہیں کیا وہ نہ صرف زیادہ بلکہ بہت زیادہ ہیں، میرا خیال صرف ایک مختصر

---

(۲۴۳) ص: ۲۴۔

(۲۴۴) ص: ۱۵۔

مجموعہ سنن کی تدوین کا تھا امام بخاری کی ان تصریحات کی موجودگی میں ابن الاخرم
اس بیان کو ملاحظہ فرمایئے کہ تفاوت رہ از کجاست تا بکجا.

نووی کا بیان:

تعجب تو نووی پر ہے کہ سب کچھ جانتے ہوئے ابن وارہ سے امام مسلم کی معذرت نقل
کرتے ہوئے. (۲۴۴) اور دارقطنی وغیرہ کی تردید میں اس قدر بلند آہنگ ہوتے ہوئے
بھی یہ لکھ گئے۔

"لیکن شیخین جب کسی حدیث کو باوجود اس کے ظاہر میں صحیح الاسناد
ہونے کے بالکلیہ ترک کردیں یا ان دونوں میں سے کوئی ایک ایسا کرے اور اس
کی کوئی نظیر یا کوئی اور روایت جو اس کے قائم مقام ہوسکے اس باب میں ذکر نہ
کریں تو ان کے حال سے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کو اگر اس حدیث
کی روایت حاصل ہے تو یقیناً ان کو اس کے متعلق کسی علت کی اطلاع ہوگی اور
احتمال اس کا بھی ہے کہ ان سے بھول کر ایسا ہوگیا یا کتاب کی طوالت کے خیال
سے ایسا کیا ہو یا ان کے خیال میں دوسری حدیث نے اس کمی کو پورا کردیا ہو اور
کوئی وجہ ہو". (۲۴۵)

غور فرمایئے کہ جو ظاہر تھا یعنی امام بخاری کی یہ تصریح کہ جس قدر صحیح حدیثوں کو میں
نے چھوڑ دیا وہ بہت زیادہ ہیں۔ جن کے ترک کرنے کی وجہ میں خود فرماتے ہیں:

وترکت من الصحیح حتی لا یطول. (۲۴۶)

"اور بہت سی صحیح احادیث کو اس لئے چھوڑ دیا کہ کتاب طویل نہ ہو جائے"۔
اس کا تو احتمال کر دیا اور جو احتمال تھا اور وہ بھی محض غیر موجود اسے ظاہر کہہ گئے۔

۲۴۴۔ مقدمہ شرح مسلم، ج: ۱، ص: ۲۶۔
۲۴۵۔ ایضاً، ج: ۲، ص: ۱۶
۲۴۶۔ مقدمہ فتح الباری، ج: ۱، ص: ۴۔

ابن صلاح کا بیان

اور شیخ ابن صلاح نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ:

"جب ہم اجزاء حدیث وغیرہ میں جن کی روایت کی جاتی ہے کوئی حدیث صحیح الاسناد پائیں اور وہ صحیحین میں سے کسی ایک میں ہم کو نہ مل سکے اور نہ ائمہ حدیث کی معتمد اور مشہور کتابوں میں اس کی صحت کی تصریح ہو تو ہم اس کی صحت پر جزم کے ساتھ حکم لگانے کی جرات نہیں کریں گے"۔ (۲۴۷)

اور آگے چل کر یہ بھی فرمادیا کہ

"پھر صحیحین سے زائد صحیح حدیثیں طلب کرنے والے کو چاہئے کہ ائمہ حدیث جیسے ابو داؤد سجستانی ابو عیسیٰ ترمذی، ابو عبدالرحمن نسائی، ابو بکر بن خزیمہ، ابوالحسن دارقطنی وغیرہ کی کسی مشہور اور معتمد کتاب سے لے جس کی صحت کی اس کتاب میں تصریح موجود ہو ورنہ مجرد حدیث کا سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، اور ان تمام لوگوں کی کتابوں میں جنہوں نے صحیح اور غیر صحیح کو جمع کیا ہے موجود ہونا کافی نہیں۔" (۲۴۸)

حقیقت یہ ہے کہ شیخ ابن صلاح سے علوم الحدیث میں بعض ایسی سخت اصولی غلطیاں ہو گئیں جن کی وجہ سے بعد کے محدثین کو اس سلسلہ میں مستقل کتابیں تصنیف کرنے کی ضرورت پیش آئی چنانچہ حافظ مغلطائی نے اصلاح ابن الصلاح اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے النکت علی ابن الصلاح لکھ کر ان کی اغلاط کو واضح کیا۔ حافظ زین الدین عراقی رقمطراز ہیں۔

۲۴۷۔ مقدمہ ابن صلاح، ص: ۱۲۔

۲۴۸۔ ایضاً ص: ۱۶۔

إلا أن فيه غير موضع قد خولف فيه وأماكن أخر تحتاج إلى تقئيد و تنبيه۔ (۲۴۹)

"مگر ابن صلاح کی کتاب میں بہت سی جگہوں سے اختلاف کیا گیا اور اس میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں پر کسی قید کے بڑھانے یا تنبیہ کرنے کی ضرورت ہے"۔

شیخ موصوف کی انہی اصولی غلطیوں میں سے ایک یہ بھی ہے جو ان کی مذکورہ بالا تحریر میں آپ کی نظر سے گزری کہ جب تک کوئی حدیث صحیحین میں نہ ہو یا ائمہ حدیث کی تصریح اس کی صحت کے متعلق نہ ہو تو گو وہ حدیث صحیح الاسناد ہو مگر پھر بھی اس کی تصحیح نہ کرنا چاہیے۔

غور فرمایئے کہ شیخ موصوف نے اس طرح تصحیح کو روک کر امت پر ہمیشہ کے لئے تحقیق کا دروازہ بند کر دیا۔ یہ اتنی بڑی غلطی تھی کہ بعد کو جس شخص نے بھی ان کے کلام کی تلخیص کی اس نے ان پر اعتراض کیا چنانچہ حافظ ابن حجر رقمطراز ہیں:

قد اعترض على ابن الصلاح كل من اختصر كلامه۔ (۲۵۰)

"جس شخص نے بھی ان کے کلام کی تلخیص کی اس نے (اس سلسلہ) میں ان پر اعتراض کیا"۔

امام نووی تک ابن صلاح کے اس بیان کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

والأظهر عندي جوازه لمن تمكن و قويت معرفته۔ (۲۵۱)

"میرے نزدیک جس میں اہلیت ہو اور جس کی معرفت قوی ہو اس کے لئے تصحیح کا جائز ہونا زیادہ ظاہر ہے"۔

۲۴۹۔ التقیید والایضاح، ص: ۴۔

۲۵۰۔ تدریب الراوی، ص: ۴۷۔

۲۵۱۔ تقریب نووی متن تدریب، ص: ۴۶۔

حافظ زین الدین عراقی کا بیان ہے:

وما رجحه النووی هو الذی علیه عمل أهل الحدیث۔ (۲۵۲)

"نووی نے جس کو ترجیح دی ہے اسی پر محدثین کا عمل ہے۔"

حافظ ابن حجر نے نکت میں ابن صلاح کے اس خیال کی پوست کندہ تردید کی ہے جو تدریب الراوی اور توضیح الأفکار میں تفصیل سے مذکور ہے۔ ہم اس کا اقتباس ہدیہ ناظرین کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

"ایسی مشہور کتاب جو اپنی شہرت کی وجہ سے ہم سے لے کر مصنف تک اسناد کے اعتبار کرنے سے مستغنی ہو جیسے مسانید و سنن ہیں کہ ان کو اپنے مولف کی طرف منسوب ہونے کے لئے کسی معین اسناد کی ضرورت نہیں ایسی کتاب کا مصنف جب کوئی حدیث بیان کرے کہ اس میں تمام شرطیں موجود ہوں اور ایک باخبر اور پکا محدث اس میں کوئی علت نہ پائے تو اس پر صحت کا حکم دینا ممنوع نہیں اگرچہ متقدمین میں سے کسی ایک شخص نے بھی اس کی تصریح نہ کی ہو"۔

پھر ابن صلاح کا بیان اس بات کا مقتضی ہے کہ متقدمین کی تصحیح قبول کی جائے اور متاخرین کی رد کر دی جائے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ بعض اوقات صحیح حدیث کو رد کر دینا پڑے گا اور جو صحیح نہ ہوگی اسے قبول کرنا ہوگا کیونکہ ایسی بہت سی روایات موجود ہیں کہ متقدمین میں سے کسی نے اس کو صحیح کہا ہے مگر بعد کے کسی امام کو اس میں ایسی علت قادحہ پر اطلاع ہو گئی جس سے اس کی صحت کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ خصوصاً جبکہ اس متقدم کی رائے میں حسن اور صحیح میں فرق نہ ہو جیسے کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان (۲۵۳)۔

۲۵۲۔ التقیید والایضاح، ص: ۱۲۔

۲۵۳۔ تدریب الراوی، ص: ۴۷۔

حدیث صحیح کی تعریف خود ابن صلاح کے الفاظ میں یہ ہے۔

" حدیث صحیح وہ حدیث مسند ہے جس کی اسناد بذریعہ ایک عدل ضابط کے جو دوسرے عدل ضابط سے ناقل ہو اخیر تک متصل ہو اور نہ شاذ ہو نہ معلل "۔ (۲۵۴)

اب جس حدیث میں یہ سب صفات موجود ہوں اس کو صحیح نہ کہنا کیا معنی ایسی صورت میں صحیح کی یہ تعریف جو خود انہوں نے کی ہے صحیح نہیں رہے گی کہ اپنے تمام افراد پر صادق نہیں۔

سنن کی احادیث کا حکم اور ابن صلاح کے خیال کا ابطال

پھر ابن صلاح نے جو یہ لکھا ہے کہ:

" مجرد حدیث کا سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی اور ان تمام لوگوں کی کتابوں میں جنہوں نے صحیح اور غیر صحیح کو جمع کیا ہے موجود ہونا کافی نہیں"۔

صحیح نہیں کیونکہ اس کی بنیاد حسن و صحیح میں امتیاز پر ہے جو متاخرین کی اصطلاح ہے اور ابن صلاح کا مقصد بھی یہی ہے کہ جب ان کتابوں کی حدیثوں کی تصحیح منقول نہ ہو تو ان کو صحیح نہ کہا جائے بلکہ حسن کہا جائے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

كتاب أبي عيسى الترمذى رحمه الله أصل في معرفة الحديث الحسن وهو الذى نوه باسمه وأكثر من ذكره في جامعه۔ (۲۵۵)

"ابو عیسی ترمذی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث حسن کی معرفت میں اصل ہے اسی نے اس کے نام کو دو بالا کیا اور ترمذی نے اسی کا ذکر اپنی جامع میں زیادہ کیا ہے"

اور سنن ابی داؤد کے متعلق رقمطراز ہیں۔

۲۵۴۔ ص: ۸۔

۲۵۵۔ مقدمہ ابن صلاح، ص: ۳۸۔

ما وجدناه في كتابه مذكوراً مطلقاً وليس في واحد من الصحيحين ولا نص على صحته أحداً ممن يميز بين الصحيح والحسن عرفناه بأنه من الحسن عند أبي داود.[۲۵۶]

"جو حدیث ان کی کتاب میں بغیر کسی کلام کے پائی جائے اور صحیحین میں سے کسی میں مذکور نہ ہو اور نہ کسی ایسے شخص سے اس کی تصحیح منقول ہو جو صحیح اور حسن میں امتیاز کرتا ہے تو اس کے متعلق ہم یہ سمجھیں گے کہ وہ ابو داوٗد کے نزدیک حسن میں داخل ہے"۔

غور فرمایئے اپنی خود ساختہ اصطلاح کا التزام متقدمین پر بھی عائد کرنا چاہتے ہیں۔ حسن دراصل صحیح ہی کی ایک قسم ہے اس لئے صحیح نہ کہنا حسن کہنا درحقیقت ایک لفظی مغالطہ ہے۔ جس سے بجز اس کے کہ ان کتابوں کی وقعت گرائی جائے اور کوئی فائدہ نہیں۔ سابق میں حافظ ذہبی کی تصریح گزر چکی کہ متقدمین کے نزدیک حسن صحیح ہی کی ایک قسم ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے بجز امام ترمذیؒ کے سارے محدثین کا اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک حسن صحیح ہی میں داخل ہے۔[۲۵۷] خود ابن صلاح لکھتے ہیں۔

"بعض محدثین حسن کو علیحدہ نوع نہیں شمار کرتے بلکہ اس کو صحیح کے انواع ہی میں داخل سمجھتے ہیں کیونکہ وہ قابل احتجاج حدیث کے انواع میں شامل ہے۔ حافظ ابو عبد اللہ حاکم کے کلام سے یہی ظاہر معلوم ہوتا ہے اور انہوں نے کتاب ترمذی کو جو الجامع الصحیح سے موسوم کیا ہے وہ اسی کی طرف ایماء ہے،

۲۵۶۔ مقدمہ ابن صلاح، ص: ۳۹۔

۲۵۷۔ مقدمہ ابن صلاح، ص: ۳۹۔

ابو بکر خطیب نے بھی ترمذی اور نسائی کی کتاب پر صحیح کے لفظ کا اطلاق کیا ہے"۔ (۲۵۸)

حافظ سیوطیؒ نے بالکل بجا فرمایا ہے:

وحينئذ يرجع الأمر في ذلك إلى الاصطلاح ويكون الكل صحيحاً۔ (۲۵۹)

"اس وقت معاملہ محض اصطلاح کا آجائے گا اور سب (حسن حدیثیں) صحیح ہوں گی"۔

تعجب ہے کہ ابن صلاح نے سنن کے متعلق تو ایک عام حکم دے دیا کہ ان میں اگرچہ صحیح الاسناد حدیث موجود ہو مگر جب ائمہ متقدمین سے اس کی صحت کی تصریح منقول نہ ہو اسے صحیح نہ کہنا چاہئے مگر صحیح ابن خزیمہ کے متعلق ارشاد ہے۔

"جن لوگوں نے کہ اپنی جمع کردہ کتاب میں صحیح کی تخریج مشروط رکھی ہے جیسے ابن خزیمہ کی کتاب اس میں مجرد حدیث کا موجود ہونا اس کی صحت کے لئے کافی ہے"۔ (۲۶۰)

حافظ ابن حجر کی تصریح سابق میں گزر چکی کہ ابن حبان اور ابن خزیمہ کے نزدیک حسن صحیح کی قسم میں داخل ہے اب غور فرمائیے کہ جب ابن خزیمہ صحیح و حسن میں تفریق نہیں کرتے، تو اس کی کیا ذمہ داری ہے کہ جو حدیث وہ روایت کریں وہ صحیح ہی ہو حسن نہ ہو۔ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں بہت سی حدیثیں ہیں جو متاخرین کی اصطلاح پر حسن سے آگے نہیں بڑھ سکتیں۔ اسی طرح امام ترمذیؒ نے بہت سی ان حدیثوں کو صحیح کہا ہے جو متاخرین کے نزدیک حسن میں داخل ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رقمطراز ہیں۔

۲۵۸۔ فتح المغیث للسخاوی، ص: ۵۔

۲۵۹۔ مقدمہ ابن صلاح، ص: ۳۵۔۳۶۔

۲۶۰۔ تدریب الراوی، ص: ۵۲۔

فكم في كتاب ابن خزيمة من حديث محكوم بصحته وهو لا يرتقي عن رتبة الحسن وكذا في صحيح ابن حبان وفيما صححه الترمذي من ذلك جملة۔ (۲۶۱)

"ابن خزیمہ کی کتاب میں بہت سی حدیثیں ہیں جن کی صحت کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ وہ حسن کے درجہ سے آگے نہیں بڑھتیں اور ترمذی نے جن حدیثوں کو صحیح کہا ہے ان میں بھی ایسی حدیثوں کا ایک حصہ موجود ہے"۔

صحیح ابن خزیمۃ اور صحیح ابن حبان ایک طرف، خود صحیحین میں حسن حدیثیں موجود ہیں۔ امام نووی کے الفاظ ہیں۔

أحاديثه إما صحيحة أو حسنة۔ (۲۶۲)

"صحیحین کی حدیثیں یا تو صحیح ہیں یا حسن"۔

اور محدث امیر یمانی لکھتے ہیں۔

إن صحيح مسلم فيه الصحيح والحسن بصريح ما قاله۔ (۲۶۳)

"بلاشبہ خود امام مسلم کی تصریح کے مطابق صحیح مسلم میں صحیح اور حسن دونوں قسم کی حدیثیں موجود ہیں"۔

اب اگر حسن کی اصطلاح کے باعث کتب سنن میں صحیح اور غیر صحیح کا امتیاز کیا جاتا ہے تو یہ امتیاز صحیحین، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان اور جمیع مستخرجات صحیحین کے متعلق بھی کرنا چاہئے کہ مجرد ان میں کسی حدیث کو دیکھ کر صحیح نہ کہا جائے کیونکہ ان سب میں حسن بھی ہیں اور صحیح بھی۔ لہذا جو حسن ہوں ان کو حسن اور جو صحیح ہوں ان کو صحیح کہا جائے یا پھر ائمہ حدیث کی ان مشہور اور معتبر کتابوں میں جو ابواب پر

۲۶۱۔ توضیح الافکار، قلمی، ص: ۷۳۔
۲۶۲۔ منہج الوصول، ص: ۱۴۔
۲۶۳۔ توضیح الافکار، ص: ۶۴۔

مرتب ہیں جو حدیث بھی پائی جائے اسے جب تک کہ ائمہ حدیث کی تضعیف اس کے متعلق معلوم نہ ہو صحیح سمجھا جائے کیونکہ مصنفین ابواب کے نزدیک حدیث صحیح کی تخریج مشروط ہے۔ حاکم کے بیان میں اس کی تصریح سابق میں گزر چکی ہے اور حافظ سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں صاف لفظوں میں تحریر فرمایا ہے۔

إن المصنف علي الأبواب إنما يورد أصح ما فيه ليصلح الإحتجاج.[۲۶۴]

"ابواب پر جو شخص تصنیف کرتا ہے وہ اس باب میں سب سے زیادہ صحیح حدیث پیش کرتا ہے تاکہ اس سے احتجاج کیا جاسکے"۔

پس جب تضعیف موجود نہیں تو زیادہ سے زیادہ وہ متاخرین کی اصطلاح پر حسن ہوگی جو سلف کے نزدیک صحیح ہی کی ایک قسم ہے اور متاخرین و متقدمین سب کے نزدیک قابل احتجاج ہے۔ اسی اصول پر حافظ ابن عبد البر نے فرمایا ہے کہ۔

كُل ما سكت عليه أبو داؤد فهو صحيح عنده.[۲۶۵]

"ابو داؤد جس حدیث پر کلام نہ کریں وہ ان کے نزدیک صحیح ہے"۔

اور اسی اصول پر حاکم اور خطیب نے جامع ترمذی کو صحیح کہا ہے اور امام نسائی نے اپنی کتاب السنن کے متعلق فرمایا ہے۔

كتاب السنن صحيح كله.[۲۶۶]

"کتاب السنن تمام تر صحیح ہے"۔

افسوس ہے کہ ایک طرف تو ابن خزیمہ وغیرہ کی اپنی تصنیفات کا صرف صحیح نام رکھ دینے سے ان کی ہر روایت کو صحیح کہا جائے اور دوسری طرف ان ائمہ کی تصریحات کے

---

[۲۶۴] ۔ص: ۵۶۔

[۲۶۵] ۔توضیح الافکار، ص: ۲۵۔

[۲۶۶] ۔ زہر الربی علی المجتبی للسیوطی، ص: ۸، طبع نظامی۔

باوجود حدیث کے صحیح الاسناد ہوتے ہوئے بھی اسے صحیح کہنے سے گریز کیا جائے..

ع: ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے۔

امام ابو عصمہ مروزی اور حاکم

مقالہ کے ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حاکم نے امام ابو عصمہ نوح بن ابی مریم مروزی پر جو وضع حدیث کا الزام عائد کیا ہے اس پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے ۔وضاعین حدیث پر بحث کرتے ہوئے حاکم رقمطراز ہیں۔

سمعت محمد بن یونس المقری قال سمعت جعفر بن أحمد بن نصر سمعت[۲۶۷] أبا عمار المروزی یقول قیل لأبی عصمة من أین لك عن عکرمة عن ابن عباس في فضائل القرآن سورة سورة ولیس عند أصحاب عکرمة قال إنی رأیت الناس قد اعرضوا عن القرآن واشتغلوا بفقه أبی حنیفة ومغازی محمد بن إسحاق فوضعت هذا الحدیث حسبة.

"ابو عمار مروزی کا بیان ہے کہ ابو عصمہ سے کہا گیا تمہارے پاس فضائل قرآن میں ایک ایک سورت کے بارے میں عکرمہ کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے کہاں سے ہاتھ لگی حالانکہ اصحاب عکرمہ کے پاس یہ روایت موجود نہیں جواب دیا کہ میں نے جب دیکھا کہ لوگوں نے قرآن سے اعراض کر لیا ہے اور فقہ ابی حنیفہ اور مغازی محمد بن اسحٰق میں مشغول ہیں تو کار خیر سمجھ کر یہ روایت بنائی"۔

۲۶۷۔ مدخل میں غلطی سے ابا عمار کی بجائے ابا عمارہ چھپ گیا ہے۔ تدریب الراوی، ص: ۱۰۴۔ اور شرح الشرح لنخبتہ الفکر ملا علی قاری، ص: ۱۲۷۔ اور دوسری کتابوں میں ابا عمار ہی مرقوم ہے۔

یاد رہے سب سے پہلے حاکم ہی نے ابو عصمہ کے متعلق یہ روایت بیان کی ہے حاکم سے ابن صلاح نے لیا اور پھر نقل در نقل مذکور ہوتی چلی آئی حتی کہ عبد العلی بحر العلوم اور مولانا ابو الحسنات عبد الحی فرنگی محلی تک نے اس کو بلا تنقید نقل کر ڈالا۔ لیکن حقیقت میں امام ابو عصمہ کے متعلق یہ محض افسانہ ہے جس کو صحت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے ہم اس پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالنا مناسب خیال کرتے ہیں۔

بحث کے دو پہلو ہیں۔ نقلی اور عقلی۔ نقلی حیثیت اس روایت کی یہ ہے کہ یہ منقطع ہے۔ کیونکہ ابو عمار مروزی کی وفات ۲۴۴ھ میں ہوئی ہے۔ (۲۶۸) اور ابو عصمہ کی تاریخ وفات حافظ ذہبی نے ۱۷۳ھ (۲۶۹) اور ابن حبان نے کتاب الثقات میں ۱۵۳ھ بتلائی ہے۔ (۲۷۰) اس اعتبار سے ان دونوں کی وفات میں بقول ذہبی اکہتر سال اور بقول ابن حبان اکانوے سال کا فرق ہے۔ ابو عمار کو معمرین میں کوئی شمار نہیں کرتا اور وہ خود یہ بیان نہیں کرتے کہ ابو عصمہ کا یہ بیان انہوں نے کس سے سنا ہے۔ اور بالفرض ان کو معمر بھی مان لیا جائے اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ ابو عصمہ کی وفات کے وقت ان کی عمر سماع کے قابل تھی تب بھی اس روایت کا انقطاع اپنی جگہ پر باقی ہے کیونکہ وہ یہ نہیں کہتے کہ میں نے خود ابو عصمہ سے سنا۔ بلکہ قیل (کہا گیا) کہہ کر اس قصہ کو بیان کر رہے ہیں. جس سے خود اس کا ضعف ظاہر ہے۔ ابو عصمہ سے کہنے والا کون تھا؟ یہ خود اس وقت موجود تھے یا نہیں اس کا کچھ ذکر نہیں۔ یقیناً موجود تو نہیں تھے ورنہ کہتے قیل لأبي عصمة وانا حاضر (ابو عصمہ سے کہا گیا اور میں موجود تھا) جب موجود نہ تھے تو پھر بیان کرنے والے کا نام کیوں نہیں بتاتے۔ غرض اس قصہ کا تمام تر دار و مدار ایک مجہول شخص کے بیان پر ہے اور جرح کے بارے میں کسی مجہول شخص کا بیان قابل تسلیم

۲۶۸۔ شذرات الذہب ج: ۲ ص: ۱۰۵ طبع مصر ۱۳۵۰ھ۔

۲۶۹۔ دول الاسلام للذہبی ج: ۱ ص: ۸۸ طبع دائرۃ المعارف ۱۳۳۷ھ۔

۲۷۰۔ لسان المیزان ج: ۲ ص: ۱۷۳ طبع دائرہ المعارف ۱۳۳۱ھ۔

ہیں۔ غالباً اس روایت کی عدم صحت ہی کی وجہ سے حافظ ذہبی جیسے سخت گیر شخص نے بھی جو ائمہ احناف کے متعلق جرح تلاش کر کر کے نقل کرنے کے عادی ہیں۔ اس الزام کی ساری ذمہ داری خود حاکم پر ڈال دی ہے۔

چنانچہ میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔

وقال الحاكم وضع أبو عصمة حديث فضائل القرآن الطويل.[۲۷۱]

"حاکم کا بیان ہے کہ ابو عصمہ نے فضائل القرآن کی طویل حدیث بنائی"۔

ورنہ صاف طور سے کہتے کہ بروایت صحیح ابو عصمہ کا اقرار وضع حدیث ثابت ہے۔

اب ذرا اس روایت کی عقلی حیثیت پر بھی نظر ڈال لیجئے۔ امام ابو عصمہ نے فقہ کی تعلیم امام ابو حنیفہؒ سے حاصل کی تھی اور مغازی کی ابن اسحٰق سے۔ حافظ سمعانی نے کتاب الانساب میں جامع کے لفظ کے تحت تصریح کی ہے کہ ان کی مجالس علم ودرس چار قسم کی تھیں ایک مجلس حدیث شریف کے لئے مخصوص تھی، ایک میں امام ابو حنیفہؒ کے مسائل بیان ہوتے تھے۔ ایک نحو کے لئے خاص تھی، اور ایک اشعار کے لئے۔ صدر الائمہ موفق بن احمد مکی کا بیان ہے کہ مجلس حدیث میں مغازی کا بھی بیان ہوتا تھا۔ اب غور فرمایئے جو شخص خود فقہ ابی حنیفہ اور مغازی ابن اسحٰق کے درس میں مشغول ہو، دوسروں کے اس شغل پر کیسے نفرت کا اظہار کر سکتا ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ ابو عصمہ کی جلالت علمی کا موافق و مخالف سب ہی کو اعتراف ہے۔

خود حاکم کے الفاظ ہیں:

أبو عصمة مقدم فى علومه.[۲۷۲]

ابو عصمہ اپنے علوم میں مقدم ہیں۔

ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کا تذکرہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے:

۲۷۱۔ میزان الاعتدال، ج: ۳، ص: ۲۴۵، طبع مصر، ۱۳۲۵ھ۔

۲۷۲۔ انساب سمعانی، ص: ۱۱۹۔

نوح بن أبی مریم یزید بن عبد اللہ أبو عصمة المروزی عالم أهل مرو۔ (۲۷۳)

بڑے بڑے ائمہ نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں۔

قال العباس بن مصعب وروی عنه شعبة وابن المبارك۔ (۲۷۴)

"عباس بن مصعب کا بیان ہے کہ ان سے شعبہ اور ابن مبارک نے حدیثیں روایت کی ہیں"۔

اور حافظ عبد القادر قرشی الجواهر المضیة میں رقمطراز ہیں۔

وروی عنه نعیم بن حماد شیخ البخاری فی آخرین قال الإمام أحمد بن حنبل کان شدیدا علی الجهمیة۔ [۲۷۵]

"ان سے بخاری کے استاد نعیم بن حماد اور دیگر اشخاص نے روایتیں کی امام احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ یہ جہمیہ کے سخت مخالف تھے"۔

علوم کی ہمہ گیری کا یہ عالم تھا کہ اپنی وسعت علمی کی بنا پر امت میں جامع کے لقب سے یاد کئے گئے۔ حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں تصریح کی ہے۔

ویعرف بالجامع لجمعه العلوم۔ (۲۷۶)

"یہ جامع کے لقب سے مشہور ہیں کیونکہ انہوں نے علوم کو جمع کیا تھا"۔

غور فرمائیے ان کی جامعیت علوم کا سب کو اعتراف ہے امام احمد بن حنبل ان کے عقائد کی صحت پر شاہد ہیں۔ شعبہ، ابن مبارک، ابن جریج جیسے ائمہ اور امام بخاری و مسلم کے

۲۷۳۔ تہذیب التہذیب، ج:۱، ص:۴۸۸۔

۲۷۴۔ میزان الاعتدال، ج:۳، ص:۲۴۵۔

۲۷۵۔ میزان الاعتدال، ج:۳، ص:۲۴۵۔

۲۷۶۔ تہذیب التہذیب، ج:۱۰، ص:۴۸۶۔

شیوخ حدیث ان سے حدیثیں بیان کر رہے ہیں۔ مسند امام احمد بن حنبل، جامع ترمذی، (۲۷۷) تفسیر ابن ماجہ میں امام موصوف سے حدیثیں منقول ہیں۔ کیا تھوڑی دیر کے لئے بھی ایسے شخص کے متعلق وضع حدیث کا خیال کیا جا سکتا ہے۔

اتنی بحث عقلی و نقلی پہلو سے ہمارے دعوی کے اثبات کے لئے کافی ہے۔ در حقیقت یہ واقعہ مشہور وضاع حدیث میسرہ بن عبدربہ کا ہے جو غلطی سے امام ابو عصمہ کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ چنانچہ امام ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں۔

قال محمد بن عیسی بن الطّباع قلت لمیسرة بن عبد ربه من أین جئت بهذه الأحادیث من قرأ کذا کان له کذا قال وضعته أرغب الناس قال ابن حبان کان ممن یروی الموضوعات عن الإثبات ویضع الحدیث وهو صاحب حدیث فضائل القرآن الطویل.(۲۷۸)

"محمد بن عیسیٰ بن طباع کا بیان ہے کہ میں نے میسرہ بن عبدربہ سے کہا تو یہ حدیثیں کہاں سے لایا کہ جس نے یہ پڑھا اس کے لئے یہ ہے۔ کہنے لگا میں نے یہ لوگوں کو ترغیب دینے کے لئے گڑھی ہیں ابن حبان کہتے ہیں یہ ثقات سے موضوعات بیان کرتا اور حدیثیں بناتا ہے۔ فضائل قرآن کی طویل حدیث اسی کی بنائی ہوئی ہے"۔

فضائل قرآن کی طویل حدیث ایک ہی ہے اس کے دو وضاع کیسے ہو سکتے ہیں۔ تعجب ہے کہ میسرہ کے متعلق اس تصریح کے ہوتے ہوئے بھی حاکم اس کے وضع کرنے کا الزام امام ابو عصمہ پر عائد کر رہے ہیں۔

بلاشبہ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اور حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں بعض محدثین سے ان کے حق میں جرحیں نقل کی ہیں مگر وہ باوجود مبہم اور غیر

۲۷۷۔ جامع ترمذی کتاب العلل، ص: ۲۵۲۔

۲۷۸۔ میزان الاعتدال، ج: ۶، ص: ۲۲۲۔

مفسر ہونے کے فاحش اور سخت نہیں ہیں۔ ان سب جرحوں کے پڑھنے سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ان کا فن حدیث نہیں تھا اس لئے ان سے روایت میں غلطیاں ہوئیں۔ بدیں وجہ یہ اس درجہ تو قوی نہیں کہ ان کی روایت احتجاج کے طور پر پیش کی جا سکے ہاں اعتبار و استشہاد میں کام لیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن عدی تصریح فرماتے ہیں۔

وهو مع ضعفه يكتب حديثه۔[۲۷۹]

"باوجود ان کے ضعیف ہونے کے ان کی روایت لکھی جائے گی"۔

امام ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں حافظ حلیمی کے ترجمہ میں نہایت ہی عالی سند سے ان کی یہ حدیث روایت کی ہے۔

أنا نوح بن أبی مریم عن یزید الرقاشی عن أنس بن مالك رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم لصاحب القرآن دعوة مستجابة عند ختمه۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

نوح الجامع مع جلالته في العلم ترك حديثه وكذلك شيخه مع عبادته فكم من إمام في فن مقصر عن غيره كسيبويه مثلا إمام في النحو ولا يدري ما الحديث ووكيع إمام في الحديث ولايعرف العربية وكأبي نواس رأس في الشعر عري من غيره وعبدالرحمن بن مهدی إمام في الحديث لايدری ما الطب قط وكمحمد بن الحسن رأس في الفقه ولا يدری ما

۲۷۹۔ میزان الاعتدال، ج: ۳، ص: ۲۳۵۔ تہذیب التہذیب، ج: ۱، ص: ۴۸۸، یکتب حدیثہ، حافظ ذہبی کی تصریح کے مطابق ضعف مطلق کی نفی کرتا ہے۔ مقدمہ میزان۔

القراءات وكحفص إمام في القراءة تألف في الحديث. وللحروب رجال يعرفون بها وفي الجملة ما أوتوا من العلم الا قليلا.(۲۸۰)

"نوح جامع کی حدیثیں ان کی جلالت علمی کے باوجود ترک کر دی گئیں، اور اسی طرح ان کے شیخ یزید رقاشی کی باوجود ان کے عابد ہونے کے کیونکہ بہت سے علماء ایک فن کے امام ہیں دوسرے فن میں قاصر ہیں۔ جیسے سیبویہ کہ نحو کے امام ہیں حدیث نہیں جانتے، وکیع حدیث میں امام ہیں علوم عربیت سے ناواقف، ابو نواس شعر کا استاذ ہے دوسرے فنون سے بے بہرہ عبد الرحمٰن بن مہدی حدیث کے امام ہیں طب کا پتہ نہیں کہ کیا ہے۔ محمد بن حسن فقہ میں سردار ہیں قراءت سے ناآشنا۔ حفص قراءت میں امام ہیں حدیث میں بے بضاعت"۔

غرض:

ع: ہر کسے را بہر کارے ساختند ہر کارے وہر مردے

حال علم سب کو تھوڑا دیا گیا ہے۔

اور فرمایئے اعتذار کے اس زور پر جو حافظ ذہبی نے نوح جامع کی روایت کے ترک کرنے پر صرف کیا ہے۔ کیا حافظ ذہبی جیسا شخص کسی کذاب اور وضاع کے لئے ایک کے واسطے بھی اس قسم کا اعتذار کر سکتا ہے کذاب اور وضاع ہونا تو درکنار اگر اس قسم کا ذرا سا شائبہ بھی موجود ہو تو حافظ ذہبی کی سیاہی کا ایک نقطہ اور قلم کی معمولی سی جنبش بھی اس کے اعتذار کے لئے عمل میں نہیں آسکتے۔ حافظ ذہبی کے نزدیک نوح جامع کی امامت اور جلالت علمی کی وہی شان ہے جو سیبویہ، وکیع، ابو نواس، عبد الرحمٰن بن مہدی محمد بن حسن اور حفص کی اپنے اپنے فن میں۔ ان کے خیال میں چونکہ حدیث ان کا فن نہیں اس لئے ان کی روایت حدیث میں ترک کی گئی۔

---

(۲۸۰) تذکرۃ الحفاظ، جلد: ۳، ص: ۲۲۰۔

ہم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح امام نوح کا مفصل تذکرہ ہم کو مل جائے۔ مگر حافظ ذہبی کی میزان الاعتدال اور حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب کے علاوہ اور کہیں مفصل تذکرہ نہیں مل سکا اور یہ دونوں بزرگ وہ ہیں جن کی سخت گیری علماء احناف کے خلاف نہایت ہی مشہور و معروف ہے۔

جس کا ان کے چہیتے اور مایہ ناز شاگردوں تک کو اعتراف ہے، چنانچہ علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیة میں اپنے شیخ ذہبی کے متعلق اور علامہ سخاوی نے مبیضہ درر کامنہ میں اپنے استاد ابن حجر کے بارے میں اس کی صراحت کی ہے۔[۲۸۱] اور اسی بناپر قاضی القضاۃ ابوالفضل محب الدین محمد بن الشحنہ اپنی شرح ہدایہ کے مقدمہ میں حافظ ابن حجر کے متعلق رقمطراز ہیں۔

وكان كثير التبكيت في تاريخه على مشايخه وأحبابه وأصحابه لاسيما الحنفية فإنه يظهر من زلاتهم ونقائصهم التي لا يعرى عنها غالب الناس مايقدر عليه ويغفل ذكر محاسنهم وفضائلهم إلا ما ألجأته الضرورة إليه فهو سالك في حقهم ما سلكه الذهبي في حقهم وحق الشافعية حتى قال السبكى انه لاينبغى أن يوخذ من كلامه ترجمة شافعى ولاحنفى وكذا لاينبغى أن يوخذ من كلام ابن حجر ترجمة حنفى متقدم ولامتأخر.[۲۸۲]

"ابن حجر اپنی تاریخ میں اپنے مشائخ، احباب و اصحاب پر بہت سخت گیر ہیں خصوصاً حنفیہ کے متعلق تو ان کا یہ طرز عمل ہے کہ جہاں تک ہو سکتا ہے ان کی

---

[۲۸۱]۔ دیکھو طبقات الشافعیہ الکبری، ج: ۱، ص: ۱۹۱۔ و درر کامنہ، ج: ۲، ص: ۲۸۸۔

[۲۸۲]۔ دیکھو طبقات ابن سعد ج: ۷، ص: ۱۰۳۔ طبع لیڈن اور کتاب الاسماء والکنی، ج: ۲، ص: ۳۱، طبع دائرۃ المعارف۔

ان لغزشوں اور کمزوریوں کو جن سے عام طور پر انسان نہیں بچ سکتا ظاہر کرتے
رہتے ہیں اور جب تک کسی ضرورت سے مجبور نہ ہوں ان کے محاسن اور فضائل
کے ذکر سے غفلت برتتے ہیں۔ حنفیہ کے بارے میں ان کا حال وہی ہے جو حنفیہ
اور شافعیہ کے بارے میں ذہبی کا ہے۔ یہاں تک کہ سبکی نے تصریح کی ہے کہ
کسی شافعی اور حنفی کا تذکرہ ذہبی کے کلام سے نہیں لینا چاہئے۔ پس اسی طرح
ابن حجر کے کلام سے بھی کسی حنفی کا تذکرہ نہیں لینا چاہئے خواہ وہ متقدمین میں
سے ہو یا متاخرین میں سے"۔

...دمین ائمہ جرح و تعدیل میں سے دو حافظوں کی کتابیں ہمارے سامنے ہیں ایک
...ات ابن سعد دوسری کتاب الأسماء والکنی مصنفہ حافظ ابو بشر دولابی ان دونوں
...وں میں نوح بن ابی مریم کا تذکرہ موجود ہے لیکن جرح کا ایک حرف منقول
...۔ (۲۸۳) حالانکہ ابن سعد کی طبیعت میں اہل عراق سے جو انحراف ہے وہ خود
...ابن حجر کو بھی تسلیم ہے۔ (۲۸۴) اور بلاشبہ انہوں نے طبقات میں ائمہ عراق کے
...میں جو کلام کیا ہے اس سے اس دعوی کی پوری تائید ہو جاتی ہے۔ اسی طرح
...رین میں حافظ عبد القادر قرشی نے الجواهر المضية میں اور علامہ محمود بن سلیمان
...ی نے کتائب أعلام الأخيار میں ذہبی اور ابن حجر کے بعد مفصل تذکرہ کیا
... (۲۸۵) لیکن جرح بالکل نقل نہیں کی ہے۔

...صدر الائمہ موفق بن احمد مکی مناقب ابی حنیفہ میں رقمطراز ہیں۔

...دی الباری، ج: ۲، ص: ۱۶۴۔
...تعلیقات ذیول تذکرۃ الحافظ، الاستاذ زاہد الکوثری، ص: ۳۲۸، طبع مصر
...دیکھو الجواہر المضیہ ج: ۱، ص: ۳۶۵، ۳۶۶۔ کفوی کی کتاب کا قلمی نسخہ ٹونک کے کتب خانہ میں
...نظر سے گزرا ہے۔

وأبو عصمة نوح بن أبي مريم إمام أهل مروو لقب بالجامع لأنه كان له أربعة مجالس مجلس المناظرة ومجلس الدرس الفقه ومجلس لمذاكرة الحديث ومعرفة معانيه. والمغازي ومجلس لمعاني القرآن والادب والنحو وقيل كان ذلك يوم الجمعة وقال أبو سهل خاقان انما سمى نوح الجامع لأنه كان له أربعة مجالس مجلس الأثر ومجلس الأقاويل أبي حنيفة ومجلس للنحو ومجلس للأشعار وكان من الأئمة الكبار والجلالة قدره روي عنه شعبة وابن جريج وهما هما ومع هذه الجلالة لزم أبا حنيفة وروى عنه الكثير ولما مات قعد ابن المبارك على بابه ثلاثة أيام يعني للتعزية رحمه الله.[۲۸۶]

"اور ابو عصمہ نوح بن ابی مریم اہل مرو کے امام ہیں یہ جامع کے لقب سے ملقب ہوئے کیونکہ ان کی چار مجلسیں تھیں ایک مناظرہ کی ایک درس فقہ کی ایک حدیث اس کے معانی اور مغازی کے مذاکرہ کی ایک معانی قرآن ادب اور نحو کی اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جمعہ کے دن ہوتی تھی ابو سہل خاقان کا بیان ہے کہ نوح کو جامع اس لئے کہا گیا کہ ان کی چار مجالس تھیں ایک حدیث کی دوسری امام صاحب کے اقوال کی تیسری نحو کی چوتھی اشعار کی، یہ ائمہ کبار میں سے ہیں۔ اور ان کی جلالت قدر ہی کی بنا پر ان سے شعبہ اور ابن جریج جیسے ائمہ نے حدیثیں روایت کی ہیں اور شعبہ آخر شعبہ اور ابن جریج آخر ابن جریج ہی ہیں نوح نے باایں ہمہ جلالت قدر امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضری کا التزام کیا اور ان سے کثیر روایتیں کیں جب نوح کی وفات ہوئی ہے تو ابن مبارک تین دن تک ان کے دروازہ پر تعزیت کے لئے بیٹھے رہے، رحمہ اللہ"۔[۲۸۷]

---

[۲۸۶] ۔ مناقب موفق، ج: ۲، ص: ۱۱۱۔

[۲۸۷] مناقب موفق، جلد ۲، ص ۱۱۱

اختصار کا لحاظ رکھنے کے باوجود مقالہ دراز ہوگیا اور بہت سے مباحث قصداً ترک کرنے پڑے تاہم اس کی برابر کوشش کی ہے کہ حدیث کا علمی ذوق رکھنے والوں کے لئے اس میں کچھ نہ کچھ دلچسپی کا سامان موجود رہے کہ:

زخط لالہ رخاں شد فراغتم زانزد دلم بخط حدیث اقتدار پیدا کرد

استدراک

المدخل پر تبصرہ تمام ہوا اور محدث حاکم نے حدیث کی جو دس قسمیں کی تھیں ان پر مفصل بحث گزر چکی، اب محدث ابن صلاح نے جو صحیح احادیث کی سات قسمیں قرار دی تھی ان پر ایک نظر ڈال لیجئے، علامہ ابن صلاح نے حدیث صحیح کی تعریف کرنے کے بعد سات فائدوں پر بحث کرتے ہوئے ساتویں اور آخری فائدہ میں فرماتے ہیں۔

ساتواں فائدہ

السابعة: وإذا انتهى الأمر في معرفة الصحيح إلى ما خرّجه الأئمة في تصانيفهم الكافلة ببيان ذلك كما سبق ذكره، فالحاجة ماسّة إلى التنبيه على أقسامه باعتبار ذلك. فأولها: صحيح أخرجه البخارى ومسلم جميعاً، الثانى: صحيح انفرد به البخارى أى عن مسلم، الثالث: صحيح انفرد به مسلم أى عن البخارى، الرابع: صحيح على شرطه مالم يخرّجاه، الخامس: صحيح على شرط البخارى لم يخرّجه، السادس: صحيح على شرط مسلم لم يخرجه، السابع: صحيح عند غيرهم وليس على شرط واحد من هما هذه أمهات أقسامه وأعلاها الأول۔[۲۸۸]

"جب معاملہ صحیح حدیث کی معرفت میں ان روایات پر منتہی ہوا جس کو ائمہ حدیث نے ان تصانیف میں بیان کیا ہے کہ جو احادیث صحیحہ کے بیان پر مشتمل

۲۸۸۔ ص: ۲۷ ـ ۲۸، طبع حلب، ۱۳۵۰ھ

ہیں، جیسا کہ سابق میں گزر چکا ہے تو اس بات کی ضرورت پڑی کہ صحیح حدیث کی اقسام پر اسی اعتبار سے تنبیہ کر دی جائے۔ تو اول: وہ صحیح حدیث ہے جس کی بخاری اور مسلم دونوں تخریج کریں، دوسری: وہ صحیح حدیث جس کی روایت میں بخاری منفرد ہوں اور مسلم نے نقل نہ کیا ہو، تیسری: وہ حدیث صحیح ہے، جس کی صرف مسلم نے روایت کی ہو بخاری نے نہیں، چوتھی: وہ حدیث صحیح ہے جو ان دونوں کی شرط پر صحیح ہو لیکن دونوں نے اس کی روایت نہ کی ہو، پانچویں: وہ حدیث صحیح ہے جو بخاری کی شرط پر ہو لیکن انہوں نے اس کو روایت نہ کیا ہو، چھٹی: وہ جو مسلم کی شرط پر صحیح ہو لیکن مسلم نے اس کو روایت نہ کیا ہو، ساتویں: وہ جو دوسرے محدثین کے نزدیک صحیح ہو لیکن ان دونوں میں سے کسی کی شرط پر نہ ہو یہ حدیث صحیح کی بنیادی قسمیں ہیں اور پہلی سب سے اعلیٰ ہے"۔

پھر اسی اعتبار سے درجہ بدرجہ بقیہ اقسام بھی صحت کی حامل ہوں گی۔

حافظ ابو بکر حازمی المتوفی ۵۸۴ھ کے زمانہ تک حدیث کی ترجیح کی وجہ کسی کتاب میں ہونا ہم کو معلوم نہیں، کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب (الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار) میں احادیث میں باہم تعارض کے وقت پچاس وجوہ ترجیح ذکر کئے ہیں اور ان سب کا تعلق اوصاف ترجیح پر ہے کسی کتاب میں کسی حدیث کی روایت کرنے کو وجہ ترجیح نہیں بتایا، ابن صلاح نے غالبًا ابو حفص میانجی کے رسالہ (ما لا یسع المحدث جهله) سے یہ بات لی ہے مگر ابو حفص میانجی فن حدیث میں کسی اعلیٰ مرتبے کے مالک نہیں تھے۔ پھر ابن صلاح سے یہ بات نقل در نقل اصول حدیث کی کتابوں میں ہوتی چلی آئی، لیکن یہ تقسیم نہایت نامناسب ہے۔

خود ابن صلاح نے حدیث صحیح کی تعریف کرتے ہوئے آٹھ اہم علمی فائدے جو بیان کئے ہیں ان میں دوسرے فائدے کے ذیل میں اپنے دور میں حدیث کی تصحیح کو ممنوع قرار دیا ہے چنانچہ تصریح فرماتے ہیں۔

الثانية: إذا وجدنا فيما يروى من أجزاء الحديث وغيرها حديثاً صحيح الأسناد ولم نجده في أحد الصحيحين ولا منصوصاً على صحته في شئ من مصنفات أئمة الحديث المعتمدة المشهورة فإنا لا نتجاسر على جزم الحكم بصحته، فقد تعذر في هذه الأعصار الإستقلال بإدراك الصحيح بمجرد إعتبار الأسانيد۔[۲۸۹]

"دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جب ہم اجزاء حدیث وغیرہ میں کوئی حدیث صحیح الاسناد پائیں اور صحیحین میں سے کسی ایک میں نہ پائیں اور اس کی صحت کی تصریح ائمہ حدیث کی معتمد اور مشہور کتابوں میں نہ پائیں، تو ہم جزم و یقین کے ساتھ اس کی صحت کی جسارت نہیں کریں گے، کیونکہ اس عہد میں صرف اسانید کے اعتبار سے صحیح کا ادراک دشوار ہے"۔

لیکن آپ نے دیکھا کہ خود انہوں نے حدیث اصح کی سات قسمیں کی ہیں اور اسی ترتیب سے حدیث کی اصحیت کا حکم لگایا ہے۔ اسی طرح أصح الاسانید کے سلسلہ میں ائمہ فن کی کوئی بات ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں، چنانچہ أصح الاسانید کے بارے میں امام اسحٰق بن راہویہ، امام احمد بن حنبل، حافظ عمرو بن علی الفلاس، امام یحیٰی بن معین بلکہ خود امام بخاری صاحب الصحیح کی بات بھی اس مسئلہ میں ان کو تسلیم نہیں[۲۹۰] جس سے خود ان کے مذکورہ فائدے کا باطل ہونا ثابت ہوگیا جو کہتے ہیں خود اس پر عمل نہیں کرتے۔

حالانکہ اصح الکتب کے بارے میں اپنی رائے کو یقینی سمجھتے ہیں۔

ہمارے خیال میں جس امام نے کسی کتاب کے متعلق یہ ظاہر کیا کہ فلاں کتاب اصح ہے ان سب کو صحیح قرار دینا چاہئے۔ جیسے أصح الأسانید کے بارے میں ان کی یہ رائے

---

[۲۸۹] ص: ۱۲، طبع حلب، ۱۳۵۰ھ۔

[۲۹۰] دیکھئے مقدمہ ابن صلاح، ص: ۱۰-۱۱۔

ہے وہی أصح الکتب کے بارے میں ہونی چاہئے۔ کہ جیسے أصح الاسانید کا حال ہے کہ وہ سب اسانید صحت کے بہترین معیار پر ہیں ایسے ہی جس کتاب کو اصح الکتب کہا جارہا ہے وہ بھی صحت کے اعتبار سے اعلیٰ درجے کی صحیح قرار دینی چاہئے۔ لیکن علامہ ابن صلاح جو کسی أصح الأسانید کو علی الاطلاق اصح کہنے کیلئے تیار نہیں ہیں ہزاروں حدیثوں کے مجموعہ کی کسی کتاب کو اصح کہنے پر مصر ہیں۔ تو یہ عجیب بات ہے کہ ایک اسناد صحیح کو أصح الأسانید کہنے سے تو روکا جائے اور ہزاروں حدیثوں کے کسی مجموعے کو اصح الکتب قرار دیا جائے۔

اب ہم ابن صلاح کی اس تقسیم ہفتگانہ پر بحث کرتے ہیں، خود ابن صلاح نے حدیث صحیح کی تعریف کی ہے جو درج ذیل ہے۔

أما الحديث الصحيح فهو الحديث المسند الذى يتصل إسناده بنقل العدل الضابط عن العدل الضابط إلى منتهاه ولا يكون شاذًا ولا معللاً۔[۲۹۱]

اس تعریف کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔

فهذا هو الحديث الذى يحكم له بالصحة بلاخلاف بين أهل الحديث۔[۲۹۲]

اب جہاں ان کو یہ تسلیم ہے کہ ایسی حدیث صحیح تسلیم کرنے میں محدثین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، تو معلوم ہوا کہ امام بخاری اور امام مسلم کے نزدیک ان اوصاف صحیح کے بعد مزید کوئی شرط نہیں ہے۔ اور ان دونوں حضرات کے نزدیک بھی ایسی حدیث صحیح قرار دی جائے گی۔ اب اگر بخاری و مسلم کے ہاں کوئی شرط ملحوظ ہوتی ابن صلاح کو اس جگہ ان کی شرطوں کو بیان کرنا چاہئے تھا لیکن ابن صلاح نے یہاں تو ان

---

[۲۹۱] ۔ص: ۸۔

[۲۹۲] ۔ص: ۹۔

کی کوئی مزید شرط ذکر نہیں کی۔ حالانکہ یہی اس کے بیان کا موقع تھا بلکہ ان کی کتاب مقدمة ابن صلاح کو اول سے آخر تک مطالعہ کیا جائے تو شیخین کے نزدیک صحت حدیث کیلئے مزید کسی شرط کا کہیں ذکر نہیں ملتا، اب جو ابن صلاح نے اس تقسیم ہفتگانہ میں بخاری و مسلم کی شرط کا ذکر کیا ہے، تو وہ سرے سے موجود ہی نہیں اس لئے چوتھی، پانچویں اور چھٹی قسمیں جو ذکر کی ہیں وہ سرے سے کوئی وجود ہی نہیں رکھتیں۔

اور ابن صلاح نے جو پہلی تین قسموں کا ذکر کیا ہے ان کے بارے میں ان کی تصریحات ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں:

وهذا القسم جميعه مقطوعة بصحته والعلم اليقيني النظري واقع به۔[۲۹۳]

"اور پہلی قسم (جس کو بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہو) اس کی صحت قطعی ہے اور علم یقینی اور نظری اس سے حاصل ہوتا ہے"۔

پھر دوسری تیسری قسم کے بارے میں ارشاد ہے۔

القول بأن ما انفرد به البخاری أو مسلم مندرج فی قبیل ما یقطع بصحته۔

"یہ قول کہ بخاری یا مسلم جس کی روایت میں تنہا ہو وہ بھی اس سلسلہ میں داخل ہیں کہ اس کی صحت قطعی ہے۔"

جس سے یہ معلوم ہوا کہ جس طرح وہ روایت قطعی ہے

کہ جس کو روایت کرنے میں بخاری و مسلم متفق ہیں، اگر صرف بخاری اس کی روایت کریں یا صرف مسلم روایت کریں تو وہ بھی ابن صلاح کے نزدیک قطعی الثبوت ہیں اور حجة الله البالغة، کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب بھی اس غلطی کے حامل ہیں۔

---

[۲۹۳]۔ ص: ۲۸۔

اب جب بخاری و مسلم دونوں کی ہر روایت قطعی الثبوت ہے تو پھر تین قسموں کے علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کے کیا معنی کیونکہ جب دونوں کتابوں کی ہر روایت یقینی اور قطعی الثبوت ٹھہری تو پھر صحیحین کی ہر روایت قطعی اور یقینی ہوئی جو قطعی الثبوت اور یقینی ہو ان میں اصحیت کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں ہوتا، جیسے سورۃ اللھب کو سورۃ الاخلاص پر ثبوت کے اعتبار سے کوئی فضیلت نہیں ہے جس طرح سورۃ الاخلاص کلام اللہ ہے اسی طرح سورۃ اللھب بھی جو معنی اور مضمون کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں سورۃ الاخلاص میں اللہ کی توحید کا بیان ہے اور سورۃ اللھب میں ابو لہب کا ذکر ہے، مگر ثبوت کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں، تو یہ تقسیم بھی ختم ہوئی اور بے کار ٹھہری یہاں تینوں قسموں کے بجائے ایک ہی قسم رہ گئی ۔پھر غور کر لیجئے کہ بخاری و مسلم کی ہر ایک روایت ابن صلاح کے نزدیک قطعی اور یقینی ہے، تو پھر ایک روایت کو دوسرے کی روایت سے اصح کہنا لغو ہوا، اب سات قسموں کی دو ہی قسم رہ گئیں، ایک وہ کہ جس کی روایت میں بخاری و مسلم دونوں متفق ہوں، یا ان دونوں میں کوئی ایک روایت کرے، اور دوسری وہ جس کو امام بخاری اور مسلم کے علاوہ کوئی دوسرا امام روایت کرے، اور پھر یہ دعویٰ بھی محل نظر ہے کہ بخاری و مسلم کی کسی روایت کے مقابلہ میں تمام ائمہ اسلام میں کسی امام کی روایت ان دونوں کی روایت سے صحیح تر نہیں ہو سکتی۔

مزید تفصیل کے لئے غور فرمائیے:

حضرت ابو ہریرہ کا جو صحیفۃ ھمام بن منبۃ تابعی نے ان سے روایت کیا ہے وہ ایک سو بیالیس ۱۴۲ حدیثوں پر مشتمل ہے، یہ صحیفہ صرف ایک طریق سے مروی ہے جس کا سلسلہ سند حسب ذیل ہے عبدالرزاق عن معمر عن ھمام بن منبۃ عن أبی ھریرۃ، حافظ یوسف مزی نے اپنی مشہور کتاب تحفۃ الاشراف میں (ج:۱۰ ص:۳۹۷تا ۴۱۰) ذکر کیا ہے، اب اس صحیفہ کی تئیس ۲۳ حدیثوں کو تو بخاری و مسلم دونوں نے صحیحین میں ذکر کیا ہے، اور اس صحیفہ کی سولہ ۱۶ روایتیں صرف صحیح

بخاری میں مذکور ہیں، اور اٹھاون ۵۸ روایتیں صرف صحیح مسلم میں اور اس سند کو کسی امام نے اصح الاسانید میں شمار نہیں کیا، پھر شیخین کی متفق علیہ روایت کو کس طرح اصح کہا جاسکتا ہے، اور اسی طرح اسی صحیفہ کی جس روایت کو صرف بخاری نے یا صرف مسلم نے روایت کیا ہے، اس کو کس طرح اصح کہا جاسکتا ہے، اور اسی صحیفہ کی جس روایت کو دونوں نے ترک کردیا ہے تو ان متروکہ روایت پر بخاری یا مسلم کی روایت کو کس وجہ سے واضح سمجھا جاسکتا ہے، بہر حال ابن صلاح نے جو تقسیم کی ہے وہ کسی طور پر صحیح نہیں سمجھی جاسکتی، بلکہ حافظ ابن حجر نے شرح نخبۃ میں تصریح کی ہے۔

قد يعرض للمفوق ما يجعله فائقاً۔ (۲۹۳)

"کہ بعض وقت مرجوح روایت میں کچھ ایسے امور پیدا ہو جاتے ہیں کہ وہ اس کو اپنے سے فائق پر راجح کردیتے ہیں"۔

اور علامہ محقق ابن ہمام اپنی کتاب فتح القدیر میں مغرب سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے کی بحث میں فرماتے ہیں۔

وقول من قال أصح الأحاديث مافي الصحيحين ثم ما انفرد به البخارى ثم ما انفرد به مسلم ثم ما اشتمل على شرطهما من غيرهما، ثم ما اشتمل على شرط أحدهما، تحكمٌ لا يجوز التقليد فيه إذ الأصحية ليس إلاّ لاشتمال رواتهما على الشروط التى إعتبراها، فاذا فُرِضَ وجود تلك الشروط في رواة حديث غير الكتابين فلا يكون الحكم، بأصحية مافي الكتابين عين التحكم ثم حكمها أوأحدهما بأن الراوى المعين مجتمع تلك الشروط ليس مما يقطع فيه بمطابقة الواقع، فيجوز كون الواقع خلافه، وقد أخرج مسلم عن كثير في كتابه ممن لم يسلم من غوائل الجرح، وكذا

۲۹۳۔ نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، ص: ۶۲، طبع دمشق۔

في البخاری جماعة تکلّم فیهم، فدار الأمر في الرواة على إجتهاد العلماء فيه، وكذا في الشروط حتى أن من اعتبر شرطًا وألغاه آخر يكون ما رواه الآخر مما ليس فيه ذلك الشرط عنده مكافيًا لمعارضة المشتمل على ذلك الشرط، وكذا في من ضعّف راويًا ووثقه الآخر، نعم تسكن غير المجتهد ومن لم يخبر أمر الراوی بنفسه إلى ما اجتمع عليه الأكثر، اما المجتهد في إعتبار الشرط وعلمه والذی خبر الراوی فلا يرجع إلا إلى رأی نفسه۔(۲۹۵)

"اور جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ اصح حدیث وہ ہے جس کو حضرات شیخین نے صحیحین (بخاری و مسلم) میں نقل کیا ہو پھر وہ حدیث جس کو صرف امام بخاری نے نقل کیا ہو پھر وہ حدیث جس کو صرف امام مسلم نے نقل کیا ہو پھر وہ حدیث جو شیخین کے شرط پر ہو اور کسی دوسرے امام نے نقل کیا ہو۔ پھر وہ حدیث جو شیخین میں سے کسی ایک کی شرط پر مشتمل ہو، تو یہ دعویٰ بغیر دلیل ہے جس میں کسی کی تقلید جائز نہیں ہے۔

کیونکہ حدیث کی اصحیت صرف ان کے روات کا شیخین کے معتبر شرطوں پر مشتمل ہونا ہے جب فرض کیا جائے ان ہی شرطوں کا پایا جانا صحیحین کی حدیث کے علاوہ دوسری حدیث کے راویوں میں ہو تو کیا پھر صرف صحیحین کی روایتوں پر اصحیت کا فیصلہ کرنا دعوی بلا دلیل نہیں ہے؟ پھر شیخین کا یا دونوں میں سے کسی ایک کا متعین راوی کے بارے میں معتبر شرطوں کے حامل ہونے کا فیصلہ کرنا ان امور میں سے نہیں ہے جن کے بارے میں یقین ہو جاتا ہے۔ حقیقت حال کے مطابق ہونے کی وجہ سے، پس ممکن ہے کہ حقیقت حال اس کے خلاف ہو جبکہ امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں بہت سے ایسے

۲۹۵۔ فتح القدیر، ج: ۱، باب النوافل، ص: ۱۹۵، طبعۃ دار الکتب۔

راویوں سے روایت نقل کی ہے جو جرح کے نقائص سے محفوظ نہیں ہیں اور اسی طرح صحیح بخاری کے راویوں میں متکلم فیہ رواۃ کی ایک جماعت موجود ہے، پس راویوں کے معاملہ کا دار ومدار ائمہ حدیث کے اجتہاد پر ہے اور اسی طرح ان کی شرطوں کے بارے میں یہاں تک اگر کسی امام نے کوئی شرط معتبر قرار دی ہے اور دوسرے امام نے اسی شرط کو غیر معتبر قرار دیا ہے تو دوسرا امام جب ایسی روایت نقل کرے گا جس میں وہ شرط نہیں پائی جاتی (جو پہلے امام نے لگائی تھی) تو یہ روایت ان کے نزدیک ایسی روایت کے معارض ہو سکتی ہے جو اس شرط پر مشتمل ہے اور یہی بات کسی راوی کی تضعیف اور توثیق کے بارے میں ہے، ہاں وہ حضرات جو مجتہدین نہیں ہیں اور راویوں کے احوال جاننے والوں کے علاوہ ہیں ان کا دل ایسی روایت پر مطمئن ہوگا جس پر اکثر متفق ہوں البتہ مجتہد کسی شرط کے ماننے یا نہ ماننے میں اور وہ شخص جو راوی کے احوال سے واقف ہو اپنی رائے پر عمل کرنے کا پابند ہوگا"۔

ائمہ مجتہدین متبوعین امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ نے جو صحیحین کی روایت کردہ مرویات پر دوسری حدیثوں کو ترجیح دی ہے وہ اسی بنا پر ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تصریح کی ہے کہ بعض وقت امام بخاری ومسلم کی روایت کردہ روایت کے مقابل دوسری رواتیوں میں ایسی وجوہ ترجیحات پیدا ہو جاتی ہیں، کہ وہ روایتیں شیخین کی روایت کردہ رواتیوں سے فائق ہوتی ہیں۔

مقدمۃ عجالۃ نافعۃ

ہندوستان میں علم حدیث

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوة والسلام على رسوله محمد وآله وصحبه أجمعين أما بعد:

اللہ کی شان یا تو ایک وہ زمانہ تھا کہ ہندوسندھ میں اسناد وروایت کا چرچا نہ تھا چنانچہ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی الأمصار ذوات الآثار [۲۹۶] میں لکھتے ہیں:

"فالأقاليم التي لا حديث بها يروى ولا عرفت بذلك الصين اغلق الباب والهند والسند"۔

"اور وہ ممالک کہ جہاں حدیث کی روایت نہیں کی جاتی اور نہ اس علم میں ان کی شہرت ہے چین ہے کہ جس نے دروازہ ہی بند کر رکھا ہے، اور ہند اور سندھ ہیں"۔

---

[۲۹۶] ۔ یہ حافظ ذہبی کا ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں انہوں نے ان شہروں کا حال لکھا ہے جو ایک زمانہ میں حدیث و روایت کا مرکز رہ چکے ہیں۔ یہ رسالہ اب نہیں ملتا۔ محدث سخاوی نے الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ ص: ۱۳۶ لغایت ۱۴۴ طبع دمشق ۱۳۴۹ھ میں اس کو بہ تمام وکمال نقل کر دیا ہے اور جابجا ان شہروں کے متعلق اپنی معلومات کا بھی اضافہ کیا ہے جو ذہبی کی عبارت کے بعد قلت کہہ کر شروع ہوتا ہے۔ (اب یہ رسالہ قاسم علی سید کی تحقیقات کے ساتھ دار البشائر الاسلامیة، بیروت سے ۱۴۰۶ھ میں باقاعدہ کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے۔)

حافظ ذہبی نے ۷۴۸ھ میں وفات پائی ہے اس بنا پر یوں سمجھنا چاہیے کہ آٹھویں صدی کے وسط تک علم حدیث کے سلسلہ میں ہندوستان کی کچھ شہرت نہ تھی۔ باقی یہ ایک الگ بات ہے کہ اس دور میں بھی ایک آدھ محدث اس برصغیر ہندوپاک کے طویل وعریض علاقہ میں کہیں نہ کہیں موجود ہو۔ چنانچہ امام حسن بن محمد صغانی لاہوری المتوفی ۶۵۰ھ اور شیخ الاسلام عماد الدین مسعود بن شیبہ سندھی مصنف کتاب التعلیم وطبقات الحنفیۃ تو اس پایہ کے محدث گزرے ہیں کہ ان کی تالیفات سے خود عربی دنیا نے فائدہ اٹھایا ہے۔ بلکہ حافظ عبد القادر قرشی المتوفی ۷۷۵ھ نے الجواھر المضیۃ في طبقات الحنفیۃ میں امام صغانی کے تذکرہ میں جو یہ لکھا ہے کہ:

سمع بمكة وعدن والهند

انھوں نے مکہ معظمہ، عدن اور ہندوستان میں حدیث کی سماعت کی ہے

اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ خود ہندوستان میں بھی چھٹی ساتویں صدی میں درس حدیث کا سلسلہ موجود تھا تاہم چونکہ اس ملک میں علم حدیث کی عام اشاعت نہ تھی اس لئے حافظ ذہبی نے اس کا شمار ان ممالک میں نہیں کیا کہ جو حدیث وروایت کا مرکز سمجھے جاتے تھے۔ محدث سخاوی نے الاعلان بالتوبیخ میں حافظ ذہبی کے مذکورہ بالا بیان کو نقل کرکے اس پر کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ تک ہندوستان کی اس فن میں وہی حالت تھی جو ذہبی نے بیان کی ہے۔ سخاوی کی وفات ۹۰۲ھ میں ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے ہم کو یوں سمجھنا چاہیے کہ نویں صدی کے اخیر تک یہاں علم حدیث کا رواج نہ تھا۔

یا پھر وہ زمانہ آیا کہ یہی اقلیم ہندوسندھ علم حدیث کی ترویج واشاعت میں تمام ممالک اسلامیہ پر گویا سبقت لے گئے۔ چنانچہ ثانی ذہبی محدث ناقد علامہ محمد زاہد کوثری اپنے مقالات میں رقمطراز ہیں:

"وكان حظ إقليم الهند من هذا الميراث منذ منتصف القرن العاشر هو النشاط في علوم الحديث فأقبل علماء الهند عليها إقبالا

كليا بعد أن كانوا منصرفين إلى الفقه المجرد والعلوم النظرية، ولو استعرضنا ما لعلماء الهند من الهمة العظيمة في علوم الحديث من ذلك الحين مدة ركود سائر الأقاليم لوقع ذلك موقع الإعجاب الكلي والشكر العميق وكم لعلمائهم من شروح ممتعة وتعليقات نافعة على الأصول الستة وغيرها وكم لهم من مؤلفات واسعة في أحاديث الأحكام، وكم لهم من أياد بيضاء في نقد الرجال وعلل الحديث وشرح الآثار وتاليف مؤلفات في شتى الموضوعات والله سبحانه هو المسئول أن يديم نشاطهم في خدمة مذاهب أهل الحق ويوفقهم لأمثال أمثال ما وفقوا له إلى الآن وأن يبعث هذا النشاط في سائر الأقاليم من جديد."[۲۹۷]

"اور اقلیم ہند کے حصہ میں اس میراث نبوی میں سے دسویں ہجری کے وسط سے علوم حدیث کی سرگرمی آئی ہے۔ چنانچہ اس عہد سے ہندوستان کے علماء خالص فقہ اور علوم نظریہ میں مشغول رہنے کے بعد علوم حدیث پر بالکلیہ متوجہ ہوئے۔ اور اگر ہم علوم حدیث کے متعلق علماء ہند کی اس عظیم توجہ کا اس وقت سے جائزہ لیں کہ جب سے تمام ممالک اسلامیہ میں اس علم کی ترقی کا سلسلہ رک گیا تو یہ پوری پوری تحسین اور گہرے تشکر کا سبب بنے گا۔ چنانچہ اندازہ کیجیے کہ وہاں کے علماء نے صحاح ستہ وغیرہ پر کتنی مفید شرحیں اور کتنے مفید حواشی لکھے ہیں اور احادیث احکام پر ان کی کتنی وسیع تالیفات موجود ہیں اور تنقید رجال، علل حدیث اور شرح احادیث میں ان کے کس قدر شاندار کارنامے ہیں۔ نیز حدیث کے متعلق مختلف موضوعات پر انھوں نے کس قدر تالیفات چھوڑی ہیں۔ دعا ہے کہ حق سبحانہ وتعالی مذاہب حقہ کی خدمت کے سلسلہ میں

---

[۲۹۷]۔ مقالات الکوثری، ص: ۷۳، طبع قاہرہ، ۱۳۷۲ھ

ان کی سرگرمی کو مدام جاری رکھے۔ اور اب تک جو کچھ ان کو کرنے کی توفیق ملی ہے اس سے کئی گنی کرنے کی مزید توفیق ارزانی فرمائے اور اس سرگرمی کو دوسرے ممالک میں بھی نئے سرے سے پیدا فرمادے"۔ (آمین)

اور پھر احادیث احکام کی مشہور ترین کتابوں کا ذکر کرکے فرماتے ہیں:

"ثم يأتي دور إخواننا الهند من أهل السنة فمآثرهم في السنة في القرون الأخيرة فوق كل تقدير وشروحهم في الأصول الستة تزخر بالتوسع في أحاديث الأحكام."(۲۹۸)

"پھر ہمارے اہل سنت ہندی بھائیوں کا دور آیا جنکے شاندار کارنامے پچھلی صدیوں میں علم سنت کے متعلق ہر اندازہ سے بڑھ کر ہیں اور صحاح ستہ پر ان کی شرحیں احادیث احکام کی وسیع معلومات سے بھرپور ہیں"۔

اور مصر کے مشہور صحافی سید رشید رضا نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ

"ولو لا عناية إخواننا علماء الهند بعلوم الحديث فى هذا العصر لقضى عليها بالزوال من أمصار الشرق فقد ضعفت في مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر للهجرة حتى بلغت منتهى الضعف في أوائل هذا القرن الرابع عشر".(۲۹۹)

"اور اگر ہمارے بھائی ہندوستانی علماء کی توجہ اس زمانے میں علوم حدیث کی طرف مبذول نہ ہوتی تو ان کے زوال کا بلاد مشرق میں فیصلہ ہو چکا تھا کیونکہ یہ علوم مصر، شام، عراق، اور حجاز میں دسویں صدی ہجری سے ضعیف ہو چکے ہیں حتی کہ اس چودھویں صدی کے اوائل میں تو انتہائی ضعف کو پہنچ چکے ہیں"۔

۲۹۸۔ ص: ۴۷
۲۹۹۔ مقدمة کنوز السنۃ، ص: ۶، طبع مصر

دسویں صدی کے ممتاز محدثین اور ان کی تصنیفات

ہندوستان میں علوم حدیث کی گرم بازاری جیساکہ محدث کوثری نے تصریح کی ہے دسویں صدی ہجری سے شروع ہوتی ہے چنانچہ میر سید عبدالاول بن علاء حسنی حنفی نے اسی عہد میں صحیح بخاری کی شرح لکھی جس کا نام **فیض الباری** ہے میر صاحب کی وفات دہلی میں ۹۶۸ھ میں ہوئی ہے، اسی عہد میں شیخ علی بن حسام الدین متقی حنفی نے اپنی مشہور کتاب **کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال**[۳۰۰] لکھی ہے جس کو علم حدیث کا دائرۃ المعارف سمجھا جاتا ہے اس کتاب میں شیخ موصوف نے امام سیوطی کی **جامع صغیر، زوائد جامع صغیر** اور **جمع الجوامع** کی تمام احادیث کو جو حروف تہجی پر مرتب تھیں ابواب فقہیہ پر مرتب کردیا ہے۔ **جمع الجوامع** جس کے بارے میں امام سیوطی کا دعوی تھا کہ انہوں نے اس کتاب میں تمام احادیث نبویہ کا احاطہ کرلیا ہے۔[۳۰۱]

---

[۳۰۰]۔ یہ کتاب سب سے پہلے مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے بڑی تقطیع کی آٹھ ضخیم جلدوں میں باریک ٹائپ پر طبع ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچی۔

[۳۰۱]۔ لیکن واضح رہے کہ امام سیوطی کا یہ دعوی صحیح نہیں ہے بلکہ ان سے ایک تہائی کے قریب حدیثیں درج کتاب ہونے سے رہ گئی ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالروف مناوی المتوفی ۱۰۸۳ھ نے اس کتاب پر ایک نہایت طویل استدراک تین ضخیم جلدوں میں لکھا ہے جس کا نام ہے الجامع الأزہر من حدیث النبي الأنور میری نظر سے اس کتاب کا قلمی نسخہ گزرا ہے۔ جس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

ومن البواعث على تاليف هذا الكتاب أن الحافظ الكبير الجلال السيوطى ادّعى أنه جمع في كتاب الجامع الكبير الأحاديث النبوية بأسرها مع أنه قد فاته الثلث فأكثر وهذا فيما وصلت إليه أيدينا بمصر وما لم يصل إلينا منها أكثر وفي الأقطار الخارجة عنها من ذلك أكثر فاغتر ب هذه الدعوى كثير من الأكابر فصار كل حديث يسأل عنه أو يريد الكشف عنه يراجع الجامع الكبير فإن لم يجده فيه غلب ظنه أنه

کنز العمال کے متعلق شیخ ابوالحسن بکری کا مشہور مقولہ ہے کہ:

"للسيوطي مِنة على العالمين وللمتقي منّة عليه."

"سیوطی کا احسان تو سارے اہل عالم پر ہے اور متقی کا احسان خود سیوطی پر ہے"۔

کنز العمال کے علاوہ محدث متقی کی علم حدیث میں اور بھی متعدد تصانیف یادگار ہیں جن میں منتخب کنز العمال اور مختصر النهاية لابن الأثير، خاص طور پر قابل ذکر ہیں، منتخب کنز العمال عرصہ ہوا کہ مصر میں مسند امام احمد کے حاشیہ پر طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ محدث متقی نے نوے سال کی عمر میں حرم محترم میں ۹۷۵ھ میں انتقال کیا ہے۔

لا وجود له فربما أجاب بأنه لا أصل له فعظم بذلك الضرر ولركون النفس الى الثقة بزعمه الاستيعاب وتوهم أن ما زاد على ذلك لايوجد في كتاب۔

اس کتاب کی تالیف کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حافظ جلال الدین سیوطی نے دعوی کیا ہے کہ انہوں نے جامع کبیر میں تمام احادیث نبویہ کو جمع کر دیا ہے حالانکہ ایک تہائی بلکہ اس سے بھی زیادہ حدیثیں ان سے درج کرنے سے رہ گئی ہیں۔ اور یہ تو ان احادیث کی نسبت ہے کہ جن پر مصر میں ہماری دسترس ہوئی ہے اور جن روایات تک ہماری دسترس نہیں ہوئی وہ اس سے بھی زیادہ ہیں اور مصر کے علاوہ بیرونی ممالک میں تو اور بھی زیادہ ہیں۔ پھر سیوطی کے اس دعوی سے بہت سے اکابر کو دھوکہ لگا اور ان سے جب کسی حدیث کے متعلق سوال ہوا یا خود انہوں نے اس کی تحقیق کرنی چاہی تو جامع کبیر کی طرف مراجعت کی اب اگر اس کتاب میں ان کو وہ روایت نہ ملی تو انہیں یہ غالب گمان ہوگیا کہ اس حدیث کا سرے سے وجود ہی نہیں چنانچہ بسا اوقات انہوں نے اس حدیث کے متعلق جواب میں کہدیا کہ اس کی کوئی اصل نہیں جس سے سخت ضرر ہوا۔ کیونکہ بزعم خود ان کی طبیعت اس اعتماد پر مائل تھی کہ اس کتاب میں احاطہ کرلیا گیا ہے اور وہ اس وہم میں مبتلا تھے کہ جو حدیث اس کتاب سے زائد ہے وہ کسی کتاب میں موجود نہیں۔

الجامع الازہر کا قلمی نسخہ ہندوستان میں ریاست ٹونک کے کتب خانہ میں تھا۔ اور اسی نسخہ کی ایک نقل یہاں پاکستان میں آکر پیر پگارو کے کتب خانہ میں بھی ہے۔

اسی دور کے ایک اور نامور محدث شیخ محمد طاہر پٹنی حنفی التوفی ۹۸۶ھ ہیں جن کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی أخبار الأخیار میں لکھتے ہیں کہ:

"در علم حدیث توالیف جمع کرد، از آنجملہ کتابے است کہ متکفل شرح صحاح است مسمّٰی بمجمع البحار و رسالہ دیگر مختصر مسمّٰی بمغنی کہ تصحیح اسماء الرجال کردہ بے تعرض بہ بیان احوال بغایت مختصر و مفید"۔

"انہوں نے علم حدیث میں تالیفات کی ہیں جن میں سے ایک کتاب ایسی ہے جو شرح صحاح ستہ کی کفیل ہے اس کا نام مجمع البحار ہے اور ایک اور مختصر رسالہ جس کا نام المغنی ہے اس میں اسماء رجال کی تصحیح کی ہے حالات کے بیان کرنے پر اعتنا نہیں کیا یہ نہایت مختصر اور مفید ہے"۔

مجمع البحار مطبع نول کشور لکھنو میں اور المغني في ضبط الرجال، تقریب التهذیب مؤلفہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے حاشیہ پر مطبع فاروقی دہلی میں طبع ہو چکی ہیں۔ ان کے علاوہ شیخ ممدوح کی ایک اور مشہور تصنیف تذکرة الموضوعات اور اس کا ذیل قانون الموضوعات والضعفاء بھی عرصہ ہوا کہ مصر سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔

اسی زمانے میں بخاری کی مشہور شرح عثمانی لکھی گئی ہے جس کا نام غاية التوضيح في شرح الجامع الصحيح [۳۰۲] ہے۔ یہ شرح اپنے مصنف شیخ عثمان

---

[۳۰۲] میں نے اس کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی میں دیکھا ہے۔ اس کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے الحمد لله الذی شرح صدور المحدثین بالہام مقاصد السنة النبوية وروح ارواح العلماء العاملین بسماع الأحادیث الطیبة الخ۔ دیباچہ میں لکھتے ہیں۔ ہذا شرح الجامع الصحیح للامام التقی النقی قدوة العلماء والمحدثین العالم الربانی ابی عبدالله محمد بن اسمٰعیل البخاری تغمده الله سبحانه بغفرانه واسكنه بحبوحة جنانه اخذته ولخصته من شروحه المحققة المدققة الكرمانی والمقاصد وفتح الباری والقسطلانی والزرکشی وفی مواضع عدیدة من اوائله من فیض الباری شرح الفاضل العلامة سید عبد الاول بصراحة النقل عنه وادرجت فی مواضع قلیلة ما

بن ابراہیم صدیقی حنفی المتوفی ۱۰۰۸ھ کے نام پر عثمانی مشہور ہے، مولانا احمد علی سہارنپوری کے حواشی صحیح بخاری میں اس شرح سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی

پھر جب ۱۰۰۰ھ میں شیخ المحدثین عبدالحق بن سیف الدین حنفی دہلوی حجاز مقدس سے علم حدیث کی تکمیل کرکے مراجعت فرمائے وطن ہوئے تو ان کی ذات بابرکات سے علم حدیث کو بڑا فروغ حاصل ہوا اور علوم نبویہ کی دولت ہر خاص و عام کے لئے وقف عام ہو گئی شیخ ممدوح کی وفات ۱۰۵۲ھ میں ہوئی ہے۔ یہ پورے باون برس کی طویل مدت شیخ نے علم حدیث کے احیاء واشاعت ہی میں گزاری ہے۔ درس حدیث کا سلسلہ اخیر عمر تک جاری رہا۔ ہندوستان کے تمام نامور علمی خانوادوں کا سلسلہ تلمذ علم حدیث میں آپ تک پہنچتا ہے، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا سلسلہ اسناد بواسطہ شیخ أبو طاهر كردى عن الشيخ عبد الله اللاهورى عن عبد الله اللبيب عن ملا عبد الحكيم السيالكوتى آپ پر منتہی ہوتا ہے۔ علامہ سیالکوٹی کو علم حدیث میں براہ راست شیخ سے تلمذ واجازت حاصل ہے، اسی طرح ملا نظام الدین سہالوی جن کی طرف درس نظامیہ کا انتساب ہے اور جن سے علماء فرنگی محل کا سلسلہ چلتا ہے حدیث میں شاہ پیر محمد لکھنوی المتوفی ۱۰۸۰ھ کے شاگرد ہیں اور انہوں نے اس فن کی تعلیم شیخ نور الحق بن شیخ عبدالحق شارح بخاری سے حاصل کی ہے اور وہ اپنے والد بزرگوار کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔

سنح للنظر القاصر بعبارة "قلت او اقول" غالبا تميزا بين القوى والفاتر وربما صرحت الحوالة إلى بعض تلك الشروح فيما إذا كان مواده اهم اونادراً او مستبعدا لايقبل إذا صرح وعلم انه من كلام الاكابر وسميته غاية التوضيح للجامع الصحيح۔ الخ کتب خانہ کندیان میں اس کتاب کی صرف جلد اول ہے۔

حدیث کے درس و تدریس کے علاوہ شیخ محدث نے علم حدیث میں نہایت گرانقدر اور مفید تصانیف یادگار چھوڑیں۔ منجملہ ان کے لمعات التنقیح شرح مشکوۃ المصابیح شیخ کی وہ بیش بہا تالیف ہے کہ جس سے بعد کے تمام شارحین حدیث نے استفادہ کیا ہے۔ اسی طرح المنہج القویم في شرح الصراط المستقیم معروف بشرح سفر السعادت اپنے موضوع پر وہ بہترین کتاب ہے کہ جس کی نظیر سارے متداول اسلامی لٹریچر میں بجز ابن قیم کی زاد المعاد کے نہیں ملتی، مدارج النبوۃ کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب عجالہ نافعہ میں لکھتے ہیں کہ:

"مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی و سیرت شامیہ ومواہب لدنیہ مبسوط ترین سیر تہااند"

اور اشعۃ اللمعات شرح فارسی مشکاۃ شیخ ممدوح کی وہ مقبول عام تصنیف ہے کہ جس سے ایک عالم نے فائدہ اٹھایا ہے۔ نواب صدیق حسن خان إتحاف النبلاء المتقين بإحياء مآثر الفقهاء والمحدثين میں اس کتاب کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں۔

''در سہولت تناول و شرح غریب و ضبط مشکل و ذکر مسائل فقہ حنفی بے نظیر است و مزید شہرت و قبول وے مستغنی از بیان است''

شیخ محدث کا سب سے بڑا کارنامہ فقہ حنفی کی احادیث سے تطبیق ہے اور گو یہ مقصد مشکوۃ کی عربی اور فارسی دونوں شرحوں میں شیخ کے پیش نظر ہے لیکن خاص طور پر فتح المنان في تأيید مذهب النعمان[۳۰۳] اور شرح سفر السعادت یہ دونوں کتابیں شیخ نے اسی غرض کے لئے لکھی ہیں۔ شیخ محدث کے بعد ان کے خاندان میں علم حدیث کی خدمت کا سلسلہ دوسو سال تک برابر جاری رہا۔

۳۰۳۔ اس کتاب کے قلمی نسخے کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن اور کتب خانہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں میری نظر سے گزرے ہیں۔

چنانچہ ان کے صاحبزادے شیخ نور الحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۷۳ھ نے صحیح بخاری کی ایک ضخیم شرح چھ جلدوں میں لکھی یہ شرح فارسی زبان میں ہے اور اس کا نام تیسیر القاری بشرح صحیح البخاری ہے۔ شیخ نور الحق نے شمائل ترمذی کی بھی شرح لکھی ہے۔ شمائل ترمذی کی ایک اور شرح ان کے پوتے شیخ سیف اللہ بن شیخ نور اللہ بن شیخ نور الحق نے بھی لکھی ہے جس کا نام اشرف الوسائل فی شرح الشمائل ہے یہ شرح بھی فارسی میں ہے۔ شیخ ممدوح کے دوسرے پوتے شیخ محب اللہ بن نور اللہ نے صحیح مسلم کی شرح منبع العلم کے نام سے لکھی اور شیخ محب اللہ کے فرزند اکبر حافظ محمد فخر الدین نے حصن حصین کی شرح فارسی میں لکھی جو مطبع نول کشور لکھنو میں طبع ہو چکی ہے اور حافظ فخر الدین کے فرزند ارجمند شیخ محمد المعروف بشیخ الاسلام نے صحیح بخاری کی ایک شرح فارسی میں لکھی ہے جو تیسیر القاری کے حاشیہ پر مطبع علوی لکھنو میں طبع ہو گئی ہے۔ اور شیخ الاسلام کے صاحبزادہ شیخ سلام اللہ محدث رامپوری المتوفی ۱۲۲۹ھ یا ۱۲۳۳ھ نے مؤطا امام مالک کی ایک ضخیم شرح عربی زبان میں لکھی جس کا نام المحلی بحلی اسرار المؤطا ہے یہ شرح شاہ ولی اللہ کی مسوی اور مصفّٰی دونوں شرحوں سے زیادہ جامع ہے مولانا عبدالحئ لکھنوئی فرنگی محلی حنفی کی مشہور شرح التعلیق الممجد علی الامام محمد کا سب سے بڑا ماخذ یہی المحلّٰی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مؤطا کی ان تمام شروح میں جو متاخرین کے قلم سے نکلی ہیں سوائے محدث عبدالباقی زرقانی کی شرح کے اور کوئی شرح جامعیت اور وسعت معلومات کے لحاظ سے محلّٰی کا مقابلہ نہیں کر سکتی میرے پاس محلی کا قلمی نسخہ جو نہایت صاف اور خوش خط ہے۔ بڑی تقطیع کی دو ضخیم جلدوں میں موجود ہے۔ اور اس کے اول میں شیخ سلام اللہ کے صاحبزادے شیخ نور الاسلام کا رسالہ اصول حدیث بھی ملحق ہے۔

شاہ ولی اللہ

شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے خاندان کے علاوہ دوسرا خاندان جس نے علم حدیث کی ترویج واشاعت میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا وہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ کا خاندان والا دودمان ہے۔ نواب صدیق حسن خان اتحاف النبلاء المتقین میں شاہ عبد العزیز کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

"خاندان ایشاں خاندان علوم حدیث وفقہ حنفی است خدمت این علم شریف چنانکہ ازین اہل بیت بوجود آمدہ درین کشور از خانمان دیگر معلوم و معہود نیست"۔

ان کا خاندان علوم حدیث وفقہ حنفی کا خاندان ہے اور اس علم شریف کی جیسی خدمت اس خاندان سے بن آئی ہے اس ملک میں کسی دوسرے خاندان سے معلوم ومتعارف نہیں۔

یہ نواب صاحب کی رائے ہے لیکن ہمارے نزدیک صحاح ستہ کے درس وتدریس اور حدیث کی عام اشاعت کے اعتبار سے شاہ ولی اللہ کا خاندان بڑھا ہوا ہے اور علم حدیث میں کثرت تصانیف کے لحاظ سے شیخ عبد الحق کے خاندان کو شاہ ولی اللہ کے خاندان پر فوقیت حاصل ہے۔

شاہ ولی اللہ مصالح واسرار شریعت کے امام ہیں اور ان کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی ورازی کے کارنامے ماند ہیں احادیث کے معانی وتوجیہات میں ان کا مقام خطابی، بغوی اور نووی کے دوش بدوش ہے۔ حضرت میرزا مظہر جان جاناںؒ فرماتے ہیں کہ:

"حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ طریقہ جدیدہ بیان نمودہ اند ودر تحقیق اسرار معرفت وغوامض علوم طرز خاص دارند با این ہمہ علوم وکمالات از علماء ربانی اند

مثل ایشان در محققان صوفیہ کہ جامع اند در علم ظاہر و باطن و علم تو بیان کردہ چند کس گذشتہ باشند"۔ (۳۰۲)

"حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ نے نیا طریقہ بیان کیا ہے، وہ اسرار معرفت اور دقائق علوم کی تحقیق میں ایک خاص طرز رکھتے ہیں۔ اور باایں ہمہ علوم و کمالات، علماء ربانی میں سے ہیں محققین صوفیہ میں ان جیسے جو علم ظاہر و باطن میں جامع بھی ہوں اور انہوں نے نیا علم بھی بیان کیا ہو چند ہی اشخاص گزرے ہیں"۔

شاہ ولی اللہ نے ۱۱۴۳ھ میں فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد کامل ایک سال تک حرمین شریفین میں علم حدیث کی تحصیل کی اور ۱۱۴۵ھ میں دہلی واپس ہوئے۔ یہاں آکر انہوں نے اور ان کے بعد ان کی اولاد نے برابر اس کی اشاعت کی۔ حق تعالیٰ نے ان کی مساعی جمیلہ کو وہ قبولیت عطا کی کہ آج کلکتہ سے لے کر پشاور تک ہندوپاک کے جس مدرسہ میں بھی قال الرسول کی صدا بلند ہے اس کا سلسلہ اسناد بالعموم شاہ ولی اللہ پر منتہی ہوتا ہے۔

حدیث میں شاہ صاحب کی تصانیف میں سے مسوّٰی اور مصفّٰی، مؤطا کی دو شرحیں ہیں پہلی شرح جو مختصر ہے عربی میں ہے اور دوسری جو مبسوط ہے اور شاہ صاحب کی علمی تحقیقات پر مشتمل ہے فارسی میں ہے۔ ان کے علاوہ ان کی دیگر تصانیف میں سے حجۃ اللہ البالغۃ میں جو اسرار شریعت کے بیان میں ایک بے نظیر کتاب ہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد اور جامع ترمذی کی بہت سی احادیث کی شرح آگئی ہے۔ اسی طرح ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء اور قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں بھی احادیث کا اچھا خاصہ ذخیرہ موجود ہے۔

۳۰۲۔ کلمات طیبات، ملفوظات مرزا صاحب، ص: ۸۳، طبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ

شاہ عبدالعزیز

شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے خلف اکبر، شاہ عبدالعزیز متوفی ۱۲۳۹ھ اپنے پدر بزرگوار کی مسند درس پر متمکن ہوئے انہوں نے اپنی تمام زندگی درس حدیث کے لئے وقف کردی حق تعالیٰ نے ان کی عمر میں برکت دی اور عمر طویل عطا فرمائی ان کے عہد میں علم حدیث کو اس دیار میں وہ عروج نصیب ہوا کہ باید و شاید جس کثرت سے اکابر علماء شاہ عبدالعزیز کے حلقہ درس سے نکلے ہندوستان میں اور کسی محدث کے حلقہ درس سے نہ نکلے۔ علم حدیث سے متعلق شاہ عبدالعزیز کی تصانیف میں ایک تو بستان المحدثین مشہور ہے اور دوسرا یہی عجالہ نافعة یہ دونوں کتابیں فارسی زبان میں ہیں بستان المحدثین میں بعض ان مشہور محدثین اور ان کی تصنیفات کا تذکرہ ہے کہ جن کے حوالے بکثرت کتابوں میں آتے ہیں۔ اور عجالة نافعة میں فن حدیث کے متعلق عام معلومات کا بیان ہے۔ عجالہ نافعہ اگرچہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے مگر اس فن کی نہایت ہی قیمتی اور اہم معلومات پر مشتمل ہے۔ خود شاہ عبدالعزیز نے اس رسالہ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے۔

"امیدواری از حضرت باری تعالیٰ شانہ و عز برھانہ آنست کہ اگر مضامین این رسالہ را کسی نصب العین خود سازد و در فنون حدیث خوض نماید از غلط و خطاء مامون واز تصحیف و تحریف مصٔون باشد و در تصحیح و تضعیف معیارے درست داشتہ باشند"۔

"حق تعالیٰ شانہ و عز برہانہ کی بارگاہ سے امید ہے کہ اگر کوئی شخص اس رسالہ کے مضامین کو اپنا نصب العین بنائے اور فنون حدیث میں غور کرے تو غلطی اور خطاسے پاک اور تصحیف و تحریف سے محفوظ رہے نیز تصحیح و تضعیف میں ایک صحیح معیار کا حامل ہو"۔

یہ رسالہ دو فصل اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

فصل اول میں علم حدیث کے فوائد و غایات اور ان شرائط کا بیان ہے جو مطالعہ فن کے لئے درکار ہیں۔ یہی فصل اول در حقیقت اس رسالہ کی جان ہے اور اس میں ایسی کام کی باتیں درج ہیں کہ اصول حدیث کی بڑی بڑی کتابیں ان کے ذکر سے خالی ہیں۔

علم حدیث کی اہمیت:

اس فصل میں شاہ صاحب نے سب سے پہلے علم حدیث کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حسب ذیل امور پر روشنی ڈالی ہے:

۱۔ اس علم کا فیصلہ تمام علوم دینیہ پر نافذ ہے کیونکہ قرآن کا علم ہو یا عقائد اسلام کا شریعت کے احکام ہوں یا طریقت کے اصول سب کا ثبوت آنحضرت ﷺ کے بیان پر موقوف ہے اور کشفیات ہوں یا عقلیات جب تک ان کو اس ترازو میں تول کر اور اس کسوٹی پر رکھ کر نہ دیکھا جائے قابل اعتبار نہیں۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کی اتباع اسی علم سے وابستہ ہے۔

۳۔ اس علم میں انہماک انسان میں صحابیت کی شان پیدا کرتا ہے یعنی جس طرح صحابہ آنحضرت ﷺ کے احوال کا ذاتی مشاہدہ کرتے تھے یہ شخص اپنے تصور و خیال میں ان کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے اس کے بعد امام باقر محمد بن علی بن حسین کا یہ مشہور مقولہ نقل کیا ہے کہ:

"من فقه الرجل بصيرته بالحديث أو فطنته للحديث"(۳۰۵)

۳۰۵۔ امام باقر کے اس بیان کی روشنی میں اس واقعہ کو پڑھئے جو حافظ ابن عبد البر نے اپنی مشہور کتاب الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء (ص: ۱۲۴ طبع مصر ۱۳۵۰ھ) میں بسند متصل نقل کیا ہے کہ ایک بار امام ابو حنیفہ نے امام باقر کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ مسائل کے بارے میں سوالات کئے، امام باقر نے اس موقع پر امام ابو حنیفہ کے بارے میں فرمایا: "ما أحسن هديه وسمته وما أكثر فقهه"
"ان کا کردار و طرز و طریق کتنا عمدہ اور ان کی فقاہت کتنی زیادہ ہے"۔

"حدیث میں بصیرت انسان کی فقاہت کی دلیل ہے"

اس کے بعد فرماتے ہیں: مطالعہ حدیث کے لئے دو باتیں ضروری ہیں۔

"چونکہ حدیث ایک قسم کی خبر ہے اور خبر میں صدق وکذب دونوں کا احتمال ہے، لہٰذا اس علم کی تحصیل میں دو چیزیں ضروری ہیں، ایک راویوں کے حالات پر نظر رکھنا اور دوسرے حدیث کے معانی کو سمجھنے میں بڑی احتیاط کرنا۔ کیونکہ اگر پہلے امر میں تساہل ہوا تو جھوٹا سچے کے ساتھ رل مل جائے گا۔ اور اگر دوسرے امر میں احتیاط نہ کی تو مراد غیر مراد کے ساتھ مشتبہ ہو جائے گی۔ اور دونوں صورتوں میں اس علم سے جس فائدہ کی توقع ہے وہ حاصل نہیں ہوگا بلکہ اس کے خلاف نتیجہ برآمد ہو کر خود بھی گمراہ ہونے اور دوسروں کو گمراہ کرنے کا سبب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پناہ میں رکھے"۔ آمین

پھر ان دونوں امور پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"امر اول یعنی خبر دینے والے راویوں کے حال پر نظر ڈالنا اس کا صدر اول میں (یعنی تابعین وتبع تابعین کے عہد سے لے کر بخاری ومسلم کے زمانہ تک) رنگ اور تھا کہ ہر شہر اور ہر عہد کے رجال کے متعلق ان کے حالات سے بحث وتفتیش کرتے تھے اور جس شخص میں ذرا بھی بے دیانتی، دروغ بیانی اور خرابی حافظہ کی بو سونگھتے اس کو قبول نہیں کرتے تھے چنانچہ اسی غرض سے انہوں نے رجال کے حالات میں لمبے چوڑے دفتر اور تفصیلی کتابیں لکھی ہیں اور اس زمانہ میں اس کا رنگ اور ہے اب تو چاہیے کہ جو کتابیں صرف صحیح روایات کی حامل ہیں اور ان کے بعد وہ کتابیں کہ جو قابل اعتبار ہیں ان کو علیحدہ معلوم کرلیا جائے اور بعد ازاں جن کتابوں کا رد کرنا اور چھوڑنا ضروری ہے ان کو علیحدہ معلوم کرلیا جائے تاکہ یہ کتابیں خلط ملط نہ ہونے پائیں۔ اور متاخرین محدثین میں سے اکثر

اس سے اندازہ لگایئے کہ امام ممدوح کے نزدیک امام ابو حنیفہ کا کیا مقام ہے۔

لوگوں کے ہاتھ سے یہ تمیز ترتیب جاتی رہی۔ ناچار بعض مسائل میں جمہور سلف سے اختلاف کر گئے اور ان حدیثوں سے جو غیر معتبر کتابوں میں ان کو ملیں استدلال کرنے لگے"۔

شاہ عبدالعزیز نے ان متاخرین محدثین کی نشاندہی نہیں کی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ وہ کون لوگ ہیں جنہیں محدث ہو کر اتنا بھی پتہ نہ چلا کہ حدیث کی معتبر اور غیر معتبر کتابیں کون سی ہیں اور پھر بایں کہ قلت بضاعت جمہور سلف کے خلاف بھی مسائل میں اپنی رائے الگ قائم کر لی۔

ہمارے خیال میں متاخرین میں جن لوگوں نے جمہور سلف سے کسی مسئلہ میں اختلاف کیا ہے اور غیر معتبر کتابوں کی حدیثوں کو استدلال میں پیش کیا ہے وہ یا تو علم حدیث سے بالکل بیگانہ تھے یا اگر متون پر ان کی نظر تھی تو تلقی سلف تنقید رجال اور طرق واسانید پر نہ تھی۔

باقی رہا تحقیق رجال کا مسئلہ تو اس بارے میں شاہ عبدالعزیز نے جو رائے ظاہر کی ہے وہی رائے ان کے والد ماجد شاہ ولی اللہ کی ہے چنانچہ **انسان العین فی مشائخ الحرمین**۔ (۳۰۶) میں فرماتے ہیں۔

باید دانست کہ اشتغال محدث باحوال رجال سند بعد تصحیح اسماء آنہا و معرفت وثوق شان خصوصًا در صحیحین و مثل آن..... از امعان و تعمق است۔

جاننا چاہیے کہ رجال سند کے اسماء کی تصحیح اور ان کے وثوق کی معرفت کے بعد محدث کا رجال سند کے احوال معلوم کرنے میں مشغول ہونا خصوصًا صحیحین اور اسی طرح کی اور کتابوں کے رجال کے متعلق یہ خواہ مخواہ کی کھوج کرید ہے۔

اور اسی لئے شاہ عبدالعزیز نے اس فصل میں مؤطا اور صحیحین کے جن رواۃ کے ناموں میں اشتباہ ہو سکتا تھا ان کو ضبط کر دیا ہے۔ بہر حال اتنی بات ظاہر ہے کہ ان

۳۰۶۔ ص: ۱۰، طبع احمدی

دونوں بزرگوں کی رائے میں اس زمانہ میں احوال رجال سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں صرف اسماء سند کی تصحیح کافی ہے۔

لیکن اس اصول کو اگر تسلیم کرلیا جائے تو اسماء الرجال کا عظیم الشان فن جو مسلمانوں کا سرمایۂ نازش اور کارنامہ فخر خیال کیا جاتا ہے محض بیکار ہو کر رہ جائے گا۔ علاوہ ازیں جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تصریح کی ہے۔

الاكتفاء بالنظر في السند طريقة معروفة لكثير من المحدثين وعليها يحمل ما صدر عن كثير منهم من إيراد الأحاديث الساقطة معرضين عن بيانها صريحا وقد وقع هذا لجماعة من كبار الأئمة، وكان ذكر الإسناد عندهم من جملة البيان۔[۳۰۷]

سند کے دیکھنے ہی پر اکتفاء کرنا یہ بہت سے محدثین کا مشہور طریقہ ہے اور ان میں سے جو بہت سے حضرات سے ایسا ہوا ہے کہ وہ گری پڑی روایات کو لاکر صراحت کے ساتھ ان کا احوال بتانے پر توجہ نہیں دیتے وہ بھی اسی طریقہ پر محمول ہے۔ یہ طریقہ کبار ائمہ کی ایک جماعت کا رہا ہے اور ان حضرات کے نزدیک اسناد حدیث کا ذکر کردینا اس کا حال بیان کرنے ہی میں داخل ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عہد خیر القرون میں جب کسی امام تابعی یا تبع تابعی کی زبان سے قال رسول اللہ ﷺ نکلتا تھا تو بالعموم اس کی صحت کا وہ خود ذمہ دار ہوتا تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں مرسل اور مسند دونوں روایتیں یکساں قابل اعتناء سمجھی جاتی تھیں لیکن ہجرت سے دو سو[۳۰۸] برس گزر جانے کے بعد جب انکار مرسل کا

---

[۳۰۷]۔ توضیح الأفکار لمعانی تنقیح الأنظار از محمد امیر یمانی، ج: ۲، ص: ۸۳، طبع مصر ۱۳۶۶ھ

[۳۰۸]۔ امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں: إن التابعين أجمعوا بأسرهم على قبول المرسل، ولم يأت عنهم إنكاره ولا عن أحد من الأئمة بعدهم إلى رأس المائتين۔ (منیة الألمعي فيما فات من الزيلعي، از حافظ قاسم بن قطلوبغا، ص: ۲۷، طبع مصر ۱۳۶۹ھ)

شاخسانہ کھڑا ہوا۔ اور بعض اسناد پرستوں نے ان ائمہ تابعین کی مراسیل تک کو رد کر دیا کہ جن پر اپنے عہد میں روایت و فتویٰ کا دارومدار تھا۔ تو بہت سے محدثین نے یہی مناسب خیال کیا کہ روایت کی اسناد بیان کر کے اپنے آپ کو اس کی ذمہ داری سے سبکدوش کر لیا جائے تاکہ اسناد کا مطالبہ کرنے والے رجال سند کو دیکھ کر خود اپنی ذمہ داری پر اس کی صحت و سقم کا فیصلہ کریں۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

أكثر المحدثين من سنة مائتين إلى الآن إذا ساقوا الحديث بإسناده اعتقدوا أن هم برؤا من عهده۔ (۳۰۹)

"اکثر محدثین ۲۰۰ھ سے لے کر اب تک یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جب انہوں نے کسی حدیث کو مع سند کے بیان کر دیا تو وہ اس کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے"۔

اور اسی لئے اصول حدیث کی کتابوں میں حدیث کے طالب علم کو جو ہدایات دی گئی ہیں ان میں کتب رجال اور تواریخ محدثین کے مطالعہ پر خصوصی توجہ دلائی گئی ہے۔

چنانچہ محدث خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ الجامع فی آداب الشیخ و السامع میں رقمطراز ہیں۔

ومن جملة ما يهتم به الطالب سماع تواريخ المحدثين وكلامهم في أحوال الرواة۔ (۳۱۰)

اور من جملہ ان امور کے جن کا طالب فن کو اہتمام کرنا چاہئے ایک یہ بھی ہے کہ وہ محدثین نے جو تاریخیں لکھی ہیں اور راویوں کے حالات پر جو انہوں نے کلام کیا ہے ان

تمام تابعین کا مرسل کے قبول کرنے پر اجماع ہے، نہ ان سے مرسل کا انکار مروی ہے اور نہ ان کے بعد دو سو برس تک کسی اور امام سے۔

۳۰۹۔ تذکرۃ الموضوعات از شیخ محمد طاہر پٹنی، ص: ۷، طبع منیریہ، مصر ۱۳۴۳ھ

۳۱۰۔ الاعلان بالتوبیخ، ص: ۱۱۸

کا سماع کرے۔ اور شیخ ابن صلاح المتوفی ۶۴۳ھ اپنی مشہور کتاب مقدمۃ علوم الحدیث میں معرفۃ آداب طالب الحدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

ومن كتب معرفة الرجال و تواريخ المحدثين ومن أفضلها تاريخ البخاري الكبير وكتاب الجرح والتعديل لابن أبي حاتم.

کتب علم رجال اور تواریخ محدثین سے اعتناء کرنا چاہیے اور اس فن کی بہترین کتابوں میں بخاری کی تاریخ کبیر اور ابن ابی حاتم کی کتاب الجرح والتعدیل ہیں۔

بلاشبہ امام بخاری، امام مسلم اور دیگر ارباب صحاح نے حتی الوسع یہ کوشش کی ہے کہ اپنی کتابوں میں وہی حدیثیں لائیں جو ان کے نزدیک صحیح ہوں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کتابوں کے رجال کے حالات کا تفصیلی جائزہ نہ لیا جائے بلکہ خود ان بزرگوں کی قدر وقیمت کا حقیقی اندازہ لگانے کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو کہ ان کی روایت کردہ حدیثیں صحت کے کس معیار پر ہیں اور انتخاب رواۃ کے بارے میں ان حضرات کا کیا کارنامہ ہے اور انہوں نے اس سلسلہ میں کیا کیا محنتیں اور کیسی کیسی جانفشانیاں کی ہیں۔

خصوصًا جب ان کتابوں کی مرویات میں باہم تعارض واقع ہو تو ایسی صورت میں ترجیح کے لئے رجال سند کے حالات کا تفصیلی علم اولین شرط ہے اسی لئے محدثین نے ان کی تمام کتابوں کے رجال کے حالات میں خاص طور پر مستقل تصانیف نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ مدون کی ہیں تاکہ ان کے راویوں کی تنقید آسانی سے کرلی جائے۔

شاہ ولی اللہ کے گوناگون علوم میں ایک محدث کو جس چیز کی کمی نظر آتی ہے وہ یہی علم اسماء الرجال سے ان کی بے اعتنائی ہے اور سچ یہ ہے کہ اس نہایت ضروری فن سے عدم اعتناء کے باعث ان کے قلم سے جابجا ایسی سخت فروگذاشتیں ہوگئی ہیں کہ جنہیں دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی ہے۔

چنانچہ حجۃ اللہ البالغۃ، الانصاف فی سبب بیان الاختلاف، عقد الجید فی مسائل الاجتہاد والتقلید اور مصفی شرح مؤطا کے مقدمے میں جو تاریخ فقہ وحدیث سے متعلق بعض

محض بے اصل باتیں ان کے قلم سے نکل گئی ہیں اور مصفی وغیرہ میں جو انھوں نے جمہور فقہاء کے خلاف بہت سے مرجوح مسائل کو ترجیح دی ہے وہ اسی کا نتیجہ ہے۔

چنانچہ محدث کوثری حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی کے خاتمہ میں شاہ ولی اللہ کی تحقیقات کے متعلق بعض اصولی خامیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

وكان الجد جيد الاهتمام بمتون أحاديث الأصول الستة. لكنه كان يكتفي بها من غير نظر في أسانيدها والواقع أن الاكتفاء بمتونها يقصر المسافة إلى حد الاقتصاد على مجلد واحد في الحديث، لكن أهل العلم في حاجة ماسة إلى النظر في الأسانيد حتى في الصحيحين فضلا عن السنن في باب الاحتجاج بها على الفروع كما هو طريقة أهل العلم فكيف يستباح ترك النظر في الأسانيد في باب الاعتقاد؟ واكتفاؤه بمتون الستة من غير نظر إلى الأسانيد جرأه على التحكم في مذاهب الفقهاء ومسانيد الأئمة بما هو خيال بحت يذوب أمام التاريخ وتحقيق أهل الشان.

شاہ اسمٰعیل کے جدامجد (یعنی شاہ ولی اللہ) کو صحاح ستہ کی احادیث کے متون کے ساتھ بڑا اعتناء تھا۔ لیکن وہ ان کی اسانید کو دیکھے بغیر ان کے متون پر اکتفا کرتے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ ان چھ کتابوں کے متون پر اکتفا کر لینے سے تحقیق کی مسافت گھٹ کر اس حد تک رہ جاتی ہے کہ علم حدیث میں بس ایک جلد پر قناعت کر لی جائے۔ لیکن علماء کو ضرورت پڑتی ہے کہ فروعی مسائل میں ان ہی حدیثوں سے استدلال کے سلسلہ میں نہ صرف سنن بلکہ صحیحین تک کی اسانید پر نظر ڈالی جائے جیساکہ اہل علم کا طریقہ ہے پھر ایسی صورت میں بھلا عقائد کے باب میں ان کی اسانید سے صرف نظر کیوں کر روا رکھا جاسکتا ہے۔ اور ان چھ کتابوں کے متون پر بلا ان کی اسانید پر نظر ڈالے اکتفاء کر لینے ہی سے شاہ صاحب کو یہ جرات ہوئی کہ انہوں نے مذاہب فقہاء اور مسانید ائمہ کے بارے

میں بلاوجہ ایسا فیصلہ صادر کر ڈالا کہ جو نرا خیال ہی خیال ہے اور تاریخ اور اہل فن کی تحقیق کے سامنے بے حقیقت بن کر رہ جاتا ہے۔

بہر حال احادیث کے استناد اور روایات کی ترجیح میں شاہ ولی اللہ کی تحقیقات علم اسماء الرجال پر مبنی نہیں بلکہ کتابوں کی ترتیب پر ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں کتب حدیث کو چار طبقات میں تقسیم کر دیا ہے اور شاہ عبدالعزیز نے عجالہ نافعہ میں اس تقسیم کو بعینہٖ قائم رکھا ہے البتہ اس بحث میں ان کے والد ماجد کے قلم سے جو بعض خلاف تحقیق باتیں نکل گئی ہیں، عجالہ نافعہ میں ان کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

طبقات کتب حدیث:

طبقات کتب حدیث کی بحث چونکہ نہایت اہم بحث ہے اس لئے ہم اس پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں۔

درین حال نقل عبارت حضرت والد ماجد قدس سرہ نمایم تا مراتب کتب حدیث بہ ترتیب واضح گردد۔

اس صورت میں حضرت والد ماجد قدس سرہ کی عبارت نقل کرتا ہوں تاکہ کتب حدیث کے درجات ترتیب وار واضح ہو جائیں۔

اس کے بعد شاہ عبدالعزیز نے حجۃ اللہ البالغۃ میں باب طبقات کتب الحدیث کے تحت ان کے والد ماجد نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ اپنے لفظوں میں کر دیا ہے۔ چنانچہ رقمطراز ہیں:

"ایشان می فرمایند باید دانست کہ کتب احادیث باعتبار صحت و شہرت و قبول بر چند طبقہ می شوند، و مراد ما از صحت آنست کہ مصنف التزام کند ایراد احادیث صحیحہ یا حسنہ را، و غیر آن در آنجا وارد نکند مگر مقرون بہ بیان حال آن از ضعف و غرابت و علت و شذوذ زیرا کہ ایراد ضعیف و غریب و معلول با بیان

حال آن قدح نمی کند، و مراد ما از شہرت آنست کہ اہل حدیث طبقۃ بعد طبقۃ بآن کتاب مشغول شوند بہ طریق روایت و ضبط مشکل و تخریج احادیث آن تا ہیچ چیز ازان غیر مبین نماند، و مراد ما از قبول آنست کہ نقاد حدیث آن کتاب را اثبات کنند و بر آن اعتراض نہ کنند و حکم صاحب کتاب را در بیان حال احادیث آن کتاب تصویب و تقریر نمایند و فقہاء بآن احادیث تمسک نمایند بے اختلاف و بے انکار۔"

وہ فرماتے ہیں جاننا چاہئے کہ صحت و شہرت اور قبولیت کے لحاظ سے حدیث کی کتابیں چند طبقوں میں آتی ہیں اور صحت سے ہماری مراد یہ ہے کہ مصنف صحیح اور حسن احادیث کے لانے کا التزام کرے اور ان کے علاوہ دوسری روایات کو وہاں نہ لائے الا یہ کہ ضعف و غرابت اور شذوذ میں اس روایت کا جو حال ہے اسے بیان کرتا جائے کیونکہ ضعیف اور غریب اور معلول روایت کے درج کرنے میں جبکہ اس کا حال بیان کر دیا جائے عیب نہیں ہے۔ اور شہرت سے ہماری مراد یہ ہے کہ محدثین طبقہ بہ طبقہ اس کی روایت کو جاری رکھیں اس کے مشکل الفاظ کو ضبط کرتے جائیں اور اس کی احادیث کی تخریج میں مشغول رہیں تاکہ اس کتاب کی کوئی چیز بغیر بیان کئے ہوئے نہ رہ جائے۔ اور قبول سے ہماری مراد یہ ہے کہ ناقدان حدیث اس کتاب کو برقرار رکھیں اور اس پر اعتراض نہ کریں اور صاحب کتاب نے اس کتاب کی احادیث کے متعلق جو حکم لگایا ہے اسے صحیح و برقرار رکھیں اور فقہاء بغیر کسی اختلاف و انکار کے ان حدیثوں سے استدلال کریں۔

اس کے بعد شاہ صاحب منہیہ میں فرماتے ہیں کہ:

پس صحیح ابن حبان مثلاً التزام صحت دارد لیکن شہرت ندارد و مستدرک حاکم مثلا التزام صحت بزعم خود دارد و شہرت ہم دارد و لکن قبول نہ دارد کہ ذہبی و دیگر نقاد حکم او را بصحت مسلم نداشتہ اند۔

پس صحیح ابن حبان مثلاً صحت کا التزام تو رکھتی ہے لیکن شہرت نہیں رکھتی اور مستدرک حاکم مثلاً بزعم خود صحت کا التزام بھی رکھتی ہے اور شہرت بھی رکھتی ہے لیکن قبولیت نہیں رکھتی کیونکہ ذہبی اور دیگر ناقدین نے صحت کے بارے میں اس کے فیصلہ کو مسلم نہیں رکھا ہے۔

واضح رہے کہ صحت کے بارے میں شاہ صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے۔ وہ مصنفین ابواب کے پیش نظر ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی، تعجيل المنفعة بزوائد رجال الأئمة الأربعة میں لکھتے ہیں کہ:

أصل وضع التصنيف على الأبواب أن يقتصر فيه على ما يصلح للاحتجاج أو الاستشهاد بخلاف من رتب على المسانيد فإن أصل وضعه مطلق الجمع.[۳۱۱]

ابواب پر حدیث کی تصنیف کا اصول یہ ہے کہ اس کو صرف ان روایات تک محدود رکھا جائے کہ جن میں استدلال یا استشهاد کی صلاحیت ہو. برخلاف ان لوگوں کے کہ جنہوں نے مسانید پر ترتیب کی ہے۔ کیونکہ مسند کی تدوین کا اصول محض جمع روایات ہے۔

اور علامہ محمد امیر یمانی، توضیح الافکار میں رقمطراز ہیں۔

إن من شأن المسند أن يذكر فيه ما ورد عن ذلك والصحابي جميعه فيجمع الضعيف وغيره، بخلاف المرتب على الأبواب فإن مؤلفه لا يورد لإثبات دعواه في الترجمة إلا الحديث المقبول.[۳۱۲]

مسند کا طریقہ یہ ہے کہ اس صحابی سے جتنی روایتیں آئی ہیں سب اس میں ذکر کر دیں جائیں لہٰذا وہ ضعیف اور غیر ضعیف دونوں کی جامع ہوتی ہے. برخلاف اس

---

۳۱۱ ص: ۳، طبع دائرۃ المعارف، ۱۳۲۴ھ

۳۱۲۔ توضیح الافکار شرح تنقیح الانظار، ج: ۱، ص: ۲۲۶، طبع مصر ۱۳۶۶ھ

کتاب کے کہ جو ابواب پر مرتب ہو کیونکہ اس کا موکف اپنے دعوے کی ثبوت میں باب کے تحت صرف وہی حدیث لاتا ہے جو مقبول ہو۔

اس اعتبار سے حدیث کی جو کتابیں مضامین یعنی ابواب پر مرتب ہوئی ہیں ان سب میں صحت کا التزام رکھا گیا ہے لیکن یہ بات کہ مصنف کو اس مقصد میں کہاں تک کامیابی ہوئی ہے اور اس نے اپنی کتاب میں صحت کا کہاں تک اہتمام رکھا ہے اس کا فیصلہ رجال سند کے حالات کا تفصیلی علم حاصل کئے بغیر ممکن نہیں۔

رہی شہرت سو اس بارے میں کتابوں کی شہرت کے بجائے خود حدیثوں کی شہرت پیش نظر رہنی چاہئے۔ یعنی حدیثیں ایسی ہوں کہ جن پر ائمہ اسلام نے اپنے مسائل کی بناء رکھی ہو اور اصول و فروع میں ان کو احتجاج یا استشہاد کے طور پر پیش کیا ہو کیونکہ ایسی حدیثوں کے تمام معانی و مطالب ضبط الفاظ کیساتھ ساتھ خود بخود نکھر کر سامنے آجاتے ہیں اور فقہاء و محدثین ہر دور میں ان روایات سے بحث کرتے چلے آتے ہیں۔ چنانچہ امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اور امام ابو داؤد سجستانی نے کتاب السنن میں اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں احادیث کی ترتیب و تدوین کے سلسلہ میں اسی شہرت کو پیش نظر رکھا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ کتابوں کی شہرت ہر طبقہ میں یکساں قائم نہیں رہتی بلکہ اس میں مختلف اسباب کی بناء پر مختلف ادوار اور مختلف مقامات کے لحاظ سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اسی لئے آپ کو تاریخ و طبقات کی کتابوں میں متعدد ائمہ حدیث کے متعلق یہ تصریح ملیگی کہ صحاح ستہ کی بعض مشہور ترین کتابیں ان کی نظر سے نہیں گزری تھیں۔

چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں امام مسلم بن الحجاج کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ:

لعل أبا علي ما وصل إليه صحيح البخاري

غالباً ابو علی نیشاپوری تک صحیح بخاری نہیں پہنچ سکی تھی۔

حالانکہ ابو علی نیشاپوری وہ شخص ہیں کہ جن کے متعلق خود حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں تصریح کی ہے کہ:

سمع بخراسان والحجاز والشام والعراق ومصر والجزيره والجبال.

انہوں نے خراسان، حجاز، شام، عراق، مصر، جزیرہ اور کوہستان میں حدیث کی سماعت کی تھی۔

ابو علی نیشاپوری کی وفات ۳۴۹ھ میں ہوئی ہے یہ اپنے عہد کے مشہور ائمہ حدیث میں سے تھے حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا مفصل تذکرہ لکھا ہے جو ان لفظوں میں شروع ہوتا ہے۔

أبو علي الحافظ الإمام محدث الإسلام الحسين بن علي بن يزيد بن داؤد النيسابوري أحد جهابذة الحديث.

اور امام خطابی اپنی مشہور کتاب معالم السنن شرح سنن ابی داؤد کے مقدمہ میں شہرت وقبولیت کے اعتبار سے صحیحین اور سنن ابو داؤد کا باہم موازنہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

واعلموا رحمكم الله أن كتاب السنن لأبي داؤد كتاب شريف لم يصنف في علم الدين كتاب مثله وقد رزق القبول من الناس كافة فصار حكما بين فرق العلماء وطبقات الفقهاء على اختلاف مذاهبهم فلكل فيه ورد ومنه شرب وعليه معول أهل العراق ومصر وبلاد المغرب وكثير من مدن أقطار الأرض فأما أهل خراسان فقد أولع أكثرهم بكتاب محمد بن إسماعيل ومسلم بن الحجاج ومن نحا نحوهما في جمع الصحيح على شرطهما في السبك والانتقاد.[۳۱۳]

---

[۳۱۳] ج: ۱، ص: ۶، طبع حلب

اللہ آپ لوگوں پر رحم کرے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ابو داؤد کی کتاب السنن وہ کتاب شریف ہے کہ علم دین میں کوئی کتاب اس کی مثل تصنیف نہیں ہوئی اور اسے تمام لوگوں میں قبول عام نصیب ہوا چنانچہ علماء کی جماعتوں اور فقہاء کے طبقوں میں باوجود اختلاف مذاہب کے یہ کتاب حکم بن گئی ہے اور ہر ایک اس کے گھاٹ پر آتا اور اس سے پیتا ہے اور اسی پر اہل عراق اہل مصر اہل مغرب اور روئے زمین کے بہت سے اہل ممالک کا اعتماد ہے۔ البتہ اہل خراسان کی اکثریت محمد بن اسمٰعیل (بخاری) اور مسلم بن حجاج اور ان لوگوں کی کتاب کی گرویدہ ہے کہ جنہوں نے ان کے موافق جمع صحیح میں ان ہی دونوں کی روش اختیار کی ہے اور جانچ پڑتال میں انہی کی شرط کو ملحوظ رکھا ہے۔

امام خطابی کی وفات ۳۸۸ھ میں ہوئی ہے اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ چوتھی صدی کے اخیر تک صحیحین کو وہ قبول عام حاصل نہ تھا کہ جو سنن ابی داؤد کو تھا۔

اور محدث حاکم نیشاپوری صاحب المستدرك علي صحيحين المتوفى ۴۰۵ھ، نے اپنی کتاب معرفة علوم الحديث میں سنن نسائی کے متعلق تصریح کی ہے کہ:

وليس هذ الكتب بمسموع عندنا.

یہ کتاب ہمارے پاس سماع وروایت کے ساتھ نہیں ہے۔

اور حافظ ذہبی تذكرة الحفاظ میں امام بیہقی کے ترجمہ میں رقمطراز ہیں کہ:

لم يكن عندهم سنن النسائي ولا جامع الترمذي ولا سنن ابن ماجة.

ان کے پاس نہ سنن نسائی تھی نہ جامع ترمذی اور نہ سنن ابن ماجہ۔

یہی حافظ ذہبی سير أعلام النبلاء میں حافظ ابن حزم ظاہری کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ:

ما ذكر سنن ابن ماجة ولا جامع الترمذي فإنه ما رآهما ولا دخلا الأندلس إلا بعد موته.

ابن حزم نے نہ سنن ابن ماجہ کا ذکر کیا ہے اور نہ جامع ترمذی کا کیونکہ یہ دونوں کتابیں ان کی نظر سے نہیں گذری تھیں بلکہ یہ دونوں کتابیں اندلس میں بھی ان کے مرنے کے بعد ہی آئی ہیں۔

نہ صرف یہ کہ جامع ترمذی امام ابن حزم کی نظر سے نہیں گذری تھی بلکہ وہ امام ترمذی سے اس درجہ نابلد تھے کہ اپنی مشہور کتاب الإیصال میں ان کو مجہول تک لکھ گئے ہیں۔ امام بیہقی اور امام ابن حزم ظاہری دونوں کا سن ولادت ایک ہے یعنی ۳۸۴ھ اور وفات میں ایک سال یا دوسال کا فاصلہ ہے۔ امام بیہقی نے ۴۵۸ھ میں قضا کی ہے اور امام ابن حزم نے ان سے ایک سال یا دوسال بیشتر ۴۵۷ھ، یا ۴۵۶ھ میں۔ ابن حزم نے تو بے شک اندلس سے باہر قدم نہیں نکالا لیکن امام بیہقی نے خراسان بغداد اور کوفہ کے مشہور شیوخ حدیث سے اس علم کی تحصیل کی تھی اور طلب حدیث میں حجاز عراق اور کوہستان کو پے سپر کیا تھا۔ حافظ ذہبی کے الفاظ ہیں:

ارتحل إلى العراق والجبال والحجاز.

اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پانچویں صدی کے وسط تک ان تینوں کتابوں کی شہرت اتنی نہ تھی جتنی کہ زمانہ مابعد میں ہوئی۔ غرض اگر کتابوں کی شہرت پر دارومدار رکھا جائے گا تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ شہرت وتداول کے ساتھ ساتھ کتاب کا اعتبار واستناد کم وبیش ہوتا رہے گا اور ایک دور میں جو کتاب کثرت تداول کے سبب طبقہ اولی میں شمار ہوگی دوسرے دور میں یہی کتاب متداول نہ ہونے کے سبب دوسرے یا تیسرے طبقہ میں آجائے گی۔ جیساکہ ابھی شاہ عبدالعزیز کی تصریح صحیح ابن حبان اور صحیح حاکم کے بارے میں آپ کی نظر سے گذری کہ یہ شہرت و قبول کی حامل نہیں اور اسی لئے شاہ صاحب نے عجالہ نافعہ میں ان دونوں کتابوں کو تیسرے طبقہ میں رکھا ہے حالانکہ صحیح ابن حبان کے بارے میں خود ان کو اعتراف ہے کہ اس میں صحت کا التزام ہے لیکن اس اعتراف کے باوجود وہ اس کو طبقہ ثانیہ میں بھی رکھنے کے لئے تیار نہیں جبکہ مسند احمد کو باوجود اس تصریح کے کہ در مسند

احمد احادیث ضعاف بسیار اند۔ امام احمد کی مسند میں ضعیف حدیثیں بہت ہیں۔ وہ طبقہ ثانیہ میں شمار کرتے ہیں۔

اور سنن ابن ماجہ کے متعلق یوں اظہار رائے فرماتے ہیں کہ:

ہمچنیں سنن ابن ماجہ رانیز درین طبقہ میتوان شمرد۔ اسی طرح سنن ابن ماجہ کو بھی اسی طبقہ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

ہر چند بعضے احادیث آن در غایت ضعف اند۔ اگرچہ اس کی بعض حدیثیں نہایت ضعیف ہیں۔

حالانکہ اصول حدیث کی تمام اہم کتابوں میں صحیح حدیثوں کو معلوم کرنے کے لئے صحیحین کے علاوہ جن کتابوں کی نشاندہی کی گئی ہے ان میں ان دونوں کتابوں کا نام خاص طور پر بصراحت موجود ہے۔[۳۱۴]

اور ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ مانے لیتے ہیں کہ صحیح ابن حبان شہرت کی حامل نہیں رہی لیکن سوال یہ ہے کہ جس دور میں یہ کتاب مشہور و متداول تھی اور حفاظ حدیث اپنی تصانیف میں اس کی حدیثیں نقل کر رہے تھے اس دور کی اگر کسی مشہور کتاب میں مثلاً حافظ جمال الدین زیلعی کی نصب الرایہ یا حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری میں اس کے حوالہ سے کوئی حدیث مل جاتی ہے تو پھر آخر کون سی وجہ ہے کہ اس حدیث کو طبقہ اولے یا طبقہ ثانیہ کی روایات کے برابر قرار نہ دیا جائے۔ اسی طرح مستدرك حاکم کی شہرت جب شاہ صاحب کو تسلیم ہے۔ تو پھر اس کتاب کی جن حدیثوں کو خود حافظ ذہبی نے صحیح تسلیم کیا ہے آخر وہ صحت میں کیوں ان دونوں طبقوں کے برابر نہیں رہیں؟ اور جب آپ کی تنقید سے قبولیت میں فرق آگیا تو ان کی تصحیح سے کیوں حسن قبول حاصل نہیں ہوا؟

---

[۳۱۴] ملاحظہ ہو مقدمہ ابن صلاح، اختصار علوم الحدیث از ابن کثیر، شرح الفیہ از عراقی، تدریب الراوی از سیوطی، فتح المغیث از سخاوی، توضیح الافکار از امیر یمانی وغیرہ۔

پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ جو کتاب مشہور ہو اس کی حدیثیں بھی مشہور ہی ہوں بلکہ بہت سی مشہور کتابوں میں بعض غیر متداول اور غیر مشہور روایتیں موجود ہیں اور بہت سی مشہور اور متداول حدیثیں درج نہیں چنانچہ خود صحیحین کے متعلق علامہ ابن الاثیر جزری نے جامع الأصول میں تصریح کی ہے کہ:

رب أحاديث مشهورة في أيدي الناس متداولة بين الأئمة لم يخرج منها في الصحيح شيئ ورب أحاديث خرجت في الصحيح وهي غير مشهورة ولا متداولة بين الأئمة۔[۲۱۵]

بہت سی وہ حدیثیں کہ جو لوگوں میں مشہور اور ائمہ میں متداول رہی ہیں صحیحین میں ان میں سے کچھ بھی مروی نہیں اور بہت سی وہ حدیثیں کہ جو صحیحین میں مروی ہیں غیر مشہور ہیں اور ائمہ میں متداول نہیں رہی ہیں۔

ہاں یہ واضح رہے کہ محققین کے نزدیک شہرت وقبول کے بارے میں صحیح طریق عمل یہ ہے کہ ہر تلقی سلف کو مدار علیہ ٹھہرایا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ قرون مشهود لها بالخير میں یعنی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں اس کتاب کی روایت کردہ حدیثوں کی شہرت وقبولیت کا کیا حال تھا۔

چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

بعض محققین ذکر کردہ اند کہ حکم بتواتر وشہرت ووحدت حدیث معتبر در صدر اول است، والا بسا احادیثے کہ در آن وقت از احاد بودہ وبعد ازان بوجود کثرت طرق برواج این علم وکثرت طالبان وجامعان کہ بعد ازان پیدا شدہ بمرتبہ شہرت رسیدہ باشد۔[۲۱۶]

---

[۲۱۵] ج: ۱، ص: ۱۰۳، طبع مطبعة السنة المحمدیہ، ۱۳۶۸ھ

[۲۱۶] شرح سفر السعادت، ص: ۲۴، نول کشور لکھنو

بعض محققین نے بیان کیا ہے کہ حدیث کے متواتر، مشہور اور احاد ہونے کے بارے میں صدر اول کا فیصلہ معتبر ہے ورنہ بہت سی وہ حدیثیں کہ جو اس زمانہ میں احاد تھیں بعد کو ان کے بہت سے طریقوں کے وجود میں آجانے کے باعث کہ جو زمانہ مابعد میں اس علم کے رواج پا جانے اور طالبین اور مؤلفین کی کثرت کی بدولت پیدا ہو گئے شہرت کے مرتبہ پر پہنچ جاتی ہیں۔

اس بناء پر اگر حدیثوں کی شہرت کے بجائے کتابوں کی شہرت کو مدار علیہ ٹھیرایا جائے گا تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ متداول کتابوں کی غیر مشہور اور ضعیف حدیثوں کو غیر متداول کتابوں کی مشہور اور صحیح حدیثوں پر ترجیح دینی ہو گی۔ اور اس طرز عمل میں جو خرابی ہے ظاہر ہے۔

اسی طرح محدثین کی قبولیت کے سلسلہ میں یہ تفصیل ضروری ہے کہ اگر کسی ایسی کتاب کی کچھ حدیثوں پر ناقدین فن کو کلام ہو کہ جس میں صحت کا التزام مصنف کے پیش نظر ہے تو اس کتاب کی صرف وہی حدیثیں حسن قبول سے مستثنیٰ سمجھی جائیں گی۔ جن کی بابت ائمہ فن نے کلام کیا ہے۔ یہ نہیں کہ ساری کتاب غیر مقبول قرار دے دی جائے جیسا کہ شاہ صاحب نے مستدرک حاکم کو قبولیت سے خارج کر دیا ہے۔ کیونکہ ایسی کوئی کتاب نہیں ہے کہ جس کی بعض روایات پر اہل فن نے کچھ نہ کچھ کلام نہ کیا ہو۔ چنانچہ خود صحیحین کے بارے میں بھی حافظ ابن حجر عسقلانی نے شرح نخبہ میں یہی لکھا ہے:

إلا أن هذا يختص بما لم ينتقده أحد من الحفاظ مما في الكتابين۔

یہ تلقی بالقبول صحیحین کی ان روایات کے ساتھ مختص ہے کہ جن پر حفاظ حدیث میں سے کسی نے کلام نہ کیا ہو۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے کتب حدیث کے طبقات کو اس طرح متعین کیا ہے کہ:

پس طبقہ اولے از کتب حدیث سہ کتاب اند، موطا، صحیح بخاری، صحیح مسلم، و نسبت درین ہر سہ کتاب آنست کہ موطا گویا اصل وام صحیحین است و در کمال شہرت رسیدہ، ہزار

کس از علماء عصر امام مالک موطا را روایت کردہ اند مثل شافعی، وامام محمد یحییٰ بن یحییٰ مصمودی ویحییٰ بن یحییٰ تمیمی ویحییٰ بن بکیر وابو مصعب و قعنبی، وعدالت وضبط رجال این کتاب مجمع علیہ ودر مدینہ ومکہ وعراق، شام ویمن ومصر ومغرب ومشرق مشہور شدہ، وبناء فقہاء امصار برآنست ودر زبان امام مالک وبعد از ایشان نیز علماء وتخریج بر موطا وذکر متابعات وشواہد احادیث ان سعی منیع نمودند کہ در شرح غریب وضبط مشکل وبیان فقہ سائر وجوہ بیان آنقدر اہتمام کردند کہ زیادہ برآن متصور نیست، و صحیح بخاری و صحیح مسلم ہر چند در بسط وکثرت احادیث دہ چند موطا باشند لیکن طریق روایت احادیث وتمیز رجال وراہ اعتبار واستنباط از موطا آموختہ اند ومعہذا این ہر دو کتاب نیز مخدوم طوائف انام وجمیع علماء اسلام اند فرقہ مستخرجات برای اینہا نوشتہ اند مثل اسماعیلی وابو عوانہ وطائفہ متصدی شرح غریب وضبط مشکل وبیان قصہ واحوال رواۃ آنہا شدہ اند ودر شہرت تلقی بالقبول بدرجہ علیا رسیدہ اند صاحب جامع الاصول از فربری نقل کردہ است کہ صحیح بخاری رالہ بخاری بلاواسطہ نود ہزار کس سماع دارند، خلص کلام آنکہ احادیث این ستہ کتب اصح الاحادیث اند اگرچہ بعضے احادیث این ہر سہ کتاب صحیح تراز بعض باشند واگر بہ نظر تفحص دیدہ شود احادیث مرفوعہ موطا غالبًا در صحیح بخاری موجود اند پس صحیح بخاری مشتمل است بر موطا باعتبار احادیث مرفوعہ آری آثار صحابہ وتابعین در موطا زیادہ است پس این ہر سہ کتاب را در طبقہ اولی باید داشت۔

پس کتب حدیث کے پہلے طبقہ میں تین کتابیں ہیں۔ مؤطا، صحیح بخاری، صحیح مسلم ... اور تین کتابوں کی باہمی نسبت یہ ہے کہ موطا گویا صحیحین کی اصل اور ام (ماں) ہے اور کمال شہرت کو پہنچی ہوئی ہے۔ امام مالک کے زمانہ کے ایک ہزار علماء نے جیسے کہ شافعی، امام محمد، یحییٰ بن یحییٰ مصمودی، یحییٰ بن یحییٰ تمیمی، یحییٰ بن بکیر، ابو مصعب اور قعنبی ہیں مؤطا کی روایت کی ہے۔ اور اس کتاب کے رجال کی عدالت اور ضبط متفق علیہ ہے اور یہ کتاب مدینہ، مکہ، عراق، شام، یمن، مصر اور مغرب ومشرق میں مشہور ہو چکی ہے۔ اور فقہاء امصار کا دار ومدار اسی پر ہے۔ اور امام مالکؒ کے

زمانے میں اور ان کے زمانہ کے بعد بھی علماء نے مؤطا کی روایات کی تخریج اور اس کی احادیث کے متابعات و شواہد کے بیان کرنے میں نہایت کوشش کی ہے اور شرح غریب اور ضبط شکل اور بیان فقہ اور دیگر تمام قابل ذکر امور کے بیان کرنے میں اس درجہ اہتمام کیا ہے کہ اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اور صحیح بخاری وصحیح مسلم اگرچہ کہ بسط و کثرت احادیث کے لحاظ سے مؤطا سے دس گنی ہیں لیکن روایت کا طریقہ رجال کی تمیز اور اعتبار و استنباط کا ڈھنگ انہوں نے مؤطا ہی سے سیکھا ہے تاہم یہ دونوں کتابیں بھی ہمارے علماء اسلام و طوائف انام کی مخدوم ہیں۔ کچھ لوگوں نے جیسے اسماعیلی اور ابو عوانہ ہیں ان کے لئے مستخرجات لکھی ہیں اور کچھ لوگوں نے شرح غریب اور ضبط مشکل اور ان کے رواۃ کے حالات و واقعات کے بیان پر توجہ کی ہے۔ اور شہرت اور تلقی بالقبول میں یہ نہایت ہی بلند درجہ پر فائز ہیں۔ صاحب جامع الاصول نے فربری سے نقل کیا ہے کہ صحیح بخاری کو امام بخاری سے نوے ہزار آدمیوں نے بلاواسطہ سنا ہے، خلاصہ کلام یہ کہ ان تینوں کتابوں کی حدیثیں سب سے زیادہ صحیح ہیں گو ان تینوں کتابوں کی بعض حدیثیں بھی بعض کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہوں۔ اور اگر جستجو کر کے دیکھا جائے تو مؤطا کی مرفوع حدیثیں اکثر صحیح بخاری میں موجود ہیں پس صحیح بخاری مرفوع احادیث کے لحاظ سے مؤطا پر مشتمل ہے البتہ صحابہ و تابعین کے آثار مؤطا میں زیادہ ہیں، لہٰذا ان تینوں کتابوں کو پہلے طبقہ میں رکھنا چاہئے۔

یہاں چند امور پر تنبیہ کرنا ضروری ہے۔

(۱) یہ ایک ہزار اشخاص مؤطا کے راوی نہیں بلکہ امام مالک سے ان کی حدیثوں کے راوی ہیں عام اس سے کہ وہ حدیثیں مؤطا میں مذکور ہوں یا نہ ہوں۔ چنانچہ محدث خطیب بغدادی اور قاضی عیاض نے رواۃ مالک کے نام سے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ دارقطنی، قاسم بن اصبغ، ابن عساکر، ابن المقری اور دعلج سجزی جو

مشہور حفاظ حدیث میں سے ہیں غرائب مالک کے عنوان سے جو تصانیف کیں ہیں ان میں امام مالک کی وہ روایتیں موجود ہیں جو مؤطا میں مذکور نہیں ہیں۔[۳۱۷]

قاضی عیاض نے اپنی مشہور کتاب ترتیب المدارک و تقریب المسالک فی ذکر فقہاء مذہب مالک میں ایک مستقل باب ذکر رواۃ المؤطا کے عنوان سے منعقد کیا ہے۔ جس میں ساٹھ سے کچھ اوپر اشخاص کا ذکر ہے۔

بعد کو حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی نے رواۃ مؤطا پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی جس کا نام إتحاف السالك برواۃ المؤطا عن الإمام مالك ہے لیکن حافظ موصوف کی انتہائی کوشش اور تلاش کے باوجود ان کی تعداد اناسی سے زیادہ نہ بڑھ سکی۔ حافظ سیوطی نے تزیین الممالك بمناقب الإمام مالك کی ایک مستقل فصل میں پہلے خطیب اور قاضی عیاض کے حوالہ سے ان ایک ہزار سے زائد راویوں کو نام بنام بقید نسب شمار کرایا ہے کہ جنہوں نے امام مالک سے حدیثیں روایت کی ہیں اور بعد کو ایک دوسری فصل میں مدارك قاضی عیاض اور إتحاف السالك کے حوالہ سے ان لوگوں کے نام دیئے ہیں کہ جنہوں نے امام ممدوح سے مؤطا کی روایت کی ہے۔

(۲) اور یہ جو شاہ عبدالعزیز نے لکھا ہے کہ

"بناء فقہاء امصار بر آن است"

اس کی تفصیل شاہ ولی اللہ کی مصفی شرح مؤطا میں اس طرح مذکور ہے کہ:

اہل مذہب مالک خود عمل ایشاں بر آنست واصل مذہب شافعی وسر مشق اجتہاد او مؤطا مالک است در بعض جاہا تعقب کردہ است ودر ترجیح روایات اختلاف نمودہ است، و محمد را در مبسوط وغیر آن سرمایہ فقاہت مؤطا است والآثار یکہ از امام ابو حنیفہ روایت

---

[۳۱۷] ملاحظہ ہو الرسالۃ المستطرفہ فی بیان مشہور کتب السنۃ المشرفہ از سید محمد کتانی، ص ۸۴-۸۵، طبع بیروت، ۱۳۳۲ھ۔

کردہ است جمیع مسائل فقہ راکفایت نمی کند ودر مؤطا بسیار جامی گوید وبہ اقول وبہ کان یقول ابو حنیفہ۔[318]

مالکی مذہب والوں کا عمل خود اسی کتاب پر ہے اور امام شافعی کے مذہب کی اساس ان کی اور سر مشق اجتہاد بھی مؤطا مالک ہے۔ بعض مقامات پر انہوں نے مؤطا پر اعتراض بھی کئے ہیں اور روایات کی ترجیح میں اختلاف کیا ہے اور امام محمد کا مبسوط اور دیگر تصانیف میں سرمایہ فقاہت یہی مؤطا ہے ورنہ کتاب الآثار جس کی وہ امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں فقہ کے تمام مسائل کے لئے کافی نہیں چنانچہ مؤطا میں بہت جگہ کہتے رہتے ہیں کہ اسی حدیث سے میں سے کہتا ہوں اور اسی سے ابو حنیفہ کہتے تھے۔

شاہ ولی اللہ سے پہلے بھی بعض علماء جنہیں مالکی مذہب پر عبور نہ تھا اسی غلط فہمی میں مبتلا ملتے ہیں کہ مالکیہ کا عمل درآمد مؤطا پر ہے، چنانچہ محدث حسینی نے بھی التذکرۃ برجال العشرۃ (۳۱۹) میں اسی خیال کا اظہار کیا ہے لیکن یہ بالکل خلاف واقعہ ہے۔ (۳۲۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی، تعجیل المنفعۃ بزوائد رجال الأئمۃ الأربعۃ میں ان کی اس غلطی پر تنبیہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

لیس الأمر عند المالکیۃ کما ذکر بل اعتمادھم فی الأحکام والفتوی علی مارواہ ابن القاسم عن مالک سوآء وافق ما فی المؤطا أم لا، وقد جمع بعض المغاربۃ کتابا فیما خالف فیہ المالکیۃ نصوص المؤطا کالرفع عند الرکوع والاعتدال۔ (ص ۴)

---

[318] ۔ص ۸، طبع دہلی، ۱۳۴۶ھ

[319] ۔اس کتاب میں موکف نے صحاح ستہ موطا امام مالک، مسند امام شافعی، مسند امام احمد اور مسند امام ابی حنیفہ (مرتبہ حافظ حسین بن محمد بن خسرو) ان دس کتابوں میں جن لوگوں سے حدیثیں روایت کی گئی ہیں ان کے حالات لکھے ہیں۔

[320] ۔تاریخ بغداد از محدث خطیب بغدادی، ج ۲، ص ۱۷۶، طبع مصر۔

مالکیہ کے یہاں عملدرآمد اس طرح نہیں جیسا کہ حسینی نے ذکر کیا ہے بلکہ ان کا اعتبار فتاوی اور احکام کے بارے میں ان روایات پر ہے جن کو ابن القاسم نے امام مالک سے نقل کیا ہے خواہ وہ مؤطا کے موافق ہوں یا نہ ہوں اور بعض مغاربہ نے ایک مستقل کتاب ان مسائل کے بیان میں مدون کی ہے جن میں مالک کا عمل مؤطا کے نصوص کے خلاف ہے جیسے کہ رکوع میں جاتے اور پھر سیدھا کھڑا ہوتے وقت رفع یدین کا مسئلہ ہے۔ (۳۲۱)

اس حدیث کو امام بیہقی نے اپنی مشہور کتاب خلافیات میں خود مالک کی سند سے نقل کیا ہے اور حافظ مغلطای نے شرح ابن ماجہ میں تصریح کی ہے کہ اس سند میں کوئی خرابی نہیں ہے شرح ابن ماجہ کا قلمی نسخہ ریاست ٹونک (واقع راجپوتانہ) کے کتب خانہ میں ہماری نظر سے گزرا ہے اور اس کی اصل عبارت درج ذیل ہے۔

واستدل لأبي حنيفة بحديث لا بأس بسنده ذكره البيهقي في الخلافيات من حديث محمد بن غالب ثنا أحمد بن محمد البرافي ثنا عبد الله بن عون الخراز ثنا مالك عن الزهري عن سالم عن ابن عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يرفع يديه إذا افتتح الصلوٰة ثم لايعود۔ انتهى۔

اور امام ابن حزم ظاہری اپنی کتاب مراتب الديانة میں لکھتے ہیں کہ:

فيه نيف وسبعون حديثا قد ترك مالك نفسه العمل بها وفيه أحاديث ضعيفة وهاها جمهور العلماء۔ (مقدمة تنوير الحوالك على مؤطا مالك، السيوطي)

۳۲۱۔ موطا کی روایت میں ان دونوں موقعوں پر رفع یدین مذکور ہے لیکن امام مالک کا عمل ابن القاسم کی مشہور روایت کے مطابق اس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عمر کی اس روایت پر ہے کہ آنحضرت ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو رفع یدین کرتے تھے بعد میں نہیں کرتے تھے۔

مؤطا میں ستر سے اوپر حدیثیں ایسی ہیں کہ جن پر خود مالک نے عمل نہیں کیا ہے اور اس میں ضعیف حدیثیں بھی ہیں جن کی جمہور علماء نے تضعیف کی ہے۔

اور امام شافعی نے مؤطا سے جتنا استفادہ کیا ہے اس سے کہیں زیادہ انہوں نے امام محمد کی تصنیفات سے فائدہ اٹھایا ہے۔ چنانچہ خود ان کی تصریح ہے کہ:

أمنّ الناس علي في الفقه محمد بن الحسن.

سب لوگوں سے زیادہ احسان مجھ پر محمد بن حسن کا ہے۔

اور حافظ سمعانی نے ان کے دوسرے مشہور شاگرد ربیع کی زبانی ان سے یہ نقل کیا ہے کہ:

ليس لأحد علي منة في العلم وأسباب الدنيا ما لمحمد علي وكان يترحم عليه في عامة الأوقات.

تحصیل علم اور اسباب دنیا کے معاملہ میں کسی شخص کا مجھ پر اتنا احسان نہیں جتنا کہ محمد کا ہے (اور ربیع کہتے ہیں کہ عام طور پر ان کے لئے رحمت کے دعائیں کرتے رہتے تھے۔)

امام شافعی کا یہ اعتراف بلاوجہ نہ تھا انہوں نے امام مالک سے تحصیل علم کے بعد دس برس تک جیسا کہ حافظ دیلمی نے ان سے نقل کیا ہے امام محمد کے آستانہ پر حاضری دی ہے اور ایک بار شتر کے برابر ان کی کتابوں کا سماع کیا ہے۔[۳۲۲]

اور شاہ صاحب کا امام محمد کے متعلق یہ لکھنا کہ:

"محمد را سرمایہ فقاہت در مبسوط وغیرہ آن موطا است"

بالکل عجیب ہے کیونکہ حجة الله البالغه اور الإنصاف في بيان سبب الاختلاف میں خود شاہ ولی اللہ ہی نے یہ لکھا ہے کہ:

۳۲۲۔ ایضاً، ج ۲، ص ۱۵۵

وكان أحسنهم تصنيفًا وألزمهم درسا محمد بن الحسن وكان من خبره انه اتفقه على أبي حنيفة وأبي يوسف ثم خرج إلى المدينة فقرأ المؤطا على مالك.

امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں سب سے اچھے مصنف اور سب سے زیادہ پابندی کے ساتھ درس دینے والے محمد بن حسن تھے جن کا واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف سے فقہ کو حاصل کیا پھر مدینہ جاکر امام مالک سے مؤطا پڑھی۔ (۳۲۳)

۳۲۳۔ اس میں شک نہیں کہ امام مالک کے زمانہ درس کا عام طریقہ یہ تھا کہ شاگرد پڑھتے تھے اور وہ سنتے تھے لیکن امام محمد نے امام مالک سے موطا پڑھی نہ تھی سنی تھی۔ اور یہ امام محمد کا وہ امتیاز خاص ہے کہ جو دوسرے رواۃ موطا میں شاید ہی کسی اور کو حاصل ہو چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی تعجیل المنفعہ میں لکھتے ہیں:

قال محمد بن عبد الله بن عبد الحكم سمعت الشافعي يقول: قال لي: محمد بن الحسن أقمت على باب مالك ثلاث سنين وسمعت من لفظه سبعمائة حديث انتهى وكان مالك لايحدث من لفظه إلا قليلا. فلولا طول إقامة محمد عنده وتمكنه منه ماحصل له عنه هذا وهو احد رواة الموطأ عنه وقد جمع حديثه عن مالك وأورد فيه مايخالفه وهو الموطأ المسموع من طريقه۔

محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کو یہ کہتے سنا کہ مجھ سے امام محمد بن حسن نے بیان کیا کہ میں تین سال تک امام مالک کے دردولت پر مقیم رہا اور خود ان کی زبانی میں نے سات سو حدیثیں سنی ہیں (حافظ ابن حجر کہتے ہیں) امام مالک خود اپنی زبان سے حدیثیں کم بیان کیا کرتے تھے۔ اس لئے امام محمد کا اگر ان کے پاس لمبا قیام نہ ہوتا اور انہیں ان کا بخوبی موقع نہ ملتا تو یہ بات ان کو حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ امام محمد بھی موطا کے راویوں سے ایک ہیں انہوں نے امام مالک کی حدیثوں کو جمع کرکے جو ان کے مخالف روایتیں تھیں ان کو بھی ذکر کیا ہے اور یہی وہ موطأ ہے جس کا سماع ان کے طریقہ سے ہے۔

تعجیل المنفعة میں سمعت من لفظه سبعمائة حديث طبع ہوا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی کی دوسری کتاب لسان المیزان میں سمعت من لفظه أكثر من سبعمائة حديث یعنی سات سو زیادہ

اور حافظ ابن حجر عسقلانی، تعجیل المنفعة میں امام محمد کے الفاظ ہیں۔

ولازم أبا حنيفة وحمل عنه الفقه والحديث۔

اور امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر ہے اور ان سے فقہ وحدیث کی تحصیل کی۔

اور حافظ ذہبی مناقب أبي حنيفة وصاحبيه میں لکھتے ہیں۔

وكتب شيئا من العلم عن أبي حنيفة ثم لازم أبا يوسف من بعده حتى برع في الفقه۔[۳۲۴]

غور کیجئے کہ جب امام محمد نے مدینہ جانے اور مؤطا کے پڑھنے سے پیشتر امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف سے فقہ کی تحصیل کرلی تھی تو پھر ان کا سرمایہ فقاہت مبسوط اور دیگر تصانیف میں مؤطا کو قرار دینا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے ہمیں شبہ ہے کہ فقہ میں امام محمد کی کوئی تصنیف شاہ صاحب کی نظر سے گزری بھی تھی یا نہیں، پھر جس بنیاد پر شاہ صاحب نے یہ دعوی کیا ہے وہ اور بھی عجیب ہے۔ یعنی:

"وآثار کہ از امام ابو حنیفہ روایت کردہ است جمیع مسائل فقہ را کفایت نمی کند"

انہوں نے امام ابو حنیفہ سے کچھ علم لکھا اور پھر امام ابو یوسف کی ملازمت اختیار کی تا آنکہ فقہ میں کمال حاصل ہو گیا۔

اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ شاہ صاحب کی نظر سے مبسوط نہیں گذری کیونکہ اس کتاب میں امام محمد نے جمیع مسائل فقہ میں خود امام ابو حنیفہ کے اقوال نقل کئے ہیں۔ علاوہ ازیں امام محمد نے کتاب الآثار کی روایات کے علاوہ امام ابو حنیفہ سے اور بھی بہت سی حدیثیں سنی ہیں جو ان کی دوسری تصانیف میں موجود ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی، تعجیل المنفعة کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

حدیثیں میں نے خود ان کی زبان سے سنی ہیں۔ اور یہی صحیح ہے کیونکہ خطیب کی تاریخ بغداد اور حافظ ابن عبد البر کی کتاب الانتقاء میں بھی اس روایت کے اندر یہی الفاظ مذکور ہیں۔

۳۲۴۔ (ص ۵۰)

والموجود من حديث أبي حنيفه مفردًا إنما هو كتاب الآثار التي رواها محمد بن الحسن عنه ويوجد في تصانيف محمد بن الحسن وأبي يوسف قبله من حديث أبي حنيفة أشياء أخرى. (ص۵)

امام ابو حنیفہ کی حدیث میں مستقل کتاب جو موجود ہے وہ کتاب الآثار ہے جس کی امام محمد نے ان سے روایت کی ہے نیز امام محمد بن حسن کی تصانیف میں اور ان سے بھی پہلے امام ابو یوسف کی کتابوں میں امام ابو حنیفہ کی احادیث کے سلسلہ میں کچھ اور چیزیں بھی پائی جاتی ہیں۔ نیز امام محمد کی معلومات علم حدیث میں صرف کتاب الآثار یا مؤطا تک محدود نہیں بلکہ انھوں نے اور بھی بہت سے شیوخ سے اس فن کی تحصیل کی ہے۔

اور یہ جو شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ:

''در مؤطا بسیار جامی گوید: وبه اقول، وبه كان يقول أبو حنيفة.''

سو اول تو یہ الفاظ مؤطا امام محمد میں بہت جگہ تو کیا بعض جگہ بھی ملنے مشکل ہیں کیونکہ وہ ان الفاظ کی بجائے عام طور پر وبهذا نأخذ وهو قول أبي حنيفة (یعنی اسی حدیث کو ہم لیتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے) کہتے ہیں۔ اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شاہ صاحب کو ائمہ حنفیہؒ کی متداول کتابوں سے بھی زیادہ اعتناء نہ تھا کیونکہ یہ الفاظ امام محمد نے مؤطا میں ایک جگہ نہیں سیکڑوں جگہ لکھے ہیں۔ اور دوسرے یہ خود ہمارے مدعا کی دلیل ہے۔

کیونکہ بقول شاہ صاحب جب امام محمد یہ فرماتے ہیں کہ وبه كان يقول أبو حنيفه (یعنی ابو حنیفہ بھی اسی حدیث سے کہتے تھے) تو پھر معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ کو اس حدیث کا پہلے سے علم تھا۔

اور ہم نے یہ مانا کہ کتاب الآثار کا وہ نسخہ جس کو امام محمد نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے بقول شاہ صاحب: جمیع مسائل فقہ را کفایت نمی کند. (فقہ کے جمیع مسائل کو کافی نہیں۔)

لیکن کیا مؤطا کے متعلق شاہ صاحب کا یہ دعوی تسلیم کیا جاسکتا ہے جبکہ خود انہیں مؤطا کی اس تبویب جدید میں جو انہوں نے مسوی اور مصفی میں اختیار کی ہے باوجود سعی پیہم کے بہت سے ابواب کے تحت کوئی روایت نہ مل سکی اور مجبوراً کسی آیت یا کسی مسئلہ کے ذکر پر قناعت کرنی پڑی ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ اگر شاہ صاحب کی نظر سے کتاب الآثار إمام أبو حنیفة کے وہ نسخے گزرتے کہ جن کو امام اعظم سے امام محمد کے علاوہ انکے دوسرے اکابر تلامذہ، امام زفر، امام ابو یوسف، امام حسن بن زیاد وغیرہ نے روایت کیا ہے اور جو ضخامت میں مؤطا سے کسی طرح کم نہیں ہیں تو شاہ صاحب ہرگز ایسا نہ لکھتے، پھر لطف یہ ہے کہ اس تمام بحث کے باوجود قرة العینین میں شاہ ممدوح نے صاف لفظوں میں اعتراف کرلیا ہے کہ:

مسند ابی حنیفه و آثار محمد بناء فقه حنفیه است (ص: ۱۷۱)

فقہ حنفی کی بنیاد مسند امام ابی حنیفہ اور آثار امام محمد پر ہے۔

(۳) اور یہ جو شاہ عبدالعزیز نے لکھا ہے کہ:

"و در زمان امام مالک وبعد از زمان ایشان نیز علماء در تخریج بر مؤطا و ذکر متابعات و شواہد احادیث آن سعی بلیغ نمودند"

اس کی تفصیل شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس طرح سپرد قلم فرمائی ہے کہ:

وقد صنف في زمان مالك مؤطا آت كثيرة في تخريج أحاديثه ووصل منقطعه مثل كتاب ابن أبي ذئب وابن عينية والثوري ومعمر وغيرهم ممن شارك مالكا في الشيوخ. (باب طبقات كتب الحديث)

امام مالک کے زمانے میں بہت سی مؤطائیں ان کے مؤطا کی احادیث کی تخریج اور اس کی منقطع روایات کے وصل میں تصنیف کی گئیں جیسے کہ ابن ابی ذئب، ابن عینیہ، ثوری اور معمر وغیرہ کی کتابیں ہیں کہ جو امام مالک کے ساتھ ان کے شیوخ سے روایت کرنے میں شریک ہیں۔

لیکن یاد رہے کہ ان ائمہ مذکورین میں سے کسی ایک کے متعلق بھی تاریخ سے یہ ثابت نہیں کہ اس نے کوئی کتاب مؤطا امام مالک کی احادیث کی تخریج اور اس کی منقطع روایات کے وصل کے لئے تصنیف کی ہے اور نہ ان میں سے کسی نے بجز ابن ابی ذئب کے اپنی کتاب کا نام مؤطا رکھا ہے؛ خدا جانے شاہ صاحب موصوف کو یہ غلط فہمی کس طرح پیدا ہو گئی۔ اسی طرح مسوی شرح مؤطا کے مقدمہ میں جو شاہ صاحب ممدوح نے یہ فرمایا ہے کہ:

علماً مني بأن مسند الدارمي إنما صنف لإسناد أحاديث المؤطا.[۳۲۵]

میرے اس علم کی بنیاد پر کہ مسند دارمی احادیث مؤطا کی سند کو بیان کرنے کے لئے تصنیف کی گئی ہے۔

یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ مسند دارمی کا احادیث مؤطا کی اسناد سے بظاہر کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ ہم نے شاہ صاحب کے اس دعوی کی تصدیق کے لئے مؤطا کی بہت سی مرسل و منقطع حدیثوں کو دارمی کی کتاب میں تلاش کیا لیکن سوائے ناکامی کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ دارمی کی کتاب ہندو شام میں مکرر طبع ہو چکی ہے اہل علم ان دونوں کتابوں کو سامنے رکھ کر خود اس بیان کی حقیقت معلوم کر سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر مؤطا کی تین مرسل حدیثیں جو دارمی کی کتاب میں نہیں ہیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ مالك عن يحيى بن سعيد أنه بلغه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ما على أحدكم لو اتخذ ثوبين لجمعته سوى ثوبي مهنته.

۳۲۵۔ یہ واضح رہے کہ ہندوستان کے مطبوعہ نسخہ میں اس عبارت پر نسخہ کا نشان ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عبارت مسوی کے ایک نسخہ میں تھی اور دوسرے میں نہ تھی۔ لیکن اس کتاب کا جو نسخہ مکہ مکرمہ میں مولانا عبید اللہ سندھی کے زیر اہتمام طبع ہوا ہے اس میں نسخہ کا نشان نہیں ہے۔

۲۔ مالك عن ابن شهاب عن ابن السباق أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في جمعة من الجمع: يا معشر المسلمين إن هذا يوم جعله الله عيداً فاغتسلوا ومن كان عنده طيب فلا يضره أن يمس منه وعليكم بالسواك.

۳۔ مالك عن جعفر بن محمد عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطب خطبتين يوم الجمعة و جلس بينهما.

(۴) اور یہ جو شاہ عبدالعزیز نے تحریر فرمایا ہے کہ:

"خلص کلام آنکہ احادیث این ہر سہ کتب اصح الاحادیث اند اگرچہ بعضے احادیث این ہر سہ کتاب صحیح تر از بعض باشند."

اس سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب ابن صلاح کی اس تقسیم ہفتگانہ سے متفق نہیں ہیں کہ سب سے صحیح تر وہ حدیث ہے جس کی روایت پر بخاری و مسلم دونوں متفق ہوں، پھر وہ جس کو صرف بخاری روایت کریں پھر وہ جس کو صرف مسلم روایت کریں، پھر وہ جو ان دونوں کی شرط پر صحیح ہوں، پھر وہ جو بخاری کی شرط پر صحیح ہو، پھر وہ جو مسلم کی شرط پر صحیح ہو، پھر وہ جو دوسرے ائمہ کی شرط پر صحیح ہو۔ بلکہ ان کے نزدیک مؤطا کی بعض روایات صحیحین کی بعض روایات سے بھی صحیح تر ہو سکتی ہیں۔

۵۔ طبقہ اولے کی کتابوں کے سلسلہ میں شاہ عبدالعزیز نے تو عجالہ نافعہ میں مؤطا اور صحیحین کی نشاندہی کر کے صرف اس قدر لکھنے پر قناعت کی ہے کہ:

"پس این ہر سہ کتاب را در طبقہ اولے باید داشت." یعنی ان تینوں کتابوں کو طبقہ اولی میں رکھنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ اس کو تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ لیکن ان کے والد ماجد نے حجة الله البالغة میں اس سے آگے بڑھ کر یہ دعوی کیا ہے کہ:

فالطبقة الأولى منحصرة بالاستقراء في ثلاثة كتب، المؤطا، وصحيح البخاري، وصحيح مسلم.

طبقہ اولی استقراء کی بناء پر صرف تین کتابوں میں منحصر ہے۔ مؤطا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم۔

لیکن ہمارے نزدیک یہ استقراء کامل نہیں، بلکہ امام ابو حنیفہ کی کتاب الآثار بھی اسی طبقہ میں داخل ہے، کیونکہ اس کو امام ابو حنیفہ کی نظر انتخاب نے چالیس ہزار احادیث کے مجموعہ سے چن کر فراہم کیا ہے۔

موازنہ بین الصحیحین

علامہ نووی شرح مسلم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

قد اتفق العلماء علی ان أصح الکتب بعد القرآن العزیز الصحیحان البخاری ومسلم. وتلقتهما الأمة بالقبول وکتاب البخاری أصحهما صحیحاً وأکثرهما فوائد ومعارف ظاهرة وغامضةً.

نووی کی اس عبارت میں تین دعاوی ہیں۔

اول: یہ کہ علماء اس امر پر متفق ہیں کہ قرآن عزیز کے بعد صحیحین اصح الکتب ہیں۔

دوم: یہ کہ ان کتابوں پر امت کی تُلقی بالقبول ہے۔

تیسرا: یہ کہ بخاری کی کتاب مسلم سے اصح ہے۔

ان میں سے پہلے دو دعووں پر بحثیں بعد کو آئیں گی سردست تیسرا دعوی محل بحث ہے۔ نووی نے اپنے دعوی کے ثبوت میں حسب ذیل دلائل پیش کئے ہیں۔

۱) امام مسلم امام بخاری کے شاگرد تھے۔ ان سے علمی استفادہ کرتے تھے اور ان کی عظمت شان کے معترف تھے۔

۲) علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ امام بخاری جلالت علمی اور معرفت فن میں مسلم سے بڑھے ہوئے ہیں۔

۳) امام نسائی نے فرمایا:

ما فی هذه الکتب کلها أجود من کتاب البخاری۔

۴) مسلم کا مذہب یہ ہے کہ اسناد معنعن کا حکم اسناد موصول کا ہے بشرط یہ کہ راوی اور مروی عنہ دونوں معاصر ہوں اگرچہ کسی خارجی شہادت سے ان کا اجتماع معلوم نہ ہو تب بھی روایت متصل سمجھی جائے گی اور امام بخاری ایسی روایت کو جب تک کہ ان دونوں کے مابین خارجی شہادت سے اجتماع کا ثبوت نہیں ہوتا اتصال پر محمول نہیں کرتے۔

نووی نے اپنی شرح میں ان ہی دلائل کو بیان کیا ہے۔

۱) ہمارا معروضہ یہ ہے کہ امام مسلم کے تلمذ کا ثبوت پایہ تحقیق تک نہیں پہنچتا اور جو روایت اس باب میں بیان کی جاتی ہے کہ امام مسلم کی امام بخاری سے ایک مجلس میں ملاقات ہوئی اور امام مسلم نے اس مجلس میں حدیث کفارۃ مجلس کے بارے میں امام بخاری سے سوال کیا اور امام بخاری نے مسلم کے بہت اصرار کے بعد اپنی تحقیق سے مطلع فرمایا کہ یہ حدیث متصلاً ثابت نہیں اور اس پر امام مسلم نے بے ساختہ یہ فرمایا کہ:

دعنی أقبل رجلیك یا أستاذ الأستاذة ویا سند المحدثین ویا طبیب الحدیث فی علله.

یہ روایت معرفۃ علوم الحدیث (حاکم نیشاپوری) میں مذکور ہے اور اس کا راوی ابو حامد اعمش قصار، محدثین کے نزدیک مجروح ہے اور حافظ زین الدین عراقی نے نکت ابن صلاح اور شرح ألفیة دونوں میں یہ تصریح کی ہے کہ اس روایت کے وضع کرنے میں یہ متہم ہے لہٰذا اس کا دعویٰ صحیح نہیں اور یہ وجہ بھی بیان کی ہے کہ یہ روایت متعدد طریقوں سے ثابت ہے اور بہت سے محدثین نے اس کی تصحیح بھی کی ہے لہٰذا یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے طرق پر بخاری اور مسلم دونوں کی نظر نہ ہو اور امام بخاری ایک صحیح حدیث کو معلول کہہ دیں لہٰذا اس استفادے اور تلمذ کی بنیاد اگر اس روایت پر ہے تو یہ دعویٰ بے برہان ہے اور اگر مسلم کی تصانیف میں کسی روایت کا وجود امام بخاری سے

پایا جاتا ہے اس کا ذکر کرنا چاہئے تاکہ دعویٰ پر برہان ہو حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں امام بخاری اور امام ذہلی کے باہمی مناقشہ کو ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ ان دونوں کے باہمی نزاع کی وجہ سے امام مسلم نے ان دونوں سے حدیث کی روایت ترک کردی تھی۔

چنانچہ حافظ صاحب کے الفاظ ہیں:

قلت قد انصف مسلم فلم یحدث فی کتابہ عن ھذا ولا عن ھذا۔

اور حافظ اسماعیلی نے المدخل فی أصول الحدیث میں صحیح بخاری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

وقد نحی نحوہ فی التصنیف جماعۃ وفیھم مسلم ابن الحجاج وکان یقارب بہ فی العصر فرام مرامۃ وکان یأخذ عنہ او عن کتبہ۔

حافظ اسماعیلی کی اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس امر میں متشکک ہیں کہ امام مسلم ان سے براہ راست استفادہ کرتے تھے یا ان کی کتابوں سے مطالعہ کرتے تھے اور جب تیقن کے ساتھ کوئی بات ثابت نہ ہو مدعٰی ثابت نہیں ہوسکتا صحیح مسلم کی داخلی شہادت ان تینوں دعاوی کے خلاف معلوم ہوتی ہے، انہوں نے حدیث معنعن کی بحث میں جس طرح امام بخاری پر تنقید کی ہے وہ کسی طرح ایک شاگرد کے شایان شان نہیں ہوسکتی اور اس کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام بخاری کی عظمت و جلالت شان کے بھی اس فن میں معترف نہیں۔

غور کیجئے ! بحث کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

وقد تکلم بعض منتحلي الحدیث من أھل عصرنا في تصحیح الأسانید وتسقیمھا لو ضربنا عن حکایتہ وذکر فسادہ صفحا لکان رأیا متیناً ومذھباً صحیحاً الخ۔

پھر آگے چل کر امام بخاری کے قول پر جو تبصرہ کیا ہے وہ ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

وهذا قول ساقط مخترع مستحدث لم يسبق قائله اليه ولا مساعد له من اهل العلم عليه فإن القول به بدعة باطلة۔

یہ وہ تشنیع ہے جس کے متعلق نووی کو اقرار ہے۔

وقد اطنب مسلم فی الشناعة۔

مسلم نے طعن و تشنیع میں اطناب کیا ہے لہٰذا دعوی تلمذ واستفادہ صحیح نہیں اور اس کی بناء پر ترجیح بھی صحیح نہیں۔

ایک قابل افسوس بات اس سلسلے میں یہ بھی ہے کہ بعض حضرات امام بخاری کی حمایت میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ انہوں نے امام مسلم پر علمی خیانت اور سرقہ تک کا الزام لگایا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے مقدمہ فتح الباری میں جامع صحیح کے فضائل بیان کرتے ہوئے حافظ ابو احمد کبیر سے یہ نقل کیا۔

کہ اللہ محمد بن اسمٰعیل پر رحم فرمائے انہوں نے یہ اصول جمع کئے اور ان کو لوگوں کے سامنے رکھا اور جس نے بھی ان کے بعد کام کیا ان ہی کی کتاب سے لیا جیسا کہ مسلم کہ انہوں نے بخاری کی اکثر کتاب کو اپنی کتاب میں جابجا پھیلا دیا اور اس طرح پوری ڈھٹائی (ضد) کو کام میں لائے کہ بخاری کا ایک جگہ بھی حوالہ تک نہ دیا اور حافظ صاحب کو اس عبارت کے نقل کرنے پر بھی صبر نہیں آیا بلکہ فرماتے ہیں۔

وقال ابو الحسن الدار قطنی الحافظ لو لا البخاری لما راح مسلم ولما جاء وقال ایضاً انما اخذ مسلم کتاب البخاری فعمل مستخرجا وزاد فیه احادیث۔

ہم اس بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتے جن اہل علم نے صحیحین کا مطالعہ کیا ہے اور اس فن کا ذوق رکھتے ہیں وہ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس بارے میں ان کے نزدیک حاکم کبیر ابو احمد اور دار قطنی کی رائے کا کیا وزن ہے۔ ظاہر ہے کہ امام بخاری کو اس فن کی معلومات جن اساتذہ سے حاصل ہوئی تھیں وہی اساتذہ قریب قریب امام مسلم کے بھی تھے بلکہ اکثر شیوخ سے سماع حدیث میں دونوں حضرات شریک ہیں۔ حدیث وروایت کا جو مجموعہ امام بخاری کے پیش نظر تھا وہی کم وبیش امام مسلم کے بھی سامنے تھا۔امام یحیٰ بن معین، امام احمد بن حنبل، علی بن مدینی وغیرہ محدثین کی تصنیفات جس قدر امام بخاری کی نظر سے گزری تھیں امام مسلم کی نظر سے بھی گزری تھیں اور جس طرح امام بخاری نے فن رجال پر کتابیں لکھیں اسی طرح امام مسلم نے بھی لکھیں پھر اگر یہ دونوں حضرات تنقید احادیث، اجتناب علل، صحت رواۃ اور خصوصیات فن میں شریک ہوں تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ اس لئے جب تک خود امام مسلم سے اس امر کی شہادت فراہم نہ ہو کہ انہوں نے اپنی تمام علمی کاوشوں میں امام بخاری کے مساعی کو پیش نظر رکھا ہے محض اپنے گمان سے ایک بات کہہ دینا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

۲) علامہ نووی کی دوسری دلیل یہ تھی کہ امام بخاری جلالت علمی اور معرفت فن میں امام مسلم سے بڑھے ہوئے ہیں اور اس بات پر علماء کا اتفاق ہے۔

سو یہاں بھی دعویٰ اتفاق میں نظر ہے غالباً نووی نے دارقطنی اور ابو احمد حاکم کبیر وغیرہ کی رائے پر نظر کر کے اتفاق کا دعویٰ کر دیا ہے ورنہ وہ خود قدماء محدثین سے اس کے خلاف ناقل ہیں۔ چنانچہ امام مسلم کے تذکرہ میں فرماتے ہیں۔

قال الحاکم ابو عبد اللہ حدثنا ابو الفضل محمد بن ابراھیم قال سمعت احمد بن سلمۃ یقول رأیت ابا زرعۃ وابا حاتم یقدمان مسلم بن الحجاج فی معرفۃ الصحیح علی مشائخ عصرھما وفی روایۃ فی معرفۃ الحدیث۔

یہ دونوں بزرگ ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں بلا خوف و تردید کہا جاسکتا ہے کہ:

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

لہٰذا ان کے مقابلے میں دارقطنی ومن تبعہ کی کوئی قیمت نہیں یہ دونوں اپنے فن میں بخاری و مسلم کے ہم پایہ سمجھے جاتے ہیں اور انہیں کے معاصر ہیں نیز دارقطنی اور حاکم کے معاصرین میں سے حافظ عصر ابوالعباس ابن عقدہ بھی ہیں ان سے ایک بار ابو عمرو بن حمدان نے سوال کیا تھا۔

ایھما أحفظ؟ البخاری اومسلم؟۔

انہوں نے فرمایا: محمدٌ عالمٌ ومسلمٌ عالم

اور ابو عمرو بن حمدان کہتے ہیں کہ میں نے بار بار ان سے یہی سوال کیا تو کہنے لگے:

یقع لمحمدٍ الغلط في أهل الشام وذلك لأنه أخذ كتبهم ونظر فيها وربما ذكر الرجل بكنيته ويذكر فى موضع آخر يظنهما اثنين واما مسلم فقلما يوجد له غلط فى العلل لأنه كتب المسانيد ولم يكتب المقاطيع والمراسيل۔ (تذكرة الحفاظ)

اور ایک بات یہ بھی ہے کہ امام بخاری کے اوہام تاریخی اور فن رجال میں ان کی اغلاط پر مشتمل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مسلم کی اغلاط پر کسی محدث نے قلم نہیں اٹھایا، چنانچہ ابن ابی حاتم نے جو کتاب اس سلسلہ میں لکھی ہے اس کا نام کتاب خطأ البخاری ہے یہ کتاب حیدرآباد دکن سے حال ہی میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

۳) امام نووی نے اس سلسلہ میں جو تیسری دلیل پیش کی ہے وہ امام نسائی کا یہ قول ہے۔

ما فی ہذہ الکتب کلها أجود من کتاب البخاری۔

لیکن یاد رہے کہ امام نسائی نے أجود کا لفظ استعمال کیا ہے أصح کا نہیں اور مدعا اصحیت صحیح بخاری کا ثبوت ہے نہ اجودیت کا۔ ہمارے خیال میں یہ صحیح بخاری کی جامعیت اور ان کی دقیقہ سنجیوں (باریک بینی) کی تعریف ہے اور سنن نسائی کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب کی تبویب وتراجم میں امام بخاری کی پیروی کی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ امام نسائی امام بخاری کے طرز تصنیف پر ثناخواں ہیں تاہم حافظ ابن حجر عسقلانی کو اصرار ہے کہ: والنسائی لا یعنی بالجودة إلا جودة الأسانید۔

بے شبہ جودت سے جودت اسانید اور جودت مضامین دونوں مراد لئے جاسکتے ہیں۔ اس لئے آپ کو اختیار ہے کہ آپ ہماری رائے سے اتفاق کریں یا حافظ صاحب کی بات مان لیں۔ مگر اتنا خیال رہے کہ امام نسائی نے صحیح بخاری کے رواۃ میں سے ایک جماعت کو کتاب الضعفاء والمتروکین میں داخل کیا ہے۔

اور حدیث ابن عمر: کیف بك اذا عمرت بین قوم یخبئون رزق سنتهم، الحدیث۔

جو حماد ابن شاکر کے نسخے میں ہے اس کو موضوع بھی کہا ہے۔ بہر حال حافظ صاحب کی تاویل مان لی جائے اور جودة سے جودة اسانید مراد لی جائے۔ تب بھی اس میں حافظ صاحب کی وہ ساری تقریر جاری ہوگی جو انہوں نے شرح نخبہ میں ابو علی نیشاپوری کے قول میں فرمائی ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح حافظ صاحب کے نزدیک ابو علی نیشاپوری کی تصریح مفید مدعی نہیں اسی طرح امام نسائی کی تصریح بھی مرجحین صحیح بخاری کے لئے مفید مدعی نہیں اور امام نسائی کی یہ تصریح باوجود محتمل ہونے کے ابو علی نیشاپوری کے اس قول کے معارض ہے کہ:

ماتحت أديم السماء أصح من كتاب مسلم.

اور ایسی صاف تصریح جیسی حافظ ابو علی نیشا پوری سے منقول ہے۔ قدماء حفاظ و محدثین میں جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے اور کسی سے مروی نہیں۔ اس لئے جب ان دونوں راویوں میں تعارض ہے تو بغیر قدماء حفاظ کے فیصلے کے، متاخرین کے قول پر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

خاص طور پر جبکہ مغاربہ کی بڑی جماعت جن میں امام قرطبی پیش پیش ہیں صحیح مسلم کی ترجیح کے قائل ہیں۔

۴) چوتھی دلیل علامہ نووی کی یہ تھی کہ بخاری کی احادیث معنعن مسلم کی معنعن سے اصح ہیں کیونکہ مسلم نے معاصرین کے عنعنہ کو سماع پر محمول کرتے ہیں خواہ ان کی ملاقات خارج سے ثابت نہ ہوئی ہو اور امام بخاری کے نزدیک جب تک خارجی طور پر یہ معلوم نہ ہو کہ ان دونوں کے درمیان ملاقات ہوئی ہے خواہ وہ ایک لحظہ ہی کے لئے ہو۔ یعنی امام بخاری کے نزدیک راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات کا ہونا ضروری ہے۔ جب تک راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات نہ ہو خواہ ان کا زمانہ ایک ہی ہو روایت متصل نہیں سمجھی جائے گی اور امکان لقاء اتصال روایت کے لئے کافی نہ ہوگا۔ لیکن یہ وجہ بھی خود یوں صحیح نہیں کہ خود نووی کا یہ فصلہ ہے۔

وان كنا لا نحكم على مسلم بعمله فى صحيحه بهذا المذهب لكونه يجمع طرقا كثيرة بتعذر معها وجود هذا الحكم الذى جوزه.

لہٰذا جب مسلم نے حسب اقرار نووی اپنی صحیح میں اس مذہب پر عمل ہی نہیں کیا بلکہ وہ اتنے طریقے بیان کر جاتے ہیں کہ اس کے بعد ان کی روایت کردہ حدیث پر یہ حکم ہی لگانا مشکل ہے کہ اس میں انقطاع کا احتمال باقی ہو تو پھر مسلم کی معنعن روایات بخاری کی معنعن روایات سے صحت سے کس طرح کم ہوگئیں۔

اور بالفرض والتقدیر اگر یہ دعوی ترجیح تسلیم بھی ہو تو اس کا تعلق کل کتاب سے کیوں کر ہو سکتا ہے صرف اتنی بات بن سکتی ہے کہ بخاری کی حدیث معنعنہ مسلم کی

حدیث معنعنہ سے اصح ہیں اور یہ مناسب نہیں کہ مقام دعویٰ میں جزء بول کر کل مراد لیا جائے۔

قرین انصاف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ علی الاطلاق مجموعہ بخاری کی اصحیت کا دعویٰ مجموعہ صحیح مسلم پر درست نہیں۔ بلکہ صورتحال یہ ہے کہ احادیث صحیحین کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی وہ احادیث جن کی روایت میں امام مسلم اور امام بخاری دونوں متفق ہیں.

دوسرے وہ احادیث جن کی روایت میں امام بخاری متفرد ہیں۔ تیسری وہ احادیث جن کی روایت میں امام مسلم متفرد ہیں یہ تنقیح ضروری ہے گو متاخرین نے اصول حدیث کی کتابوں میں اس تنقیح کو نظر انداز کر دیا ہے۔

اب پہلی قسم کی احادیث جن پر صحیحین کا بڑا حصہ مشتمل ہے ان میں اصحیت ما رواہ البخاری کا دعویٰ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ جب کہ وہ حدیثیں بعینہٖ صحیح مسلم میں بھی موجود ہیں۔ کیونکہ جو شرط بھی ان روایات میں فرض کی جائے وہ دونوں کی روایتوں میں موجود ہے۔ سوائے اس امر کے کہ ایک کی حدیث اس ورق میں دوسرے کی حدیث دوسرے ورق میں۔ لہٰذا دونوں کتابوں کا بیشتر حصہ ایسی حدیثوں پر مشتمل ہوگا کہ جن میں کسی کے لئے بھی اصحیت کا دعویٰ صحیح نہیں اب بحث صرف ان احادیث میں ہو سکتی ہے کہ جو افراد بخاری یا افراد مسلم ہیں اور یوں کہا جا سکتا ہے کہ ما انفرد به البخاری، ما انفرد به المسلم سے اصح ہے نہ کہ کل بخاری کل مسلم سے اور اس دعویٰ کو اس طرح مقید کرنا چاہئے کہ بخاری کی وہ حدیثیں جو متکلم فیه رواۃ سے نہ ہوں اور جن پر ارباب نقد نے کلام نہ کیا ہو وہ افراد مسلم سے اصح ہیں تو یہ ترجیح اقل قلیل کی ہوگی نہ اکثر کی، اور دعویٰ کل کی ارجحیت کا ہے اور اس میں دوسری صورت بھی نکل سکتی ہے کہ بعض افراد مسلم بعض

افراد بخاری سے اصح ہوں۔ لہٰذا ترجیح معدودے چند احادیث سے زیادہ میں ثابت کرنا از روئے فن درست نہیں معلوم ہوتا۔

یہاں ایک چیز اور بھی پیش نظر رہے کہ ایک طرف ابن صلاح اور اس کے مابعد کے مصنفین شوافع، حدیث صحیح کی سات قسمیں قرار دیتے ہیں اور ان سب میں اعلیٰ اور اصح ما اتفق علیه البخاری ومسلم کو بتاتے ہیں اور دوسری طرف یہی لوگ اصح الکتب بعد کتاب اللہ علی الاطلاق صحیح بخاری کو قرار دیتے ہیں۔

اور اس اصحیت سے اگر استثناء کرتے ہیں تو بخاری کی تعلیقات وتراجم کا کرتے ہیں۔ جس کا منشا یہ ہے کہ بخاری کی ہر روایت اصح ہے۔ پھر ان دونوں قولوں میں تعارض ہو جاتا ہے یہاں بھی یوں ہی کہنا چاہئے تھا کہ بعد متفق علیہ روایات کے صحیح بخاری اصح ہے۔ نیز ابن صلاح اور ان کے مابعد کی ایک بڑی جماعت اس پر مصر ہے کہ بخاری ومسلم کی جتنی مرفوع حدیثیں ہیں ان کی صحت قطعی ہے اور ان سے علم نظری حاصل ہوتا ہے۔

بس فرق حدیث متواتر اور حدیث صحیحین میں صرف اتنا ہے کہ حدیث متواتر سے علم بدیہی حاصل ہوتا ہے اور ماروواہ الشیخان سے علم نظری ورنہ قطعی الثبوت ہونے میں دونوں برابر کے شریک ہیں۔ جب ان حضرات کے نزدیک دونوں کتابوں کی روایات قطعی الصحۃ ہیں تو پھر ایک کتاب کی اصحیت کے کیا معنی ہیں۔ لہٰذا یہ سات اقسام جو حدیث صحیح کی کی گئی ہیں کہ أصح الاحادیث ما اتفق علیه الشیخان، ثم انفرد به البخاری، ثم انفرد به المسلم یہ تین قسمیں ایک بن جائیں گی باعتبار صحت کے۔

اسی طرح ابن صلاح وغیرہ نے صحیحین کی احادیث سے تلقی امت کا دعویٰ بھی کیا ہے اور اس تلقی کے بیان کرنے میں بھی ما بین الصحیحین کوئی فرق نہیں بتایا یعنی کسی جگہ پر یہ تصریح نہیں کی کہ صحیح بخاری کی روایات پر امت کی

تلقی بنسبت صحیح مسلم کی روایات کے زیادہ ہے لہٰذا جب دونوں کتابوں پر تلقی علی السواء پائی گئی تو تلقی کی حیثیت سے بھی دونوں کتابوں کی روایتیں صحت میں مساوی ہو جاتی ہیں۔ گو ہم کو ابن صلاح کے ان دونوں دعووں کے تسلیم کرنے میں یعنی احادیث صحیحین کے بارے میں صحت قطعیہ اور تلقی امت دونوں کو تسلیم کرنے میں کلام ہے اور محققین کے نزدیک دونوں باتیں ثابت نہیں تاہم مساوات کا دعویٰ ابن صلاح کے اصول پر صحیح ہو جاتا ہے۔

مسلم کی بخاری پر ترجیح کے سلسلے میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ حضرت امام بخاری روایت بالمعنی کے جواز کے قائل تھے اور وہ حدیث کی تقطیع کو بھی جائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مختلف مقامات پر ایک حدیث کا ایک قطعہ ایک جگہ نقل کیا اور دوسرے ٹکڑا دوسری جگہ اور پھر وہ اس پر تنبیہ بھی نہیں فرماتے کہ یہ فلانی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ بخلاف امام مسلم کے کہ وہ روایت باللفظ کرتے ہیں اور احادیث کی تقطیع نہیں کرتے۔ اور ظاہر ہے کہ اصحیت کے اعتبار سے روایت باللفظ کو روایت بالمعنی پر ترجیح ہے اور اسی طرح مکمل متن کا بیان کرنا بھی تقطیع سے بہتر ہے۔

دوسرا سبب ترجیح مسلم کا یہ ہے کہ امام بخاری کو کسی ایک جگہ اطمینان سے بیٹھ کر تصنیف کرنے کا موقع نہ مل سکا بلکہ صحیح بخاری کی تالیف اکثر اوقات دوران سفر میں جاری رہی اور بسا اوقات ایسا ہوا کہ آپ نے ایک حدیث بصرہ میں سنی اور خراسان میں جاکر اس کی کتابت کی چنانچہ خود امام بخاری سے مروی ہے۔

رب حديث سمعته بالشام فكتبته بالعراق رب حديث سمعته بالبصرة وكتبته بالخراسان۔

اس بناء پر بسا اوقات امام بخاری اپنے حافظہ سے حدیث کو نقل کرتے ہیں اور اس کے الفاظ بعینہٖ نہیں لاتے بلکہ ان میں تصرف کرکے روایت بالمعنی فرماتے ہیں۔ بخلاف امام مسلم کے کہ وہ اس کتاب کی تصنیف کے وقت اپنے وطن میں

مقیم تھے اصل ماخذ اور کتابیں ان کے سامنے تھیں۔ کتاب کی تصنیف اپنے اساتذہ کی زندگی ہی میں جاری کی تھی۔ لہذا بقول حافظ ابن حجر عسقلانی:

وکان یتحرز فی الألفاظ ویتحریٰ فی السیاق۔

ان کا روایت کردہ متن جچا تلا ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حفاظ مغرب جب احادیث کو نقل کرتے ہیں تو مسلم کے سیاق کو مقدم رکھتے ہیں۔ چنانچہ حافظ عبدالحق اندلسی نے جمع بین الصحیحین میں یہی کیا ہے اور امام ابن حزم کا بھی اپنی کتابوں میں اکثر یہی دستور ہے۔ بہر حال مسئلہ خلافی اور معرکۃ الآرآ ہے۔

حافظ مسلم ابن قاسم اندلسی نے اپنی تاریخ میں صحیح مسلم کے لئے لکھا ہے۔

لم یضع احد فی الاسلام مثلہ۔

اور محدث قاضی عیاض نے اپنی کتاب الالماع فی آداب السماع میں ابو مروان طبنی سے نقل کیا ہے کہ میرے بعض شیوخ صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر فضیلت دیتے تھے اور شیخ ابو محمد تجیبی نے اپنی فہرست میں امام ابن حزم ظاہری کے متعلق بھی لکھا ہے کہ وہ مسلم کی کتاب کو بخاری کی کتاب پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ اس عبارت مذکورہ کا اگر حوالہ مقصود ہو تو (مقدمہ فتح الباری فصل ثانی ملاحظہ ہو) حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی تصانیف مقدمہ فتح الباری، شرح نخبہ اور نکت ابن صلاح میں ترجیح صحیح بخاری کو بہت زور و شور سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جس میں بعض دلائل اس سے زیادہ ہیں جو نووی نے بیان کئے ہیں۔ ہم نے ان میں سے بعض دلائل کا جواب ان کتابوں کے حواشی میں دیا ہے۔

دراسات اللبیب فی الأسوة الحسنة بالحبیب۔

ذب ذبابات الدراسات عن المذاهب الأربعة المتناسبات

اگر علامہ ابن حجر عسقلانی کے دلائل کا جواب دیکھنا ہو تو مذکورہ کتب دیکھیں بعض چیزوں کا جواب ان میں دیا گیا ہے۔

مطبوعات الرحیم اکیڈمی کراچی پاکستان

(۱) قرآن مجید، عام فہم ترجمہ اور مختصر تفسیر از مولانا قاری عبدالباری اورنگ آبادیؒ۔ جاپانی کاغذ مجلد......۶۰۰۔

(۲) قول متین شرح حصن حصین از مولانا ابوالعلاء، محمد عبدالعلیم آغا مدنیؒ۔ عمدہ کاغذ مجلد......۳۰۰۔

(۳) بہار خلد ترجمہ منظوم شمائل ترمذی از محدث جلیل مولانا کفایت علی کافی شہید مراد آبادی......۱۵۰۔

(۴) داعیٔ اسلام، بے نقط کلام منظوم سیرۃ سید خیر الانام ﷺ از مولانا صادق علی صادق قاسمی بستوی۔ مجلد۔۱۵۰۔

(۵) حلیۂ نبی اکرم ﷺ، منتخب احادیث شمائل کا منظوم ترجمہ، از مولانا قاری عبدالسلام قصوری......۳۰۔

(۶) فرامین نبوی ﷺ ترجمہ و شرح مکاتیب النبی ﷺ، تالیف، امام ابو جعفر دیبلی سندی

"تحقیق و تقدیم و ترجمہ از پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالشہید نعمانی ڈین آف آرٹ فیکلٹی کراچی یونیورسٹی۔ اعلیٰ کاغذ مجلد۔۱۵۰۔

(۷) نبوی لیل و نہار از مولانا سعد حسن خان یوسفی ٹونکی۔ اعلیٰ کاغذ......۵۰۔

(۸) درر فوائد (ترجمہ و شرح) جمع الفوائد، علامہ محمد بن سلیمان رودانیؒ

حامل متن احادیث نبویہ مع الحواشی عربیہ، علامہ خالد دمشقیؒ

شارح و مترجم، مفسر قرآن علامہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ، چودہ امہات کتب کا مجموعہ۔ عمدہ کاغذ مجلد......۴۰۰۔

(۹) الاربعین النووی، تالیف، امام شرف الدین النوویؒ، عربی، انگریزی، اردو......۶۰۔

(۱۰) مرأۃ الانساب، تالیف، مولانا ضیاء الدین علوی امروہویؒ، الحمد للہ کہ حضور اکرم سرور عالم ﷺ کا یہ نسب نامہ ایسے طرز پر ہے، جس میں اولوالعزم انبیاء علیہم السلام و خلفاء اربعہ صحابہ کرامؓ و ائمہ اربعہؒ و دیگر بزرگان و صوفیائے عظام و سلاطین و عام مشاہیر کے سلاسل مع صحیح حالات تاریخی اس طریقے پر درج ہیں کہ موجودہ زمانہ تک ہر نسل کا منتہی دکھایا گیا ہے، حسنی، حسینی، زبیری، علوی، بنو عباس، شیوخ و انصار، بنی اسرائیل، مغل افغانان و مرزایان وغیرہ جس قدر اقوام عالم اس دنیا میں رہتی بستی ہیں، سب کے آباؤ اجداد کی مکمل سوانح اور نسل کے اعتبار سے موجودہ اور آئندہ نسلوں کا ہونے کی وجہ سے سب کا مکمل نسب نامہ ہے اور ہو سکتا ہے امپورٹڈ عمدہ کاغذ مجلد۔ (مع اضافہ) تذکرہ رحیمی از مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی......۳۰۰۔

(۱۱) امام ابن ماجہؒ اور علم حدیث، از علامہ مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ......زیر طبع۔

(۱۲) تاریخ تدوین حدیث، از علامہ مولانا محمد عبد الرشید نعمانی مقدمہ مولانا سید بلال حسنی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔زیر طبع۔

(۱۳) تاریخ تدوین حدیث، از ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی ایم اے پی ایچ ڈی، تعلیقات، از مولانا سید یحیٰی ندوی۔۔۸۰۔

(۱۴) فتنہ انکار حدیث، از فخر المتکلمین مولانا محمد ایوب دہلوی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۶۰۔

(۱۵) زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین، تالیف، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محدث دہلوی کی فارسی زبان میں نہایت اہم و نادر تصنیف ہے جس میں موصوف نے شیخ علی متقی گجراتی اور اپنے مرشد شیخ عبدالوہاب متقی گجراتی کے حالات و تعلیمات کو تفصیل سے بیان کیا ہے

ترجمہ و حواشی از مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی (دنیائے کتب میں پہلی بار اضافہ ہے)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۰۰۔

(۱۶) امام ابوحنیفہؒ کی تابعیت اور صحابہؓ سے ان کی روایت از پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالشہید نعمانی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۶۰۔

(۱۷) امام اعظم ابوحنیفہؒ اور معترضین، از علامہ مفتی سید مہدی حسن شاہجہانپوریؒ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۵۰۔

(۱۸) امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ناقدین، تالیف، مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانیؒ

مع اضافہ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے حالات زندگی اور امام اعظمؒ کی بصیرت افروز وصیت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۸۰۔

(۱۹) الدر الیتیم فی ایمان آباء النبی الکریم ﷺ، تصنیف، علامہ شاہ علی انور القلندرؒ،

ترجمہ مولانا تقی حیدر القلندر۔ مقدمہ از مولانا ڈاکٹر قاری محمد ضیاء الحق۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۶۰۔

(۲۰) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، للشیخ الشاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مع توضیح و تشریح اردو۔۔۔۶۰۔

(۲۱) التیسیر شرح نحو میر، از مولانا محمد فاروق حسن زئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۵۰۔

(۲۲) تدریس الصرف شرح مقدمہ ارشاد الصرف، از مولانا محمد فاروق حسن زئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۴۰۔

(۲۳) مُعلّم الصّرف، از مفتی اعظم پنجاب مولانا فضیل الرحمٰن عثمانی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۰۔

(۲۴) تبویب الصرف، از مفتی مولانا فضیل الرحمٰن عثمانی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۵۔

(۲۵) تعلیل الصرف، از مفتی مولانا فضیل الرحمٰن عثمانی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۳۰۔

(۲۶) مُعلّمُ النّحو، از مفتی مولانا فضیل الرحمٰن عثمانی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۳۰۔

(۲۷) مقامات حریری ترجمہ و تحشیہ، از مولانا صدیق احمد انوروی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۰۔

(۲۸) تیسیر البلاغۃ، از استاد الفنون و الادب مولانا فرقان احمد ساتکانوی۔ ۶۰/-

(۲۹) معین التجوید مؤلفہ مولانا قاری سید رضا حسن دہلوی۔ ۱۰/-

(۳۰) شجرہ سبعہ قراءات، مسند سبعہ قراءات، از شیخ القراء مولانا قاری ابو محمد محی الاسلام پانی پتی۔ ۲۰/-

(۳۱) استجلاء البصر، شرح شرحہ نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، علامہ ابن حجرؒ

شارح و مترجم اردو، علامہ عبد العزیز ہزارویؒ .... زیر طبع۔

(۳۲) امداد السائل ترجمہ مائۃ مسائل ترجمہ مولانا عبد الحیؒ،

بنظر ثانی و تحشیہ، مولانا حبیب احمد کیرانویؒ ۶۰/-

(۳۳) تحقیق الرؤیاء، عربی اردو، تالیف مولانا شاہ محمد عبد العزیز محدث دہلویؒ ۳۰/-

(۳۴) التعامل، تصنیف، المحدث الکبیر مولانا حیدر حسن خان ٹونکیؒ، ترجمہ مولانا ابو العلاء محمد عبد العلیم آغا ندویؒ ۲۰/-

(۳۵) تنقیح الکلام فی فاتحۃ خلف الامام، للمحدث الفقیہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی

ترجمہ مولانا ابو العلاء محمد عبد العلیم آغا ندویؒ مقدمہ مناظر اسلام محمد امین صفدر اوکاڑویؒ .... زیر طبع۔

(۳۶) کشف الرین عن مسئلۃ رفع الیدین، تالیف، محدث و فقیہ سندھ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھویؒ

ترجمہ، از مولانا محمد عبد العلیم آغا ندویؒ .... زیر طبع۔

(۳۷) پیغام انبیاء اور اصلاح اقوام، از مولانا ابو العلاء محمد عبد العلیم ندویؒ ۳۰/-

(۳۸) یزید کی شخصیت، اہل سنت کی نظر میں، از محقق العصر مولانا محمد عبد الرشید نعمانی ۶۰/-

(۳۹) اکابر صحابہؓ پر بہتان اور شہداء کربلا پر افتراء، از محقق العصر مولانا محمد عبد الرشید نعمانی ۵۰/-

(۴۰) قصاص عثمانؓ اور حضرت علیؓ، از محقق و محدث محمد عبد الرشید نعمانی ۶۰/-

(۴۱) ناصبیت تحقیق کے بھیس میں، از محقق العصر شیخ الحدیث مولانا محمد عبد الرشید نعمانی .... زیر طبع۔

(۴۲) مقالات محدث نعمانیؒ، از محقق العصر شیخ الحدیث مولانا محمد عبد الرشید نعمانی .... زیر طبع۔

(۴۳) یزید کی شخصیت، اکابر اہل سنت دیوبند کی نظر میں، از مولانا ڈاکٹر قاری محمد ضیاء الحق ۲۰/-

(۴۴) تذکرہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ، از مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی ۲۲۰/-

(۴۵) حیات شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ، از مولانا حکیم سید محمود احمد برکاتی۔ ....۶۰۔

(۴۶) حیات مولانا رومؒ، از مولانا شبلی نعمانی۔ ....زیر طبع۔

(۴۷) تذکرۃ المحدثین، تصنیف، مولانا ضیاء الدین اصلاحی۔ جلد اول ....زیر طبع۔

(۴۸) تذکرۃ المحدثین، تصنیف، مولانا ضیاء الدین اصلاحی۔ جلد دوم ....زیر طبع۔

(۴۹) تذکرۃ المحدثین، تصنیف، مولانا ضیاء الدین اصلاحی۔ جلد سوم ....زیر طبع۔

(۵۰) سید احمد شہیدؒ کی اردو تصانیف اور ان کا فقہی مسلک، از مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی ....۵۰۔

(۵۱) اسماعیلیہ، بوہریوں، آغاخانیوں اور شیعوں کا تعارف، تاریخ کی روشنی میں، از سید تنظیم حسین ......۷۰۔

(۵۲) افضل درود شریف، مرتبہ، پروفیسر سید حامد علی شاہ، ترجمہ مولانا محمد حنیف خالد ....۵۰۔

(۵۳) خبر تیں اور بصیرتیں، از سید تنظیم حسینؒ

تلخیص قصص القرآن مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ از، سید تنظیم حسینؒ ....زیر طبع۔

(۵۴) چہل حدیث ولی اللّٰہی، از شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، عربی، انگریزی، اردو ....زیر طبع۔

(۵۵) بہار خلد، ترجمہ وشرح شمائل ترمذی منظوم از مولانا کفایت علی کافی شہید مراد آبادیؒ ....۱۵۰۔

(۵۶) تفسیر مولانا یعقوب چرخیؒ (فارسی)

مع اضافہ، اسرار قرآنی (فارسی)، از استاد العلماء مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ....۱۵۰۔

(۵۷) تکمیل الایمان (فارسی) تصنیف شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ،

مع اضافہ، اعتقاد نامہ منظوم (فارسی) از مولانا عبد الرحمن جامیؒ ....۱۲۰۔

(۵۸) مأۃ مسائل، (فارسی) از مولانا احمد اللہ بن دلیل اللہ نیاز اور شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ ....۱۰۰۔

(۵۹) شرح فقہ اکبر (فارسی) تالیف امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

شارح، بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلیؒ ....۳۵۔

(۶۰) کریما فارسی شیخ سعدیؒ مع اردو ترجمہ منظوم از سرور میواتی، انگریزی ترجمہ، سید غلام قادر واسطیؒ ......۴۰۔

(۶۱) عجائب المخلوقات و اسرار الکائنات فی الحیوان و الانسان و النباتات،

تصنیف، حجۃ الاسلام امام غزالیؒ

یہ عجیب دنیا اردو ترجمہ و تفہیم مولانا سعد حسن خان یوسفی ٹونکی.......................... ۱۰۰/-

(۶۲) دنیا کا مسافر یا آخرت کا راہی، تصنیف، مولانا سعد حسن خان یوسفی ٹونکی.......................... ۵۰/-

(۶۳) آداب الدین تصنیف امام غزالیؒ

اسلامی آداب و اخلاق، ترجمہ و تفہیم، مولانا سعد حسن خان یوسفی ٹونکی.......................... زیر طبع۔

(۶۴) مبادی التصوف، از حکیم امت امام وقت، علامہ اشرف علی تھانویؒ.......................... ۱۵/-

(۶۵) عالم اسلام کے خلاف موجودہ صلیبی و صیہونی جنگ، حقائق، دلائل و شواہد و اعداد و شمار

، از مولانا نور عالم خلیل امینی، شیخ الادب، و مدیر الداعی، دار العلوم دیوبند۔ انڈیا.......................... ۲۵۰/-

(۶۶) القول الاسلم فی فضل نسب النبی الاکرم ﷺ

المعروف رسول اللہ ﷺ کے خاندانی فضائل، از مولانا مفتی سید مشہود حسن حسنی.......................... ۶۰/-

(۶۷) متن الجامع الصغیر للامام محمد بن حسن الشیبانی.......................... زیر طبع۔

(۶۸) امداد السائل ترجمہ مأۃ مسائل۔ از مولانا عبدالحی

بنظر ثانی و تحشیہ مولانا حبیب احمد کیرانویؒ.......................... ۲۰/-

(۶۹) جامع الصلوات، تالیف، الشیخ یوسف بن اسماعیل النبھانی

درود و سلام کا انسائیکلوپیڈیا۔ پاکستان میں پہلی بار.......................... ۱۵۰/-

(۷۰) ادلۂ کاملہ، از، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دیوبندی

تسہیل و تزئین، از، مولانا سعید احمد پالنپوری و مولانا محمد امین پالنپوری.......................... زیر طبع۔

(۷۱) خطبات لندن، مولانا عبدالرحیم دریابادی بستوی، استاذ دار العلوم دیوبند.......................... زیر طبع۔

(۷۲) شیعہ اور تقیہ، از مولانا سلیمان مہدی صدیقیؒ.......................... زیر طبع۔

(۷۳) تحفۂ اثناء عشریہ، تصنیف، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

تحقیق و ترجمہ، از مولانا سعد حسن خان یوسفی ٹونکی.......................... زیر طبع۔

بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ
۲۲ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ

الانصاف فی بیان سبب الاختلاف

مع ترجمہ اردو وعلم الفقہ

تالیف

حجة الاسلام الشاہ ولی اللہ الدہلوی رح

۱۱۱۴ھ — ۱۱۷۶ھ